"تم نے میری خوشی چھین لی ہے، میرا سکھ برباد کر دیا ہے، میری دنیا لوٹ لی ہے، مجھے کہیں کا بھی نہیں رکھا، اب تو رحم کرو مجھ پر، مجھ پر رحم نہیں کرتے، تو اس معصوم پر رحم کرو، جو دنیا میں آنے کے لئے میرے پیٹ میں کروٹیں لے رہا ہے، اس نے کیا بگاڑا ہے تمہارا! تم بہت کچھ کر چکے، کیا اب بھی تمہارا جی نہیں بھرا؟"

"میں سمجھ گیا تم کیا سمجھ رہے ہو، ——— لیکن میں اتنا نیچ نہیں ہوں، میں شرابی ہوں، لچا ہوں، لیکن جھوٹا نہیں نہیں ہوں، دھوکہ باز نہیں ہوں، میری بات مانو، میرے ساتھ چلو!"

شام کا وقت ہے۔ دھوپ ہلکی پڑ چکی ہے، بہت سے اکّے، موٹر تانگے سڑک پر دوڑ رہے ہیں، کچھ ایسے رہرو ہیں جو پاپیادہ قطع مسافت کر رہے ہیں، ان پیادہ پا لوگوں میں ایک جوڑا سب سے الگ ہٹکر، بلکہ لوگوں سے بچتا ہوا اور سمٹتا ہوا، اپنی راہ چل رہا ہے، ایک نوجوان مرد ہے، تنومند، قدآور خوبصورت، ایک نوعمر عورت ہے، طرحدار، سیمیں بدن، گل رخسار، دونوں کے کپڑے دھول سے اٹے ہوئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہیں دور سے یہ آ رہے ہیں، اور کافی حد تک خستہ، اور درماندہ ہو چکے ہیں، مرد کے ہاتھ میں کچھ سامان ہے، عورت کی گود میں ایک ننھی سی بچی ہے، جو ہمک ہمک کر انگوٹھا چوس رہی ہے،

جیسے جیسے یہ لوگ آگے بڑھتے ہیں شور و ہنگامہ کی آواز رفتہ رفتہ بلند ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ یا انسانوں کے ہجوم اور انبوہ میں، راگ رنگ کے شور اور غل میں، گم ہو جاتے ہیں،

رنگ پور کا سالانہ میلہ بڑی دھوم دھام سے ہو رہا ہے، ایک

عجیب چہل پہل اور گہما گہمی کا عالم ہے۔ جگہ جگہ خیمے نصب ہیں، جن میں ایک دنیا آباد ہے، تماشائی، سوداگر، سیاح، مسافر، ہر قسم کے لوگ جمع ہیں بڑے بڑے خیموں میں رستوران، اور ہوٹل، قائم ہیں، بعض خیموں میں ناچ رنگ کی محفلیں، سٹے، اور جوئے کا کاروبار زور شور سے جاری ہے،

آدمیوں کے اس سمندر میں غوطہ لگانے کے بعد مرد نے عورت سے کہا

"لو بھئی پہونچ گئے، آخر میلہ تک، اب یہاں خدا نے چاہا تو کوئی نہ کوئی ٹیس لگ ہی جائے گی، دیکھ لینا چند ہی روز میں کیا سے کیا ہوتا ہے۔"

عورت نے میلہ کی گہما گہمی پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی، اور بولی،

"ہاں آ تو گئے، لیکن میرا تو نہ جانے کیوں دل لرز رہا ہے"

وہ بولا،

"پگلی کہیں کی، یہ کیوں؟"

"جگہ بدل گئی تو کیا، نصیب تو نہیں بدلا"

وہ ایک استغنا اور اطمینان کے انداز سے، عورت کو تسکین دیتے ہوئے بولا،

"ارے وہ بھی بدل جائے گا ——— بہت تھک گئے، یہ سامنے ہوٹل سا دکھائی پڑتا ہے، چلو ذرا وہاں چائے وائے پئیں پھر کہیں پڑ رہنے کا بندوبست کریں گے!"

دونوں ایک بڑے سے خیمہ میں داخل ہوئے، یہ خیمہ کیا تھا، تفریح اور مشغولیت کی ایک دنیا تھی، بنچیں پڑی ہوئی ہیں، کرسیاں بچھی

ہوئی ہیں، ایک طرف گراموفون کے ریکارڈ سنائے جا رہے ہیں، دوسری طرف ریڈیو کی لہریں، نئی نئی دھنوں کے ساتھ، نئے نئے نغمے سنا رہی ہیں، لوگ اطمینان سے بیٹھے ہوئے خوش گپیاں کر رہے ہیں، کوئی قہقہے لگا رہا ہے، کوئی سرگوشیاں کر رہا ہے، کہیں برج کھیلا جا رہا ہے، کہیں سٹے کے نمبروں پر اختلاف آرا کا سلسلہ جاری ہے، کوئی سگریٹ پی رہا ہے، اور نظر ادھر ادھر دوڑا رہا ہے، یہ دونوں نئے مسافر ایک خالی بنچ پر پاس پاس بیٹھ گئے، ہوٹل کی مالکہ، ایک بوڑھی عورت تھی وہ مسکراتی ہوئی سامنے آئی، اور شراب کی ایک بھری ہوئی بوتل اس نے سامنے رکھدی،

عورت نے بوتل دیکھ کر، سہم کر، اور گھبرا کر کہا،

"ارے یہ تو شراب ہے"!

"ہونے دو شراب فریدہ، شراب چائے سے بہت اچھی ہوتی ہے دو گھونٹ پیتے ہی تھکن دور ہو جائے گی، پریشانی کافور ہو جائیگی، بے روزگاری کا غم، اور آشفتہ حالی کا صدمہ بھاگ کھڑا ہوگا، یہ شراب نہیں جام حیات ہے، ——————

فریدہ بات کاٹ کر بولی،

"یہاں پردیس میں بھی تمہارے لچھن وہی رہیں گے انور؟ کچھ تو شرم کرو، تمہیں یہ لاج بھی نہیں آتی کہ تمہاری بیوی تمہارے ساتھ ہے، جسے تم نے اپنا بنا کر کہیں کا نہیں رکھا، جسنے تمہارے لئے ساری دنیا کو،

حتی کہ ماں باپ کو، بھائی بہن تک کو تج دیا"

انور نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ جام پر جام چڑھا رہا تھا، اور بادۂ ارغوانی کے نشہ سے بدمست ہوتا جا رہا تھا، فریدہ نے پھر کہا،

"انور سوچو تو تم کیا کر رہے ہو؟ اس پردیس میں کیا اس لئے مجھے لائے ہو کہ کہیں کا نہ رکھو، میں نے سارے گھر سے بغاوت کی، اور آخر تم میرے شوہر بن گئے، لوگوں نے مجھے طعنے دیئے کہ یہ لچا ہے، آوارا ہے، بدمعاش ہے، لیکن میرے دل سے تمہاری محبت کوئی نہ نکال سکا تم نے شراب کے نشہ میں بارہا مجھے مارا، گالیاں دیں، ہاتھ پکڑ کر، گھر سے نکال نکال آئے، لیکن میں نے تمہارا دامن نہ چھوڑا، پھر جب ایک روز تم اپنی اس ننھی سی بچی یگانہ کو پیار کر رہے تھے، میں نے تمہیں اس کا واسطہ دیا کہ شراب چھوڑ دو، آدمی بنو، کچھ کماؤ، سوچو یہ لڑکی سیانی ہو کر کیا کرے گی؟ کون شرابی باپ کی لڑکی کا ہاتھ پکڑیگا؟ کون اس کی عزت کریگا، یہ سنکر تمہاری آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے، تم نے وعدہ کیا تھا، اب شراب چھوڑ دو گے، اپنا دیس چھوڑ کر پردیس چلو گے، وہاں محنت مزدوری کر کے کماؤ گے، کھاؤ گے، کھلاؤ گے، وہاں نہ کوئی مجھے طعنے دینے والا ہوگا، نہ تم پر انگلی اٹھائے گا، یہی سب سوچ کر اس میلہ میں تم مجھے لائے تھے، کہ یہاں شہر شہر کا آدمی اور سوداگر آیا ہوگا کسی نہ کسی سے کام بن ہی جائے گا، لیکن تم تو پھر وہی ——————

انور کڑک کر لڑکھڑاتی آواز میں بولا،

"بس ہو چکا یہ وعظ، آج تجھے بھی میرے ساتھ شراب پینی پڑیگی"
یہ کہہ کر اسنے جام شراب فریدہ کی طرف بڑھایا،
فریدہ نے گلوگیر آواز میں کہا،
"انور رحم کرو، مجھ پر رحم نہیں کرتے تو ریحانہ پر، اپنی اکلوتی بچی پر رحم کرو"

اتنے میں خیمہ کے باہر سے کسی پھیری والے کی آواز آئی،
"ہر مال ملے گا، آٹھ آنے، ہر مال ملے گا آٹھ آنے ——
لے لو، لٹا دیا ہے کوڑیوں کے مول یہ انمول مال —— ہر مال ملے گا آٹھ آنے، ہر مال ملے گا آٹھ آنے ——

یہ آواز سنکر، انور نے کچھ سوچا مسکرایا، بنچ پر زور سے مٹھی ماری، جس سے قریب کے لوگ ادھر متوجہ ہو گئے، پھر وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ کھڑا ہوا، اور ایک سنجیدہ تبسم کے ساتھ گویا ہوا،
"لیڈیز اینڈ جنٹلمین"

سب لوگ چونکنے ہو کر، اس کی طرف متوجہ ہو گئے، فریدہ بھی حیرت سے انور کو دیکھ رہی تھی، انور نے بڑے خطیبانہ انداز میں کہا،
"دنیا میں ہر چیز بکتی ہے، ہر چیز بک سکتی ہے، جانور بھی اور انسان بھی، شرافت بھی اور ایمان بھی، نیکی بھی اور بدی بھی، آبرو بھی اور محبت بھی، خیمہ کے باہر سے کچھ چیزوں کے بکنے کی آواز آ رہی ہے، اور میں یہاں، اسے، اس عورت کو، اس خوبصورت اور الھڑ

نازنین کو، نیلام کرنا چاہتا ہوں —— ہے کوئی گاہک اس گوہر آبدار کا؟"

یہ کہہ کر انور نے، فریدہ کے چہرہ کا میلا اور خستہ نقاب جھپٹ کر اٹھا دیا، فریدہ تڑپی، کسمسائی، گھبرائی، انور نے اس کا وہ میلا سا نقاب کھینچ کر، اپنے کاندھوں پر ڈال لیا، اور فریدہ اس مجمع کیسامنے بے نقاب بیٹھی رہ گئی، وہ شرم سے زمین میں گڑی جا رہی تھی، لیکن مجمع کی گستاخ اور شوخ نگاہیں، اس کی شرم سے زیادہ اس کے حسن جہاں سوز کو دیکھ رہی تھیں، لوگوں کو ایک سکتہ سا ہو گیا، فریدہ کا حسن

وہ حسن نہیں نام خدا اور ہی کچھ ہے

کا مصداق تھا،

اس کا وہ دل فریب انداز حیا، اس کی وہ مہلک ادائے دل بری، انداز نرالا ہے، ادا اور ہی کچھ ہے

کا نمونہ تھی، شرم کی سرخی نے اس کے چہرہ کو گلنار بنا دیا تھا، غیرت کی خودداری نے اس کے چہرہ پر تمتماہٹ پیدا کر دی تھی، اس وقت وہ سب کا مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی، انور نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا،
"دیکھو دیکھو یہ اس کی نشیلی انکھڑیاں یہ اس کی بانکی چتون، یہ اس کے لمبے لمبے بال، یہ اس کی غلافی آنکھیں، یہ اس کا کتابی چہرہ —— میں اسے بیچتا ہوں، کون آگے بڑھتا ہے، کون کوڑیوں کے مول لیگا یہ انمول رتن؟

ایک آدمی نے ازراہ تمسخر پوچھا،

بیچو گے اسے؟ اپنی بیوی کو بیچ دو گے؟"

انور نے بغیر کسی جھجک کے کہا،

"کیوں نہیں بیچوں گا، ضرور بیچوں گا ——— تمہیں حیرت کیوں ہے، کیا اس سنسار میں عورتوں کی تجارت نہیں ہوتی؟ لوگ چھپ چھپ کے بیچتے اور خریدتے ہیں، اور میں کھلے بندوں یہ سودا کر رہا ہوں ——— جو عورتیں بکتی ہیں، ضروری نہیں کہ وہ کسی کی بیوی بھی ہوں، لیکن وہ کسی نہ کسی کی لڑکی ضرور ہوتی ہیں، کسی نہ کسی کی بہن ضرور ہوتی ہیں، پھر اگر بہنیں اور بیٹیاں، بک سکتی ہیں، تو بیویاں کیوں نہیں بک سکتیں؟ جو چیز چوری چھپے، بک سکتی ہے وہ دن دہاڑے اور کھلم کھلا کیوں نہیں بک سکتی!

مجمع خاموش تھا، اور انور تقریر کئے جا رہا تھا۔

بہت سے لوگ ہیں جو بیویاں رکھتے ہیں، لیکن سچ پوچھو تو انہیں بیویوں کی ضرورت نہیں ہوتی، بہت سے لوگ ہیں جو بیویاں نہیں رکھتے لیکن جنہیں بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

میرے پاس بیوی ہے لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں جس کے پاس بیوی نہ ہو، اس کے لئے یہ تجربہ کار، اور سعادت مند بیوی حاضر ہے جس کا جی چاہے، سامنے آئے، دام لگائے، اور لے جائے اپنا مال اپنے ساتھ!"

فریدہ نے، انور سے کہا،

"جب تم پی لیتے ہو، بہک جاتے ہو، ذرا تو شرم کرو، دیکھو لوگوں کی چنچل نگاہیں مجھ پر پڑ رہی ہیں، اور میں زمین میں گڑی جا رہی ہوں ——— بس ہو چکا مذاق بیٹھ جاؤ،

انور نے جواب دیا،

"کیوں بیٹھ جاؤں! مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے"

یہ سنکر فریدہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، وہ سنجیدہ ہو گئی، اسنے کہا

"تم بہت دفعہ ایسی کڑوی کسیلی باتیں مجھ سے کر چکے ہو، اب میں نہیں سہہ سکتی، ان باتوں کو، اب بھی روک لو اپنی زبان"

انور نے فریدہ کو، کوئی جواب نہیں دیا، اور مجمع کی طرف مخاطب ہو کر بولا،

"بولو، بولو، ایک ——— دو ——— ایک ———

فریدہ نے جل کر پر غم آنکھوں کے ساتھ کہا،

"کاش بول دے کوئی بولی، میں بھی چلی جاؤں گی اس کیساتھ لونڈی بنکر، لیکن تمہارا اب منہ بھی نہیں دیکھونگی"

انور بولی بول رہا تھا، لیکن گوش بر آواز مجمع میں سے کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ بولی لگاتا، انور پھر مسکرایا، اس نے کہا،

"عجیب مصیبت ہے، آپ لوگ بولی لگاتے ہوئے شاید اس لئے جھجک رہے ہیں کہ ایک بیوی کا سودا ان ہونی بات ہے، لیکن حضرات

اس دنیا میں اس سے زیادہ حیرت انگیز ان ہونی باتیں ہوتی رہتی ہیں، جب ایک لالچی باپ، اپنی بارہ برس کی خوبصورت لڑکی کو ایک سرمایہ دار، لیکن ۷۰ برس کے بوڑھے کے ہاتھ بیچتا ہے اور منہ مانگے دام بیچتا ہے، جب ایک کس بل والا نوجوان بھائی، اپنی لاڈلی بہن کا، کسی مرغ زیرک سے سودا کرتا ہے، اور، حاصل کی ہوئی رقم سے رنڈی بازی کرتا ہے، اور جوا کھیلتا ہے، تب آپ حضرات پر نہ خاموشی طاری ہوتی ہے نہ حیرت بن ٹھن کر، اچھے اچھے کپڑے اور خوشبو لگا کر، پھولوں کا ہار زیب گلو کر کے، اس تقریب میں شریک ہوتے ہیں، دعوت اڑاتے ہیں، گواہ بنتے ہیں، لیکن اگر میں، اپنی بہن یا لڑکی کی بجائے، صرف اپنی بیوی کو بیچ رہا ہوں، اور وہ بھی منہ مانگے داموں نہیں بلکہ نیلام بھاؤ یعنی کوڑیوں کے مول تو حیرت سے آپ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہجاتی ہیں، شاید اس لئے کہ باپ اور بھائی جو سودا کرتے ہیں اس کی قاضی کے ہاں رجسٹری کرالیتے ہیں، اور میرے اس سودے کی کوئی قاضی رجسٹری نہیں کریگا۔"

یہ کہہ کر انور نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا، اور کہا،

"بہت اچھا صاحب میں آپ کی یہ مشکل بھی آسان کئے دیتا ہوں آپ سب حضرات کو گواہ بنا کر میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی فریدہ کو طلاق دی، اب آیئے کون صاحب تشریف لاتے ہیں"؟

مجمع پر اب بھی سناٹا چھایا ہوا تھا، لیکن اب فریدہ ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے انور سے کہا،

"اب میں آزاد ہوں، مجھ پر تمہارا کوئی دعویٰ نہیں ہے، اب تمہیں میری توہین کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، زبان روکو ورنہ انجام بہت برا ہوگا،

پھر وہ مجمع کی طرف مخاطب ہوئی، اس نے کہا،

"ہوس رانی کے لئے عورتوں کے خریداروں کی کوئی کمی نہیں، لیکن انسانیت کے لئے بغیر کسی غرض اور مطلب کے ایک پردیسی اور مجبور عورت کو کوئی پناہ دینے والا ہے یا نہیں، یہ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں!"

کچھ دیر تک مجمع پر سناٹا چھایا رہا پھر ایک آدمی، جو وضع قطع سے جہازی معلوم ہوتا تھا، آگے بڑھا، اس نے نہایت شائستہ اور باوقار انداز میں کہا،

"اگر آپ مجھ پر بھروسہ کر سکیں تو میں پناہ دینے کو تیار ہوں"

یہ سنکر فریدہ نے، ننھی ریحانہ کو گود میں اٹھایا، جو اس وقت نہ جانے کیوں مسکرا رہی تھی، اور اس جہازی کے پہلو میں آکر کھڑی ہوگئی اور بولی،

"چلئے"!

فریدہ جب جہازی کیساتھ جا رہی تھی، تو خیمہ کے دروازہ پر پہونچکر اس نے مڑ کر انور کو دیکھا، پھر اپنی انگلی سے وہ انگوٹھی اتاری جو انور نے کبھی بڑے چاؤ پیار سے اسے پہنائی تھی، اور انور کی طرف پھینکدی،

وہ چپ چاپ جہازی کے ساتھ باہر نکل گئی،

اب رات زیادہ آچکی تھی، لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے، انور

اسی بنچ پر لیٹ گیا، اور خراٹے لینے لگا،

جب سب لوگ چلے گئے، ہوٹل کی مالکہ نے اسے جگانا چاہا، لیکن وہ گھوڑے بیچکر سو رہا تھا، بڑھیا نے اسے سوتا چھوڑ کر، روشنی گل کی خیمہ کا دروازہ باہر سے بھیڑا، اور خود اپنے رہائشی کمرہ میں چلی گئی۔

سویرے تڑکے انور کی آنکھ کھلی، اس نے دیکھا نہ فریدہ ہے نہ ریحانہ دماغ پر زور دینے لگا، رات کے کچھ کچھ واقعات اسے یاد آنے لگے، اتنے میں اس کی نظر بنچ کے پاس ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی، یہ وہی انگوٹھی تھی، جو اس نے کبھی فریدہ کو پہنائی تھی، انگوٹھی اٹھا کر اس نے جیب میں رکھ لی، اپنا مختصر سا سامان اٹھایا، اور چپ چاپ خیمے سے باہر نکل گیا

باہر نکل کر وہ میلے کے وسیع میدان کا چکر کاٹنے لگا، جیسے کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو، اور وہ اسے ڈھونڈ رہا ہو، وہ آنے جانے والوں کے چہروں کو غور سے رک رک کر دیکھ رہا تھا، ایک آدمی نے اس سے پوچھا

"کیا ہے بھئی، ڈھونڈھ رہے کسی کو؟"

وہ بولا،

"ہاں ڈھونڈ تو رہا ہوں"؟

"کسے"؟

"وہ ایک سیاح تھا شاید، اس کے ساتھ ۱۸ برس کی ایک خوبصورت

عورت، اور ایک سال کی ایک ننھی سی بچی بھی ہے، کہیں دیکھا ہے تم نے اس میلہ میں میرے اس کھوئے ہوئے قافلہ کو؟"

"میں نے تو نہیں دیکھا، ہوں گے یہیں کہیں ڈھونڈ لو"

آدمی چلا گیا، اور انور نے خود ہی خود زیر لب کہنا شروع کیا،

"ڈھونڈ لوں کہاں ڈھونڈھ لوں؟ نام بھی تو نہیں جانتا میں اس بدمعاش کا، اور آخر فریدہ کو کیا ہو گیا تھا، میں تو نشہ میں تھا، وہ تو نشہ میں نہیں تھی، وہ کیوں چلی گئی مجھے چھوڑ کر؟ ——— میں اس میلہ کا کونہ کونہ چھان ماروں گا، اور اس مسافر کو کھوج لگا کر رہوں گا، اپنی فریدہ کو اپنے جگر کے ٹکڑے ریحانہ کو چھین لوں گا اس سے ——— اسے کیا حق تھا کہ وہ میری زندگی کی سب سے قیمتی متاع پر ڈاکہ ڈالتا؟"

انور نے میلہ کا کونہ کونہ چھان مارا، ایک ایک خیمہ دیکھ ڈالا، ہر ہر آدمی سے پوچھ ڈالا، لیکن وہ جہازی نہ ملا، فریدہ نہ ملی، ریحانہ کا کھوج نہ لگ سکا، اس کی حالت دیوانوں کی سی ہو گئی تھی، کبھی وہ روتا تھا، ——— اپنے نصیب پر ——— کبھی وہ ہنستا تھا اپنی حماقت پر ——— کبھی وہ تھک کر بیٹھ جاتا تھا، کبھی پھر دیوانہ وار کے ساتھ چلنے لگتا تھا، وہ بیٹھتا تھا تو فریدہ اور ریحانہ کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی تھی، وہ چلتا تھا، تو فریدہ اور ریحانہ کی یاد اس کے ساتھ چلتی تھی، وہ پانی پیتا تھا، تو گلاس میں ریحانہ منہ

میں انگوٹھا لئے، تیرتی نظر آتی تھی، وہ کھانے کا نوالہ اٹھاتا تھا، تو فریدہ کا تصور اس نوالہ کو مچھلی کا کانٹا بنا دیتا تھا، جسے کسی طرح حلق کے نیچے نہیں اتارا جا سکتا، وہ سوتا تھا تو فریدہ کی بے کس، اور مظلوم صورت اس کی سوجی ہوئی آنکھیں، اور اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کی آنکھ کھل جاتی تھی، اور وہ دیوانہ وار اس کا سراغ لگانے کے لئے چل کھڑا ہوتا تھا، وہ کسی آدمی کے گود میں کوئی بچی دیکھتا تھا، تو ریحانہ کی معصوم صورت اس کے دل و جگر پر کچوکے لگانے لگتی تھی، اور وہ پھر تیزی سے بھاگنے لگتا تھا،

وہ گاؤں گاؤں گھوما، شہر شہر کا اس نے سراغ لگایا، لیکن نہ وہ لٹیرا مسافر ملا، نہ اس کی چھینی ہوئی فریدہ اور ریحانہ،

دن ہفتے بنے، ہفتوں نے مہینوں کی صورت اختیار کر لی، لیکن ہنوز روز اول فریدہ کا نقش اس کے دل پر اور زیادہ ابھر جاتا تھا، ریحانہ کا تصور اس کا نفس حیات بنا ہوا تھا، لیکن نہ ریحانہ کا کہیں پتہ تھا نہ فریدہ کا، ان دونوں کی تلاش میں وہ خود ایک جہاں گرد سیاح اور مسافر بن گیا، لیکن،

تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں؟

ٹکڑے تو ڈھونڈھ لیں دل صد پاش پاش کے

۱۴ سال کی مدت گزر گئی

اس عرصہ میں بہار نے خزاں کا جامہ پہنا، خزاں نے بہار کا روپ بدلا، بہت سے نئے پھول کھلے، بہت سے پرانے مرجھا گئے، بہت سی نئی کونپلیں نکلیں اور لہلہائیں، بہت سی پرانی پتیاں، سوکھ کر ٹہنی سے گریں، اور پاؤں تلے روندی گئیں، کچھ نئی نسلیں آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوئیں، کچھ پرانی نسلیں یاس و حسرت کے ساتھ، گوشۂ قبر میں جا سوئیں۔ زندگی کے نئے قافلے، پردۂ عدم سے سرا پردۂ ظہور پر نمودار ہو گئے، اور تھکے ہوئے اور بیمار قافلے، زندگی کے اسٹیج سے موت کا پلے بیک p.lay Baek کھیلتے کھیلتے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گئے

رنگ پور میں بھی، اس عرصہ کے اندر بڑی بڑی تبدیلیاں ہو گئیں، بڑے بڑے ایوان فلک رفعت کھنڈر بن گئے، اور جہاں کھنڈر تھے، وہاں پرشکوہ عمارتیں کھڑی ہو گئیں، جن کے دروازے پر نقارے بجتے، اور ہاتھی جھولتے تھے، وہاں الو بولنے لگا، اور جہاں

بوم بھی، آتے ہوئے گھبراتا تھا وہاں چمن کھل اٹھے، بلبل چہکنے لگے، گل بوٹوں سے بہار کا سماں پیدا ہو گیا، جن کی امارت اور ثروت کا ڈنکا بجتا تھا، وہ قلاش اور تہیدست ہو گئے، جو بھک منگے اور فاقہ کش تھے، اس جنگ میں کالے بازار کی سوداگری نے انہیں مالا مال کر دیا وہ سو پر ٹیکس، اور اکسس پرافٹ ٹیکس دینے لگے،

لیکن اگر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، تو رنگ پور کے میلہ میں، لوگ بدل گئے، مال بدل گئے، مذاق اور معیار بدل گیا، گاہک اور سوداگر بدل گئے، لیکن میلہ کی گھما گھمی، اور رونق کا وہی عالم تھا،

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے، لیکن وہی رونق ہے محفل کی

اس سال بھی میلہ لگا، اور اسی دھوم دھام اور شان و شکوہ سے لگا، جیسا ہمیشہ سے لگتا آیا تھا،

میلہ کے ہجوم اور اس کی ریل پیل سے بچتی ہوئی ایک عورت جس کی عمر اندازاً ۳۰ سال کی ہوگی، ایک نوجوان، خوش اندام، اور ملانگ فریب، لڑکی کے ساتھ جو مشکل سے ۱۴ سال کی ہوگی، میلہ کے میدان میں ادھر ادھر گھوم رہی تھی،

عورت ایک سفید ساری میں ملبوس تھی، چہرہ پر افسردگی، اضمحلال اور پریشانی، اور چہرہ کے روکھے پن اور حسرت مآبی سے بیوگی برس رہی تھی، لڑکی کا چہرہ پھول کی طرح تر و تازہ، معصوم جوانی

پھوٹی پڑ رہی تھی، ایک بیل دار کرتہ اور سستے کپڑے کی خوبصورت شلوار پہنے ایک دھانی رنگ کا دوپٹہ گلے میں ڈالے، اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی،

وہ عورت فریدہ تھی، اور یہ نوخیز لڑکی ریحانہ،

ریحانہ نے چلتے چلتے، الھڑپنے کے ساتھ ماں کو مخاطب کیا،

"امی تم یہاں کہاں آگئیں؟"

فریدہ نے جواب دیا،

"یہاں کیوں آگئی؟ یہ میں جانتی ہوں، تم نہیں جانتیں بیٹی"

پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی،

"یہی وہ جگہ ہے جہاں پہلے پہل تمہارے اباجان سے میری آنکھیں چار ہوئیں، یہیں ہم دونوں کی زندگی ایک ہوئی، یہیں ہمارا وہ رشتہ دار گم ہو گیا، جسے تمہارے باپ کے مرنے کے بعد میں ڈھونڈھنے نکلی ہوں، اب وہی ہمارا ایک سہارا رہ گیا ہے، اس دنیا میں، خدا جانے جیتا بھی ہے کہ مر کھپ گیا،

"لیکن وہ انور صاحب ہمارے کون ہیں؟"

"کبھی تھے اب تو کچھ نہیں ہیں"

"پھر کیوں ڈھونڈھ رہی ہو انہیں"؟

"شاید مل جائیں، شاید بھولی بسری باتیں پھر یاد آجائیں، شاید ٹوٹا ہوا ناتہ پھر جڑ جائے"؟

"انور صاحب مجھے تو پہچانتے بھی نہیں ہوں گے، کیوں اماں"؟

"ہاں اور کیا"!

"لیکن یہ تو سوچو یہاں اتنے بڑے میلہ میں پتہ نشان کون بتائیگا تمہیں جیسے درختوں کی پتیاں ہر سال بدل جاتی ہیں ایسے ہی میلوں میں آنے جانے والے لوگ بھی ہر سال بدلتے رہتے ہیں، اور وہ بھی ۱۸ برس بعد"

"ٹھیک تو ہے بیٹی لیکن ڈھونڈ لینے میں حرج ہی کیا ہے"؟

فریدہ اور ریحانہ میلہ میں ادھر ادھر گھوم رہی تھیں کہ ریحانہ کی نظر ایک سپیرے پر پڑی، جو سانپوں کا کھیل دکھا رہا تھا، ریحانہ بڑی شتیاق سے ماں کا ساتھ چھوڑ کر، ادھر پہونچی، اور مجمع میں کھڑی ہو کر، بین کے سامنے سانپ کو لہراتا ہوا آہستی سے بل کھاتا ہوا دیکھنے لگی، کچھ فاصلہ پر چائے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی، فریدہ ریحانہ کو مصروف تماشہ دیکھ کر ادھر لپکی، اور ایک بڑھیا کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی،

بڑھیا نے بڑی شفقت سے کہا،

"چائے پیوگی بیٹی"؟

فریدہ بولی،

"نہیں چائے تو نہیں پیونگی، لیکن کچھ پوچھنا ہے تم سے بتاؤگی"؟

بڑھیا بولی،

"کیوں نہیں بتاؤں گی، پوچھو کیا پوچھتی ہو"؟

فریدہ نے کہا،

"کچھ پچھلے [illegible] تمہیں"؟

"یہ لو، یاد کیوں نہیں ہیں! پہلے میری شراب کی دکان تھی، بڑے بڑے رن دیکھ چکی ہوں میں وہاں، جواریوں کی لڑائیاں، عاشقوں کے قتل، مار دھاڑ لوٹ مار، اغوا سازش، سب کچھ یاد ہے بیٹی، یہیں میں جوان ہوئی، یہیں میرا بیاہ ہوا، یہیں میں بیوہ ہوئی، یہیں میں بڑھاپے کے دن تیر کر رہی ہوں، اور جب موت آجائے گی، تو یہیں دو گز زمین بھی مجھے مل جائے گی! ——— ہائے میرے اللہ (اللہ) میں بھی جانے کیا کیا بک گئی، یہ تو بتاؤ کیا پوچھ رہی تھیں تم"؟

"کئی برس کی بات ہے ایک آدمی نے تمہاری اسی دکان میں کھڑے ہو کر اپنی بیوی کا نیلام کیا تھا، یہ بھی یاد ہے تمہیں"؟

"ایسی معمولی باتیں کون یاد رکھتا ہے بھلا؟ جانے کتنی لڑکیاں اور عورتیں بک گئیں میرے اس خیمہ کے اندر ——— ہاں یاد آیا، کوئی تیرہ چودہ برس کی بات ہے، ایک انور میاں تھے، ———

فریدہ نے بے تابی سے بڑھیا کی بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں ہاں وہی"

بڑھیا نے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا،

"کئی برس تک آتا رہا بیچارہ اپنی بیوی کو ڈھونڈھنے، ادھر کئی برس سے نہیں آیا ہے۔ لیکن مجھ سے کہہ گیا تھا، اگر میری فریدہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی کبھی آئے تو، بتا دینا میں وہاں ہوں"۔

"کہاں؟"

"یہی تو نہیں یاد آتا کہاں؟ ——— کیا نام تھا اس جگہ کا؟ ——— ہاں ہاں یاد آگیا موتی پور؟"

"موتی پور؟"

"ہاں موتی پور بیٹی"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بادِ نسیم کی طرح اٹھکیلیاں کرتی ریحانہ بھی آگئی، اسے دیکھتے ہی فریدہ نے گفتگو بند کر دی، اور ریحانہ سے مخاطب ہو کر کہا،

"چلو بیٹی چلیں"

ریحانہ بغیر کچھ کہے سنے فریدہ کے ساتھ چل کھڑی ہوئی، بڑھیا حیرت اور تعجب کی نظر سے ان دونوں کو بڑی دیر تک دیکھتی رہی،

راستہ میں ریحانہ نے ماں سے کہا،

"کچھ پتہ چلا امی؟"

"ہاں بیٹی چلا تو، سنا ہے موتی پور میں ہیں انور صاحب"

ریحانہ نے کہا،

"یہ موتی پور کہاں ہے"؟

"بڑی دور!"

"پھر؟"

"پھر کیا جب ڈھونڈنے نکلے ہیں، تو دور کیا اور پاس کیا؟"

دونوں نے خاموشی اختیار کر لی اور اپنا راستہ طے کرنے لگیں،

موتی پور یہاں سے کوئی ۳۰-۴۰ میل کے فاصلہ پر ہوگا، راستہ بڑا خراب اور دشوار گزار تھا، ریل تک نہیں جاتی تھی ادھر، زیادہ تر لاریوں میں یہ سفر طے کیا جاتا تھا، راستہ کی ناہمواری کے باعث، کچھ دور جاکر لاری بھی ختم ہو جاتی تھی، پھر بیل گاڑیوں پر یا پیادہ سفر جاری رکھنا پڑتا تھا۔

یہی ان دونوں نو وارد مسافروں نے کیا، جہاں تک لاری گئی، لاری میں بیٹھیں پھر بیل گاڑی کرایہ پر لے لی اور اس پر اپنا سفر جاری رکھا۔

دوران سفر میں ریحانہ نے اپنی ماں سے کہا،

"امی"؟

"ہاں بیٹی؟"

"انور صاحب ہمارے کون ہیں آخر!"

یہ سنکر فریدہ کا چہرہ سفید پڑ گیا، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن کہتے کہتے رک گئی، کبھی اس کا جی چاہتا تھا کہ ساری داستان حیات اپنی چہیتی بیٹی کو سنا دے، کبھی سوچتی تھی اس معصوم اور الہڑ، اور نادان لڑکی کو وہ بیتی ہوئی باتیں کیوں بتائی جائیں جنہیں سنکر اس کے ننھے سے دل پر چوٹ ضرور لگے گی، یہ نوخیز کلی اس لئے ہے کہ بہار کی عطر بیز، اور فرحت خیز ہواؤں میں پروان چڑھے پھلے پھولے، یا اس لئے ہے کہ خزاں کے جور و ستم کی داستان سنے، اور کھلنے سے پہلے مرجھانے کے لئے پر تولنے لگے، اور اگر اپنی سرگزشت میں اس بچی کو بھی بتا دوں تو انور کے بارے

میں یہ نہ جانے کیسے خیالات قائم کرئے، ان باتوں کے سننے سے اس کے دل کو صدمہ پہونچے گا، اس کا اعتماد حیات متزلزل ہو جائے گا، ممکن ہے مرد ذات کے خلاف اس کے دل میں نفرت اور غصہ بیٹھ جائے یہ سب کچھ سوچ کر فریدہ نے رکتے رکتے کہا،

"کہہ تو رہی ہوں بیٹا، وہ ہمارے عزیز ہیں، رشتہ دار ہیں—

—جانے ہم انہیں یاد بھی ہیں کہ نہیں!"

اس گفتگو کے بعد، پھر دونوں نے خاموشی اختیار کر لی، نہ ریحانہ نے کچھ پوچھا، نہ فریدہ نے اپنی طرف سے کچھ کہا، دونوں کچھ سوچ رہی تھیں، لیکن دونوں کے لب بند تھے، دونوں کا طائر خیال، بلندی اور پستی کی منزلیں طے کر رہا تھا، لیکن منزل مقصود سے دور تھا!

فریدہ اور ریحانہ، موتی پور میں پہونچ گئیں لیکن ہزاروں کی اس آبادی میں انور کا سراغ کیسے لگائیں؟ اس کا پتہ کس سے پوچھیں؟ اس کے حالات کس سے دریافت کریں،، اسی شش و پنج میں یہ دونوں بغیر منزل متعین کئے، آگے بڑھتی جارہی تھیں کہ ایک سڑک کے کنارے ایک خوشنما اور پرفضا پارک میں ایک شاندار شامیانہ نظر آیا، دروازہ پر بینڈ بج رہا تھا، اور لوگ جوق در جوق اس میں داخل ہو رہے تھے، آئندہ و روند سے کچھ پوچھ گچھ نہیں تھی، جس کا جی چاہے آئے جس کی مرضی ہو چلا جائے

ریحانہ ٹھٹک کر، یہ منظر دیکھنے لگی، فریدہ نے کہا،

"ریحانہ یہاں کہاں رک گئیں، چلو آگے چلو"

"آخر آگے کہاں جائیں گے ہم؟ کچھ پتہ بھی تو معلوم ہو کہ یونہی چلے چلیں"

"تو کیسی باتیں کر رہی ہے لڑکی، کیا یہاں کھڑے کھڑے پتہ چل جائے گا"؟

"تو پھر کیا چلتے چلتے کسی درخت کے پتہ پر انور صاحب کا پتہ لکھا ہوا ہمارے گود میں آن پڑے گا"

اس اعتراض پر ماں لاجواب ہو گئی، ریحانہ نے کہا،

"امی ایک بات کہوں مانو گی؟"

"کیا بات ہے"؟

"چلو اس جلسہ میں چلیں میری امی نہیں!"

"ارے لڑکی ہوش کی باتیں کر، تیرا دیدہ ہوائی ہو گیا ہے، ان مردوں میں جا کر کیا کرے گی؟"

"وہاں دیکھو نا طرح طرح کے لوگ آرہے ہیں"

"تو؟"

"شاید وہاں انور صاحب بھی آئیں، شاید کوئی آدمی اتنے سارے آدمیوں میں انہیں بھی جانتا ہو، پوچھ لیں گے کسی سے، ہو نہ ہو کسی بڑے آدمی کی برات ہو گی، یا کوئی مسلم لیگ کا جلسہ ہو گا، چلو تو امی، اگر وہاں پتہ نہ چلا، تو پھر خدا ان سڑکوں کو، اور ہمارے پاؤں کو سلامت رکھے،،

فریدہ کی سمجھ میں آگیا، ریحانہ ہے تو ابھی الھڑ نادان، لیکن بات پتہ کی کہہ رہی ہے، اسنے کہا،

"اچھا چلو"

گائڈ کی حیثیت سے آگے آگے، ریحانہ اور فریدہ ایک تماشائی

یہی ہیں نا؟"

فریدہ نے غم زدہ آواز میں آہستہ سے جواب دیا،

"ہاں یہی ہیں!"

ریحانہ طفلانہ جوش اشتیاق کے ساتھ بولی،

"تو چلو ان کے پاس چلیں ——— آدمی تو بڑے اچھے دکھتے ہیں"

فریدہ نے گھبرا کر کہا،

"نہیں نہیں، ابھی نہیں"

"اے واہ، یہ کیوں"؟

"تو نہیں جانتی ریحانہ"

"یہ بھی اچھی رہی، یا تو انہیں ڈھونڈھتی ڈھونڈھتی، کالے کوسوں کا سفر کر کے یہاں آ گئیں، اور اب وہ مل گئے، تو ان سے ملتی بھی نہیں ——— ہماری سمجھ میں نہیں آتی یہ بات"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پارٹی ختم ہو گئی، حاضرین رخصت ہونے لگے، انور بھی، مہمانوں اور میزبانوں سے ہاتھ ملا کر، باہر آیا، اپنی موٹر میں بیٹھا، اور چلا گیا،

ریحانہ نے کہا،

"یہ لو وہ تو چلے بھی گئے"

"تو کیا ہوا! بیٹی جانے دو"

"اب پھر انہیں ڈھونڈو شہر بھر میں"

کی حیثیت سے اس کے پیچھے پیچھے شامیانہ میں پہونچی، ریحانہ نے فریدہ کا ہاتھ پکڑ لیا، کیونکہ وہ بہت تھکی ہوئی اور بیمار سی نظر آ رہی تھی، وہ مجمع میں شامل ہو گئی، پاس ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا، اس سے ریحانہ نے لحاظ اور تکلف بالائے طاق رکھتے ہوئے پوچھا،

"آج یہاں کوئی جلسہ ہے؟"

"ہاں بیٹی، تمہیں نہیں معلوم؟ خاں صاحب انور علی خاں کو مبارکباد دینے کیلئے سب لوگ جمع ہوئے ہیں، اس سال انہیں "خاں صاحب" کا خطاب ملا، اور اس بار وہی میونسپلیٹی کے چیرمین چنے گئے ہیں"

ریحانہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا پھر اس بوڑھے سے کہا،

"اس جلسہ میں انور صاحب کب آئیں گے؟"

بوڑھے نے ہاتھ کے اشارہ سے کہا،

"وہ رہے!"

ریحانہ نے فریدہ کا ہاتھ پکڑے پکڑے دونوں پنجوں کے بل کھڑے ہو کر ایک کر دیکھا، تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک خوش اندام آدمی جس کی عمر ۴۰ کے قریب ہو گی، صدر میں ایک کرسی پر باوقار انداز میں بیٹھا ہوا ہے، اور ہنس ہنس کر اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کر رہا ہے، ریحانہ نے خوشی سے بے خود ہو کر فریدہ سے کہا،

"دیکھو امی یہ رہے انور صاحب، کیوں امی تمہارے رشتہ دار

"اب ڈھونڈھ نے کی کیا ضرورت ہے، بھلا چیرمین صاحب کا پتہ کسے نہیں معلوم ہوگا!"

"کتنا اچھا موقع کھو دیا امی تھے"؟

"تو ہر بات میں نہ الجھا کر ریحانہ ــــ کہہ تو رہی ہوں، یہاں اتنے مردوں کے سامنے میں کیسے ملتی، اب اطمینان سے ان کے گھر چلیں گے"

"تو چلو نہ سب آدمی تو گئے"

"ابھی نہیں بیٹا، اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہے"

"پھر آخر کب"؟

"کل چلیں گے"

"کل چلیں گے، تو پھر آج کہاں رہیں گے"

"کوئی سرائے ڈھونڈھ لیں گے"

دروازے پر وہ بوڑھا پھر مل گیا، ریحانہ نے اس سے پوچھا،

"کیوں بابا یہاں کوئی سرائے بھی ہے"؟

"ہاں ہے کیوں نہیں؟ یہاں سے چلی جاؤ ٹھیک ناک کی سیدھ، جہاں سڑک مڑے گی بس وہیں سرائے ہے ــــ چار آنے روز کرایہ ہے ایک کوٹھری کا!"

ریحانہ اور فریدہ سرائے میں پہونچیں، ایک کوٹھری کرایہ پر لی فریدہ تو اپنا مختصر سا سامان ٹھیک کرنے لگی، ریحانہ کا بیٹھے بیٹھے جو جی اکتایا، تو اس نے سرائے کے کونہ کونہ کا جائزہ لینا شروع کیا، دو

تین کوٹھریوں کے بعد، ایک کوٹھری نظر آئی، اس میں ایک نوجوان ٹہلا ہوا تھا، مضبوط تندرست، خوبصورت، وہ اسوقت بیٹھا ہوا، سیٹھے سروں میں کچھ گا رہا تھا، ریحانہ دروازے کے پاس ٹھٹک کر کھڑی ہوگئی، اور گانا ایک محویت کے ساتھ سننے لگی،

گانا ختم کرنے کے بعد، نوجوان کی نظر ریحانہ پر پڑی، اسنے دروازہ کے پاس آکر پوچھا،

"تم بھی یہیں رہتی ہو؟"

ریحانہ گردن جھکا کر بولی،

"جی"

"اور کون ہے تمہارے ساتھ"؟

"امی"

"میرا گانا پسند آیا تمہیں"؟

ریحانہ شرماتی ہوئی بولی،

"جی بہت"

"اچھا تو روز آیا کرو تم ادھر، میں خوب خوب گانا سنایا کروں گا تمہیں"

"جی بہت اچھا"

"ہاں یہ تو بتاؤ تمہارا نام کیا ہے"؟

"ریحانہ ــــ اور آپ کا؟"

"یوسف"

یوسف ابھی کچھ اور باتیں کرنا چاہتا تھا، مگر ریحانہ نے کہا،

"اب جاتی ہوں امی خفا ہوں گی، کہیں گی اتنی دیر تک کہاں رہی؟ کل پھر جب گائیں گے، تو آپ کی آواز سنکر آجاؤں گی۔"

ریحانہ چلی گئی، اور یوسف اسے اس وقت تک دیکھتا رہا، جب تک وہ اپنی کوٹھری میں داخل نہیں ہو گئی،

کوٹھری میں پہونچنے کے بعد ریحانہ نے دیکھا، فریدہ بے خودی کے عالم میں کچھ سوچ رہی ہے، اسنے ریحانہ کو آتے ہوئے بھی نہیں دیکھا اس نے اپنی ماں کو جھنجوڑتے ہوئے کہا،

"امی"

"فریدہ چونک کر بولی،

"ہاں بیٹی"

ریحانہ نے فکرمندی کے ساتھ پوچھا،

"یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کھوئی کھوئی سی کیوں ہو؟ —— یہ سوچ رہی ہو، کہیں انور صاحب بھول نہ گئے ہوں تمہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا وہ بڑے اچھے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔"

فریدہ نے مسکرا کر کہا،

"میں یہ سب نہیں سوچ رہی تھی پگلی!"

ریحانہ نے پوچھا،

"پھر کیا سوچ رہی تھیں بتاؤ؟"

فریدہ نے اسے ٹالتے ہوئے کہا،

"کچھ نہیں، جا سوجا! رات بہت آگئی ہے اب!"

ریحانہ اپنے بستر پر لیٹ گئی، پھر اس نے فریدہ سے کہا،

"امی"

"فریدہ نے جواب دینے کے بجائے، نظروں سے پوچھا کیا بات ہے

ریحانہ بولی،

"تمہیں بھی گانا آتا ہے"؟

"یہ آج گانے کی کیا سوجھ رہی ہے؟"

"میری امی نہیں بتاؤ تو؟"

"کیا کرے گی پوچھ کر"

"سنوں گی، تمہارا گانا —— دیکھیں کون اچھا گاتا ہے؟"

"کون اچھا گاتا ہے؟ کیا تو نے کسی کا گانا سنا بھی ہے؟"

"ہاں اسی لئے تو پوچھ رہی ہوں"

"کس کا؟ کہاں؟"

"یہیں وہ ساتویں نمبر کی کوٹھری ہے نا؟"

"ہاں تو!"

"وہاں یوسف صاحب رہتے ہیں، سچ امی بڑا اچھا گاتے ہیں وہ!"

"تو وہاں گئی تھی"؟

"ہاں گئی تو تھی!"

"کیوں؟"

"گانا سننے"

"ہائے میرے اللہ (اللہ) کیا تو یہاں پردیس میں میری ناک کٹوائے گی، خبردار جواب وہاں گئی، اور گانا وانا سنا"

"گانا سننا بھی عیب ہے"

"اب تو چپ ہوجا، اور سورہ، اگر ذرا بھی بولی، یا اب کبھی گانے کا نام لیا، تو اچھا نہیں ہوگا، کہے دیتی ہوں!"

ریحانہ خاموش ہوگئی، اور فریدہ پھر کچھ سوچنے لگی!

یوسف، کوٹھری میں سامان باندھ رہا ہے، ریحانہ دروازہ پر کھڑی ہے، اور اوٹ سے یوسف کو دیکھ رہی ہے، اتنے میں سرائے کی مالکہ آتی ہے اور یوسف سے پوچھتی ہے،

"جارہے ہو بیٹا؟ نوکری مل گئی"؟

"ہاں مل گئی نوکری جاتا ہوں اب؟"

یہ کہہ کر یوسف باہر نکلا، اسنے ایک تبسم کے ساتھ ریحانہ کو دیکھا، اور بغیر کچھ کہے سنے، چلا گیا، اس کے جانے کے بعد ریحانہ اپنے کمرے میں آئی اور افسردہ ہو کر بیٹھ گئی، ماں نے بیٹی کا کمھلایا ہوا چہرہ دیکھا تو پریشان ہوگئی، وہ اس افسردگی کا سبب دریافت کرنے ہی والی تھی کہ ریحانہ نے خود ہی قفل سکوت توڑا، اور بڑے غمگین لہجے میں کہا،

"کتنا بے مروت تھا وہ!"

فریدہ نے تعجب سے پوچھا،

"کون؟ کسے بے مروت کہہ رہی ہے تو؟"

دربان نے گردن کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا، اور ہاتھ سے ایک کمرہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہاں ہیں،

ریحانہ آگے بڑھی، دروازہ پر اس نے دستک دی، اندر سے آواز آئی،

"کون ہے؟ ——— آجاؤ اندر"

ریحانہ اندر پہونچی تو حیرت کے ساتھ دیکھتی کیا ہے کہ نہایت آراستہ پیراستہ کمرہ ہے، اور مالکانہ انداز کے ساتھ ایک شاندار میز کے سامنے ایک اعلیٰ درجہ کی کرسی پر یوسف بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا ہے، اس نے ریحانہ کو دیکھتے ہی حیرت کے ساتھ کہا،

"ارے ریحانہ تم؟"

"جی میں ہوں"

"میرے پاس آئی ہو؟"

"نہیں، انور صاحب کے پاس ——— تم ٹھہرے ایک بے مروت تمہارے پاس کیوں آتی؟ ——— چلتے وقت بات چیت بھی تو نہیں کی ——— ارے ہاں کیا یہیں نوکری ملی ہے؟ کیا کرتے ہو یہاں تم؟"

یوسف نے حواس درست کرتے ہوئے کہا،

"میں انور صاحب کا مینجر بن گیا ہوں ——— تم ان سے ملوگی"

ریحانہ نے شان سے گردن میں اکڑ پیدا کر کے کہا،

"جی ہاں میں ان سے ملونگی، کچھ اعتراض ہے آپ کو؟"

یوسف نے ذرا خفیف ہو کر جواب دیا،

"بالکل نہیں ——— تم ذرا یہاں ٹھہرو میں ابھی اطلاع کرتا ہوں"

یوسف سگریٹ پیتا ہوا دوسرے کمرہ میں گیا، وہاں سے فوراً واپس آکر اس نے کہا،

"چلو بلا رہے ہیں!"

ریحانہ خاموشی کے ساتھ اٹھتی ہے اور دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہے، یوسف دروازہ تک ساتھ آتا ہے، پھر واپس چلا آتا ہے اپنے کمرہ میں،

انور نے غور سے ریحانہ کو دیکھا، ریحانہ نے کہا،

"میں آپ کے پاس آئی ہوں"

وہ بڑے اخلاق اور شگفتگی کے ساتھ بولا،

"ہاں ہاں کہو کیا کام ہے؟ ——— بیٹھ جاؤ اس کرسی پر"

ریحانہ کرسی پر بیٹھ گئی، پھر اس نے کہا،

"وہ جو آپ کی ایک رشتہ دار تھیں، فریدہ بیگم، وہ آئی ہیں انہوں نے کہلایا ہے، اگر آپ کی مرضی ہو تو ٹھہریں ورنہ چلی جائیں"

انور نے حیرت کے ساتھ کہا،

"فریدہ، فریدہ بیگم وہ آئی ہیں؟"

ریحانہ بولی۔

"جی، وہی!"

انور نے پوچھا،

"ابھی زندہ ہیں وہ؟"

"جی زندہ ہیں ——— انہی نے تو بھیجا ہے"

"تم کون ہو ان کی؟"

"میں ان کی اکلوتی لڑکی ہوں"

"تمہارا نام؟"

"ریحانہ"

انور نے حیرت سے قدرے چیخ کر کہا،

"ریحانہ؟"

وہ متانت سے بولی،

"جی ریحانہ"

"تم کس کی بیٹی ہو؟"

"ابا جان کا نام مسعود تھا"

"تھا! کیا وہ زندہ نہیں ہیں"؟

"وہ تو مر گئے"

انور نے کچھ سوچتے ہوئے لرزتی آواز میں کہا،

"تم ریحانہ ہو؟ تمہارا نام ریحانہ ہے؟ تم فریدہ کی لڑکی ہو؟

تم فریدہ کی اکلوتی لڑکی ہو؟"

ریحانہ نے پھر متانت کے ساتھ کہا،

"جی!"

انور نے پوچھا،

"تو تمہارے والد کا نام مسعود تھا؟"

"جی!"

"میں تم سے مل کر بہت خوش ہوا، میں فریدہ سے ضرور ملوں گا میں ایک خط لکھ کر دیتا ہوں، یہ تم انہیں دیدینا"

ریحانہ خاموش بیٹھی رہی، اور انور خط لکھنے لگا، خط لکھ کر اس نے لفافہ میں بند کیا، پھر بڑے پیار سے اور شفقت سے اس کی پیٹھ تھپکی اور کہا،

"جاؤ بیٹی، یہ اپنی ماں کو دیدینا!"

بیٹی کا لفظ جب اس کے منہ سے نکلا تو اس کی آواز پھر لرزنے لگی ریحانہ نے خط لے لیا، اور آہستہ آہستہ کمرہ سے نکل گئی۔ انور اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے، ریحانہ سرائے واپس آئی، اور ماں کے ہاتھ میں انور کا خط رکھ دیا اور کہا،

"یہ خط دیا ہے تمہیں انہوں نے"؟

"تو مل آئی ان سے؟"

"ہاں مل آئی!"

"کس طرح وہ ملے تجھ سے؟"

"بہت اچھی طرح، جیسے باپ اپنی بیٹی سے ملتا ہے!"

"کیا کیا باتیں ہوئیں؟"

"بڑے مزے مزے کی باتیں، تمہیں بھی بہت پوچھتے تھے اونھ یہ باتیں کرتی رہو گی یا خط بھی پڑھو گی"

فریدہ نے، خط چاک کیا، اور اسے پڑھنے لگی، لکھا تھا،

"تمہاری سرا کے پاس پرانی حویلی کا کھنڈر ہے آج رات کو آٹھ بجے وہیں ملو ——— تمہیں دوبارہ پالینے کی خوشی مجھے دیوانہ کئے دے رہی ہے، اس سے زیادہ میں اس وقت کچھ نہیں لکھ سکتا،

تمہیں ہمیشہ یاد کرنے والا

انور!

رات کے آٹھ بج چکے ہیں، پرانی حویلی کے کھنڈر پر تاریکی مسلط ہو چکی ہے، انور انتظار و اشتیاق کے عالم میں ٹہل رہا ہے، سناٹا چھایا ہوا ہے، اتنے میں ایک دبلا پتلا سایہ انور کی طرف بڑھتا نظر آیا، اسے دیکھ کر وہ جوش اشتیاق کے ساتھ آگے بڑھا، اس نے کہا،

"فریدہ، میری فریدہ، میری روٹھی ہوئی رانی، تم مل گئیں، تم مل گئیں، تمہیں میں نے پالیا!"

فریدہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا

"کنیز اپنے آقا کے قدموں میں حاضر ہو گئی"

انور نے بیتابی کے ساتھ کہا،

"یہ نہ کہو، یہ نہ کہو، تم کنیز نہیں ہو میرے دل کی مالک ہو تمہیں کھونے کے بعد ظاہری طور پر میری حالت سدھر گئی، میری زندگی سنور گئی، میں غریب تھا، امیر بن گیا، لیکن میرے دل کی دنیا اجڑ چکی تھی، وہ اجڑی رہی، جس دن سے تم بچھڑی ہو، زندگی کا مزہ جاتا

رہا ——— میں نے تمہارے لئے کیا کیا پاپڑ نہ بیلے! خود شہر شہر گھوما، لوگ تمہاری تلاش میں دوڑائے، اخباروں میں اشتہار دیا، انعام کا اعلان کیا، لیکن تم نہ ملنا تھا نہ ملیں، اور ملیں کب جب میں مایوس ہو چکا تھا،

مایوس ہو چکا تھا اور صبر آ چلا تھا!

——— لیکن اس مایوسی کی تاریکی میں بھی امید کی کرن، کبھی کبھی دکھائی دے جاتی تھی، میرا دل کہتا تھا، ایک نہ ایک دن تم ملو گی، اور میرے دل کے اجڑے ہوئے سنسار کو آباد کرو گی ——— میں اب تک تمہارے انتظار میں تھا، میں نے شراب چھوڑ دی، شادی بھی نہیں کی، صرف تمہیں یاد کرتا رہا، صرف تمہاری یاد سے دل بہلاتا رہا ——— تم چپ چپ کیوں ہو؟ تم بھی تو کچھ کہو،

فریدہ نے کہا،

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو، میں سن رہی ہوں، مجھے کچھ کہنا نہیں ہے ——— بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں، لیکن زبان ساتھ نہیں دیتی کہوں بھی تو کیا کہوں؟ ایک بیوہ عورت کہہ بھی کیا سکتی ہے؟ میں بیوہ ہوں، تمہاری دنیا پھر سے آباد ہو سکتی ہے لیکن بیوہ عورت کی دنیا ایک بار اجڑ کر پھر کبھی آباد نہیں ہوتی"

انور نے بیقرار ہو کر کہا،

"یہ نہ کہو فریدہ، مسعود تمہارا حق دار نہ تھا، وہ زبردستی شوہر

بن بیٹھا تھا، تمہارا راج میں ہوں تمہارا، سہاگ میں ہوں، ہاں فریدہ یہ تو بتاؤ، ریحانہ کو تو اپنے پاپی باپ کی زندگی کا حال نہیں معلوم ہے؟"

فریدہ نے گہرے استغراق میں کھوئے ہوئے، جواب دیا،

"نہیں!"

انور خوش ہو کر بولا،

"یہ تم نے بہت اچھا کیا، وہ معصوم ہے، بھولی ہے، اسے میرے پاپ کی باتیں معلوم ہوتیں، تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگتی، میرا ہیولا نہ پڑتا کہ اس سے آنکھیں چار کر سکوں،

فریدہ نے کہا،

"ریحانہ کو بہت چاہتے ہو تم"؟

"کیوں نہیں اسے دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے!"

"لیکن کب تک وہ بے خبر رہے گی ہماری پچھلی زندگی سے"؟

"ہمیشہ! میں موتی پور کا سب سے بڑا آدمی ہوں، میرے پاس دولت ہے، عزت ہے، شہرت ہے، میں تمہیں اس طرح اپنے گھر میں نہیں لا سکتا، کہ میری جگ ہنسائی ہو، یا دنیا تم پر انگلی اٹھائے،

——— تم ایک الگ مکان لے کر رہو، میری ایک بیوہ، اور بے والی وارث عزیز کی طرح، میں وہاں آتا رہوں گا، پھر ہماری تمہاری شادی ہو جائے گی، نہ یہ پاپ ہوگا، نہ اس پر کوئی انگشت نمائی کر سکیگا!"

"لیکن ریحانہ؟ وہ کیا سمجھے گی؟ اس کے سامنے ——— انشاء اللہ

وہ خود سیانی ہو چکی ہے ——— شادی ریحانہ کے لئے مجھے شوم نہ آئے گی؟ کیا تھوکے گی وہ میری اوقات پر؟"

"فریدہ تم تو ہمیشہ بال کی کھال نکالتی ہو، ریحانہ بھلا کیا سمجھے گی! کیا کہہ سکتی ہے؟ ۱۲ برس کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے، وہ تو ابھی بچہ ہے اسے سمجھا دینا، عزت کی زندگی صرف اسی طرح بسر کی جا سکتی ہے، کہ دنیا آنکھ نہ اٹھائے، انگلی نہ اٹھائے، جوان بیوہ عورت، اور نوجوان کنواری لڑکی کا اکیلے گھر میں رہنا، تن تنہا رہنا، معیوب بھی ہے اور انگشت نمائی کا سبب بھی ——— لیکن تم تو اس سے یہ کہنا کہ یہ شادی میں صرف تیرے لئے کر رہی ہوں، تاکہ تو پڑھ لکھ کر ہشیار بنے، کسی شریف اور امیر گھرانے میں تیرا بیاہ ہو، ورنہ ایک غریب اور بیوہ عورت کی لڑکی کا ہاتھ کون پکڑیگا؟"

"اچھا یہ تو بتاؤ، سوتیلے باپ کا یعنی تمہارا سلوک ریحانہ کے ساتھ کیا ہوگا؟"

"فریدہ تم تو یہ نہ کہو، ریحانہ سمجھے تو سمجھے، کیا تم بھی مجھے اس کا سوتیلا باپ ہی سمجھو گی؟"

"میں کیا سمجھوں گی؟ اور ریحانہ کیا سمجھے گی، اسے چھوڑو، اصل سوال یہ ہے کہ تم کیا سمجھو گے؟ تمہارا برتاؤ میری بچی کے ساتھ کیا ہوگا؟"

"وہ زندگی بھر مجھے اپنا سوتیلا باپ سمجھتی رہے، لیکن میں جانتا ہوں وہ میری لخت جگر ہے، میرے دل کا ٹکڑا، میری آنکھوں کا تارا،

میری زندگی کا سہارا ہے، اس دنیا میں اس کے سوا اور میرا ہے کون؟ یہ میری دولت، جائداد سب کچھ اس کا ہے، اسی کا رہیگا!"

"اب تو تم بڑے دل والے بن گئے ہو؟"

"ہاں فریدہ غربت آدمی کو تنگ دل بنا دیتی ہے، اور امارت، لکھ لٹ، ——— لیکن سبکو نہیں، صرف مجھ جیسے عالی حوصلہ لوگوں کو!"

یہ کہہ کر انور ہنسا، فریدہ نے مسکراتے ہوئے کہا،

"تمہیں یہ اچھا لگے گا، کہ ریحانہ تمہیں اپنا سوتیلا باپ سمجھے؟"

"میں یہ سب برداشت کر لونگا فریدہ، میں سوتیلا باپ بن کر اس کے سامنے آسکتا ہوں، لیکن ایک پاپی اور شرابی، اور بچے کے روپ میں سگا باپ بنکر اس کے سامنے نہیں آسکتا، ایسا لچا اور آوارہ جس نے شراب کے نشہ میں اپنی چہیتی بیوی کو چھوڑ دیا تھا، اپنی لاڈلی بیٹی سے محروم ہو گیا تھا ——— سچ کہتا ہوں اگر تم نے اسے میری باتیں بتا دیں، تو میں خود کشی کر لوں گا پھر میں ہرگز اسے منہ دکھانے کی ہمت اپنے میں نہیں پاؤں گا، سوچو تو سہی آخر وہ مجھے شیطان سے کیا کم سمجھے گی؟"

کچھ دیر تک خاموشی رہی، فریدہ بھی کچھ سوچ رہی تھی، اور انور بھی، پھر انور نے سگریٹ کا ایک کش لیتے ہوئے پوچھا،

"بتاؤ کیا کہتی ہو؟ کیا رائے ہے تمہاری؟"

"کس بارے میں؟"

"وہی تجویز جو ابھی میں نے پیش کی ہے، یعنی ہماری تمہاری دوبارہ شادی!"

فریدہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر زمین کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا،

"میں تمہارے ہاتھ میں ہوں، تم نے ہمیشہ جو چاہا کیا، تم اب بھی جو چاہو کرو، پہلے بھی میں وہی کرتی رہی، جو تم نے چاہا، اب بھی میں وہی کروں گی، جو تم چاہو گے، چاہو تو سر پہ بٹھالو، چاہو ٹھوکر مار کر دور پھینکدو!"

یہ باتیں نہ کرو فریدہ، تم میری محبت سے انکار نہیں کر سکتیں، تمہارے یہ کمھلائے ہوئے رخسار، تمہاری یہ غمزدہ آنکھیں، تمہارے یہ سوکھے ہوئے لب میری محبت کی گواہی دیں گے، ہاں مجھ میں یہ عیب تھا، کہ میں شراب پیتا تھا، نشہ میں ہوش کھو بیٹھتا تھا، نشہ کی حالت میں چاہے جو کچھ تمہیں کہہ لیا ہو، اور چاہے جیسی تکلیف دے لی ہو لیکن ہوش میں آنے کے بعد ہمیشہ تمہیں پوجتا رہا ——— بتاؤ میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"اب تم نے شراب بالکل چھوڑ دی ہے؟"

"بالکل!"

"سچ کہتے ہو؟"

"قسم لے لو، جبدن سے تم سے بچھڑا ہوں، آجتک میں نے شراب کو

ہاتھ نہیں لگایا، اس محفل میں نہیں بیٹھا، جہاں شراب کا دور چل رہا ہو!"

"کاش تم پہلے ہی ایسے ہوتے!"

"اب پچھلی باتوں کو بھول جاؤ، انہیں نہ یاد کرو، نہ ان کا ذکر کرو"

"تمہیں پا جانے کے بعد، تمہارے سوا میں اور کچھ یاد نہیں رکھ سکتی!"

پھر دونوں پر خاموشی طاری ہوگئی، کچھ دیر کے بعد انور نے کہا،

"ایک بات پوچھوں بتاؤ گی؟"

"پوچھو"

"تم نے مجھے معاف کر دیا؟ جب تک تم مجھے معاف نہیں کر دوگی میرا دل ڈانوا ڈول رہے گا ——— بولو بتاؤ، جواب دو فریدہ!"

"تم معافی کیوں مانگتے ہو، تمہاری کوئی خطا نہیں تھی، تم ہوش میں کب تھے، ——— معافی تو مجھے مانگنی چاہیئے، غلطی میں نے کی خطا میری تھی، میں ہوش میں تھی، پھر بھی میں نے ایسی باتیں کیں جن سے تمہارا غصہ بڑھ گیا، اور تم نے نشہ میں مجھے طلاق دیدی، میرا دل اگر تم سے صاف نہ ہوتا، تو میں تمہارے در پہ نہ آتی، بھیک مانگ کر اپنا اور ریحانہ کا گزارہ کر لیتی!"

"خدا نہ کرے ایسی باتیں نہ کرو، ان سے مجھ کو دکھ ہوتا ہے"

"اگر تم اجازت دو، تو ایک بات میں بھی پوچھ لوں!"

"ضرور! ضرور! پوچھو"

"سچ سچ بتانا!"

"بالکل سچ!"

"تمہیں میری قسم، ذرا بھی مروت نہ کرنا!"

"بالکل مروت نہیں کروں گا، بالکل سچ سچ کہوں گا، پوچھو تو!"

"بات یہ ہے کہ تم نے مجھے تو معافی مانگ لی، لیکن اتنی بڑی غلطی مجھ سے سرزد ہوگئی ہوتی تو کیا تم مجھے بھی معاف کر دیتے؟"

"میں سمجھا نہیں صاف صاف کہو!"

"جو تم نے کیا وہی میں کرتی، تو کیا تم مجھے معاف کر دیتے؟"

"کر دیتا، تمہیں اندازہ نہیں ہے، میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں!"

"اچھا فرض کرو، میں کسی ایسی ریحانہ کی ماں ہوتی، جو میری بچی تو ہوتی، لیکن تمہاری اولاد نہ ہوتی، تو کیا تم جب بھی مجھے معاف کر دیتے جب بھی اسی طرح میری پذیرائی کرتے؟ جتنی محبت کا دعویٰ تم ریحانہ کے ساتھ کر رہے ہو، کیا اس کے ساتھ بھی کرتے

دیکھو بھئی مروت کی سند نہیں سچ سچ کہنا، وعدہ کر چکے ہو"

انور کو خاموش دیکھ کر فریدہ نے پھر اسکے دل پر چٹکی لی، اور کہا،

"اسی لئے تو میں کہتی ہوں عورت کا دل مرد سے بہت بڑا ہوتا ہے، میں نے تمہیں کسقدر جلد معاف کر دیا، اور تم میری ایک مشکوک خطا کو بھی معاف کر سکے، یہ میرا اور تمہارا، انور اور فریدہ کا فرق نہیں ہے یہ فرق ہے دو جنسوں کا، مرد اور عورت کا!"

انور مسکرایا، پھر ہنسا، اس نے کہا،

"اوہو، اب تو میری فریدہ فلسفی بھی بن گئی ہے، کیا کہنا ہے ان وکیلانہ جرحوں کا!"

"لے اب زیادہ باتیں نہ بنائیے، معلوم ہوگئی، آپ کی ساری حقیقت!"

یہ کہہ کر فریدہ مسکرا دی، انور کچھ جھینپ سا گیا،

یوسف، ایک شریف، بلند حوصلہ، اور ذہین نوجوان تھا، ابھی وہ کالج سے بی اے میں کامیاب ہو کر نکلا تھا، تلاش معاش کے سلسلہ میں اِدھر اُدھر گھومتا ہوا، موتی پور پہونچا، اتفاقاً انور سے ملاقات ہوئی، اُسنے نے دیکھا، نوجوان ہونہار معلوم ہوتا ہے، اسے معقول تنخواہ پر اپنا منیجر بنالیا۔

انور کا برتاؤ، یوسف کیساتھ آقا کا نہیں تھا، دوست، یا زیادہ سے زیادہ، بڑے بھائی کا تھا، وہ زمانہ کا ستایا ہوا تھا، زمانہ کی ٹھوکریں کھا چکا تھا، اپنی خوب صورت، اور خوب سیرت بیوی سے محروم ہو چکا تھا اپنی پیاری اور لاڈلی بیٹی کی فرقت کا دکھ سہ رہا تھا، وہ ایک عالی شان مکان میں رہتا تھا، لیکن یہ مکان اس کے لئے ایک ویرانہ تھا، یہاں ملازم تھے، جو ایک اشارہ پر ہر کام کیلئے مستعد ہو جاتے تھے، لیکن بیوی نہیں تھی جس کے وجود سے گھر جنت بن جاتا ہے، اولاد نہیں تھی، جو فکر اور غم کو مسرت اور خوشی سے بدل دیتی ہے، اس کے سینہ میں شفقت اور محبت کا سمندر لہریں مار رہا تھا، لیکن، اسے کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا، جس پر

یہ محبت وہ صرف کر سکے، جسے اس محبت کے طوفان مواج میں غرق کر لے اب اسے یوسف ملا تھا، وہ ہونہار تھا، با اخلاق تھا، وفادار تھا، نمک حلال تھا، انور کی محبت اور شفقت کا سارا خزانہ یوسف پر بے دریغ صرف ہو رہا تھا، وہ یہاں منیجر کی حیثیت سے آیا تھا، لیکن مختار کل بن گیا تھا، انور نے ہر کام، ہر فیصلہ اسی پر چھوڑ دیا تھا، وہ یوسف کو اپنا نوکر نہیں سمجھتا تھا، ہمدرد، اور دوست سمجھتا تھا، یوسف کو اصرار کر کے اسنے اپنے مکان میں رکھا تھا، اور اس مکان کے نوکروں کا جس طرح وہ آقا تھا اسی طرح یوسف بھی تھا، دونوں ایک ساتھ ناشتہ کرتے اور کھانا کھاتے، دونوں پاس پاس کمروں میں سوتے، دونوں ہر وقت ایک دوسرے کے ہمدم اور دمساز بنے رہتے، اگر کبھی یوسف ٹہلنے چلا جاتا، اور واپسی میں اسے دیر ہو جاتی، تو انور پریشان ہو جاتا، اور جب تک وہ واپس نہ آتا، نہ انور کھانا کھاتا، نہ اس کا کسی کام میں جی لگتا۔

ایک روز رات کے کھانے کے بعد، جب یوسف اٹھ کر اپنے کمرہ میں جانے لگا، تو انور نے کہا،

"ابھی نہ جاؤ، کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں"

یوسف جاتے جاتے بیٹھ گیا۔

انور نے سر کھجاتے ہوئے کہا،

"ایک بڑی الجھن آپڑی ہے یوسف، کوئی ترکیب بتاؤ"

یوسف نے حیرت سے کہا،

"الجھن؟"

"ہاں بھئی الجھن، تمہیں شاید اسے حل کر سکو تو کرو"

"فرمائیے کیا بات ہے؟"

"بات یہ ہے کہ ——— بات یہ ہے کہ ———"

یہ کہہ کر انور پھر خاموش ہو گیا، یوسف نے کہا،

"تو فرمائیے نا!"

انور بولا،

"دیکھو میاں یوسف بات یہ ہے کہ میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں، اتنا ہی بھروسہ جتنا ایک بھائی بھائی پر کر سکتا ہے، باپ بیٹے پر کر سکتا ہے دوست دوست پر کر سکتا ہے!"

"انشاء اللہ آپ مجھے بھی آخر وقت تک، وفادار، اور جانباز، پائیں گے، کہئے تو ماجرا کیا ہے؟"

"آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے کہ شراب کے نشہ میں ——— دیکھو تم پھر چونکے، ہاں میاں میں شراب پیتا تھا اور بہت پیتا تھا، لیکن خدا کا شکر ہے اب چھوڑ چکا ہوں ——— ہاں تو شراب کے نشہ میں، میں اپنی بیوی کو کھو بیٹھا، میں نے اسے بہت ڈھونڈا، لیکن نہ پایا، پھر میں عورتوں سے وحشت کھانے لگا، میرا جی عورتوں سے اچاٹ ہو گیا، حسین سے حسین عورت کی میری نظر میں دو کوڑی کی وقعت رہ گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ مالی اعتبار سے میری حالت

مضبوط سے مضبوط تر ہو گئی، یہاں میں کنگال کی حیثیت سے آیا تھا، اور تم آج خود دیکھ رہے ہو، یہاں کا سب سے بڑا آدمی ہوں، لیکن اس دولت و ثروت کے انبوہ کے باوجود میں تنہا رہا، شادی کرنے کا کبھی خیال بھی میرے دل میں نہیں آیا، میں نے طے کر لیا تھا اب شادی کبھی نہیں کرونگا، کسی عورت کو اپنی رفیقۂ حیات نہیں بناؤنگا لیکن قدرت کو شاید کچھ اور منظور ہے ابھی کچھ عرصہ کی بات ہے ایک روز بے سان و گمان، میری وہ گم گشتہ بیوی پھر مجھے مل گئی، اور میری وہ بچی بھی جس کی یاد، ہمیشہ میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہتی تھی ——— بتاؤ! یوسف تمہاری کیا صلاح ہے اب میں کیا کروں؟"

"اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے، بلا لیجئے، اپنے پاس، اور میاں بیوی کی طرح رہئے، آپ کی زندگی خشک تھی بے رنگ تھی، اب وہ پھر رنگین ہو جائے گی پھر باد تمنا چلے گی، اور ثمر مراد ملے گا، یہ گھر ویرانہ سے جنت بن جائے گا،"

"ٹھیک کہتے ہو لیکن ایک بڑی مشکل ہے میرے راستہ میں"

"وہ کیا؟"

"میری لڑکی اب نوجوانی کی سرحد پر پہونچ رہی ہے، جتنی زیادہ خوب رو ہے اس سے زیادہ ذہین اور شوخ ہے، ذہین اور شوخ لڑکیاں سمجھدار بہت ہوتی ہیں ———

"تو؟"

"میں اسے اپنی پچھلی زندگی کے شرمناک واقعات نہیں بتانا چاہتا
میں چاہتا ہوں، اپنی بیوی کو، ایک بیوہ رشتہ دار مشہور کر کے دوبارہ
اس سے شادی کروں، اور اپنی لڑکی پر یہ ظاہر کروں کہ میں اس کا
سگا باپ نہیں سوتیلا باپ ہوں"

"یہی سہی، کیا حرج ہے اس میں!"

"لیکن ایک اور الجھن ہے، اس کا بھی کوئی معقول حل سوچو!"

"وہ بھی کہہ ڈالیے ——— آج جتنی الجھنیں ہیں سب بیان
کر ڈالیے"

"دیکھو غور سے سننا بڑا اہم معاملہ ہے"

"کچھ کہئے بھی تو!"

"کاروبار کے سلسلہ میں میرا آنا جانا بمبئی ہوتا رہتا تھا"

"ٹھیک ہے میں جانتا ہوں آگے؟"

"اسی سلسلہ میں ایک بار میں بمبئی گیا، وہاں ایک نوجوان اور
نظر فریب عورت سے ملاقات ہوئی ———"

"لیکن آپ تو عورتوں سے نفرت کرتے تھے پھر کیوں ملے؟"

"وہی بچپن، ارے میاں پوری بات تو سن لو، پھر جرح کرنا!"

"فرمائیے، فرمائیے!"

"وہ ۹ برس کی عمر میں بیوہ ہو گئی تھی، پھر دو سال بعد، اس کے ماں

باپ کا انتقال ہو گیا، کوئی بھائی تھا نہیں، چچا جو خاصا مالدار تھا اسکی
ساری جائداد پر قابض ہو گیا، اور اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ
اب اس کی شادی کا سوال ہی نہ اٹھنے دے، چنانچہ میری ملاقات جب
ہوئی اس وقت اس کی عمر ۲۳ سال کی تھی، بڑی نستعلیق، مہذب،
تعلیم یافتہ، طرح دار عورت تھی ———"

"یہ تو سب ٹھیک ہو گا، لیکن یہ تو بتائیے، آپ نے اس سے
ملاقات کیوں کی؟ اور پھر کیا ہوا؟"

"سب بتاؤں گا، لیکن بیچ میں ٹوک ٹوک کر تم تو بہت سی باتیں
بھلائے دیتے ہو"

"اب نہیں ٹوکوں گا، چپ چاپ بیٹھا رہوں گا کہئے"

"لڑکی کا چچا لاولد ہے، کافی بوڑھا ہو چکا ہے، لیکن اسے
اب تک امید ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو گی، وہ بھی لڑکی نہیں لڑکا، اور
وہی اس کی ساری جائداد و املاک کا مالک بنے گا، اسی امید موہوم میں
اس عورت کو کنوارا رکھنے کا زندگی بھر کیلئے تہیہ کر چکا ہے، شاید
اولاد کے غم میں صدمہ زیادہ اٹھایا، لہذا بڑے میاں کو دل کے دورے
پڑنے لگے، علاج کے لئے وہ بمبئی آئے، اور اسی ہوٹل میں ٹھہرے
جہاں میں ٹھہرا تھا، میرا ان کا کمرہ ملا ہوا تھا!"

اتنا کہہ کر انور نے سگریٹ سلگایا، ایک لمبا سا کش لگایا اور کہا،
"میں ہوٹل میں بیمار پڑ گیا، ایک روز میں ڈاکٹر کے ہاں سے واپس

اپنے کمرہ میں جارہا تھا، وہ اپنے کمرہ کے سامنے ایک آرام کرسی پر بیٹھی کوئی اخبار پڑھ رہی تھی، اس کے قریب پہونچکر، کمزوری کے سبب میں تیورایا اور بیخبتہ فرش پر دھڑام سے گر پڑا، سر سے خون بہنے لگا، وہ جلدی سے اٹھی، ملازموں کو آواز دی، اور مجھے میرے کمرہ میں پہنچاکر خود بھی وہیں بیٹھ گئی، اور میری تیمارداری کرنے لگی، تھوڑی دیر کے بعد میری آنکھ کھلی، تو میں نے دیکھا، میرے سرہانے بیٹھی ہے، اور دیکھ بھال کر رہی ہے، اس کی یہ ہمدردی، اور شرافت دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا"

انور پھر کچھ سوچنے لگا، یوسف نے کہا،

"جی پھر؟ پھر کیا ہوا؟"

"جب تک میں بیمار رہا، مجھ پر وہ دل و جان سے سیوا کرتی رہی، اس کی ان کرم فرمائیوں نے مجھے اسکا بندۂ بے دام بنالیا، میرے دل میں —— محبت تو معمولی چیز ہے —— اس کی عزت پیدا ہوگئی، اب ہم اکثر ایک دوسرے سے ملنے لگے، بڑے میاں کو بھی ہم دونوں کے ملنے جلنے پر کچھ زیادہ اعتراض نہ تھا، اس لئے کہ وہ آزاد فضا میں پلی۔ اور بڑھی تھی، دوسرے یہ کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح وہ ملوث ہوجائے، اس کا دامن عفت داغدار ہوجائے۔ تاکہ ایسی "آوارہ" اور "بدنام کنندہ نکونامے چند" بھتیجی سے وہ آسانی سے گلو خلاصی حاصل کرسکیں،

"پھر کیا ہوا؟"

"غرض اس کی یہ بے غرض خدمت، اور یہ شان شرافت دیکھ کر میں اور تو کچھ اسے نہیں دلیکا، قول دے بیٹھا، میں نے اس سے شادی کا وعدہ کر لیا، —— وہ چاہتی تھی کوئی شریف آدمی اس سے شادی کرلے، اسے اپنی کنیز بنالے تاکہ وہ حریص اور لالچی چچا کی گرفت سے آزاد ہوسکے، اور سکھ چین کی زندگی بسر کرسکے، اس کی اس رنجوری، اور مجبوری کو دیکھ کر میں نے شادی کا وعدہ کرلیا، میں نے سوچا اس کا دل بھی ٹوٹا ہوا ہے، اور میرا بھی دل ٹوٹا ہوا ہے، ہم دونوں کی خوب بسر ہوگی،

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"!

یوسف نے کہا،

"لیکن اب تو آپکا ٹوٹا ہوا دل جُڑ چکا ہے، اب؟"

"یہی تو اب سوچنا ہے، اس مہینہ میں حسب وعدہ ہماری شادی ہوجانی چاہیئے تھی، یوں سمجھ لو وہ "ٹکٹ بدست" بیٹھی میرے اشارہ کا انتظار کر رہی ہے، میرا اشارہ ہوا، اور وہ بوریہ بستر باندھ کر یہاں پہونچی، لیکن مجھے اب فریدہ —— میری بیوی —— مل چکی ہے، اسے کیسے چھوڑ دوں؟ یہ نہیں ہوسکتا، میں فریدہ کو نہیں چھوڑ سکتا، ریحانہ کو نہیں چھوڑ سکتا!"

یوسف نے چونک کر پوچھا،

"ریحانہ ؟ ریحانہ کون ؟"

"میری لڑکی، میری اکلوتی بچی"

"اچھا ایک بات بتایئے"

"کون سی بات ؟"

"اس عورت سے آپنے فریدہ کا ذکر کیا تھا ؟"

"ہاں کیا تھا !"

"کس طرح ؟ کیا کہا تھا آپنے ؟"

"میں نے کہا تھا اگر میری فریدہ مل گئی، تو میں تم سے شادی نہیں کرونگا، وہ تم سے زیادہ میری مستحق ہے، وہ تم سے کہیں زیادہ رنجور، اور غمگین ہے تباہ و برباد ہے، !"

"پھر آپ کیوں پریشان ہیں ! لکھدیجئے اسے ایک خط کہ فریدہ مل گئی ہے، اور اب میں وعدہ پورا کرنے مجبور ہوں"

"ٹھیک کہتے ہو، میں یہی کروں گا مجھے یہی کرنا چاہیئے !"

اس گفتگو کے بعد، یوسف چلا گیا، انور بڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا، معلوم ہوتا تھا، کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے، جس کی گتھیاں وہ سلجھا رہا ہے، پھر وہ آہستہ آہستہ اپنی میز کے پاس آیا، اور کچھ لکھنے لگا،

وہ ایک خط لکھ رہا تھا، غالباً اسی ہوٹل والی حسینہ کو، خط میں اس نے ایک چیک بھی پانچہزار روپیہ کا منسلک کر دیا !

پھر وہ اٹھا اور خاموشی سے اپنی چارپائی پر لیٹ گیا، اب بھی وہ بہت فکرمند اور پریشان نظر آرہا تھا، رات کو بہت دیر میں وہ سویا، شب خوابی کے کمرہ میں بار بار ماچس کے جلنے کی ہلکی آواز پیدا ہوتی تھی، اور اس کا شعلہ مستعجل ایک نئی سگریٹ کو جلا کر خود بجھ جاتا تھا،

انور اور فریدہ کی شادی ہوگئی، دونوں اپنی زندگی کے اس نئے دور سے بہت مسرور اور مطمئن تھے، انور یہ سمجھتا تھا کہ اسے نئی زندگی مل گئی، جو امنگ اور ترنگ سے لبریز ہے، فریدہ یہ سمجھتی تھی اس دنیا میں جو بڑی سے بڑی آرزو وہ کر سکتی تھی، وہ پوری ہوگئی یوسف بھی اس گھر میں حسب سابق، ایک محبوب عزیز کی طرح رہ رہا تھا۔ وہ فریدہ کو بھابی کہتا تھا، اور فریدہ بھی اسے بہت عزیز رکھتی تھی۔

انور نے پہلے ہی سے اپنا سارا کاروبار یوسف پر چھوڑ رکھا تھا، اب شادی کے بعد تو اس نے کسی معاملے میں دخل نہ دینے اور کسی کاغذ پر دستخط نہ کرنے کی، گویا قسم کھا لی تھی، یہ سارے کام یوسف کو کرنا پڑتے تھے، اور انور اپنے وقت کا بیشتر حصہ یا تو فریدہ کے ساتھ دل چسپیوں میں گذارتا تھا، یا ریحانہ کی تعلیم و تربیت میں، اسے ریحانہ سے بے تابانہ محبت تھی، اسے دیکھ دیکھ کر وہ جیتا تھا، اس کی صورت دیکھے

ہی اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھتا تھا، ریحانہ کی کوئی ضد ایسی نہ تھی، جو وہ بڑی خوشی سے پوری نہ کرتا ہو، بعض دفعہ فریدہ ریحانہ کو ڈانٹ بھی دیتی تھی، کہ ہر وقت نہ پریشان کیا کرو انہیں، لیکن انور فوراً اسے روک دیتا تھا، اور کہتا تھا، تم ہر معاملہ میں دخل دے سکتی ہو، لیکن میرے اور ریحانہ کے معاملہ میں نہیں بول سکتیں، اسے حق ہے کہ مجھ سے ضد کرے، اور میرا فرض ہے کہ میں اس کی دلجوئی کروں، تاکہ اسے خوش دیکھوں، اور اسے خوش دیکھ کر میرا دل خوش ہو، وہ دل جو خوشی کو ترس گیا ہے، جو ایک عرصہ سے خوشی کا نام بھی نہیں جانتا۔

فریدہ یہ باتیں سنتی اور جلکر کہتی، تم تو لڑکی کو بدتمیز بنا کے رہو گے میں کہتی ہوں، ماں باپ کے لاڈ میں یہاں تو سب کچھ ہو جاتا ہے، لیکن شوہر کے یہاں کون اتنے ناز نخرے اٹھائے گا، بی صاحبزادی کے!

انور تڑ سے جواب دیتا،

"شوہر اٹھائے گا، اور کون اٹھائیگا۔"

"یہ تو لڑکی کی قسمت پر ہے، کیا جانے کیسا شوہر ملے!"

"ارے شوہر تو میں نے ڈھونڈھ بھی رکھا ہے!"

"یہ لو ابھی سے شوہر بھی ڈھونڈھ لیا کون ہے وہ؟"

"یوسف! ——— کہو، کچھ اعتراض ہے تمہیں؟ کر سکتی ہو اعتراض اس پر؟ ہے اتنی ہمت تم میں؟"

فریدہ شوہر کی یہ باتیں سنتی اور مسکرا کر خاموش ہو جاتی،

رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، انور کسی کام سے اپنی صابون سازی کی فیکٹری میں کام کرنے والے مزدوروں کے کوارٹر کی طرف سے گزر رہا تھا، ایک درخت کے نیچے، چند مزدور بیٹھے آپس میں ہنسی دل لگی کی باتیں کر رہے تھے، انور نے اپنا اور یوسف کا نام سنا، تو ٹھٹکا اور ایک دوسرے درخت کی آڑ میں کھڑا ہو کر ان لوگوں کی باتیں سننے لگا،

ایک مزدور نے کہا،

"یار آدمی ہو تو یوسف میاں کا ایسا ——— میری پانچ روپے کی ترقی کر دی"

دوسرا بولا،

"ہاں بھئی بات یہی ہے، میں بھی اس انور سیٹھ کے بچے سے کہتے کہتے تھک گیا، کہ دو ہی روپے بڑھا دے، لیکن سالے نے ایک پیسہ بھی نہ بڑھایا، لیکن یوسف میاں نے میرے بھی پانچ روپے بڑھا دیئے!"

تیسرا بولا،

"یار اگر کہیں اس انور کے بجائے، یوسف میاں سیٹھ بن جاتے کسی طرح ———"

پہلے نے قہقہہ لگا کر کہا،

"تو مزہ آجاتا جوانی قسم!"

انور یہ باتیں سنتا ہوا، آگے بڑھ گیا،

گھر پہونچکر، انور اپنے کمرہ میں جانے کے بجائے، سیدھا یوسف کے کمرہ میں پہونچا، وہاں پہونچکر اس نے دیکھا کہ ریحانہ اور یوسف ایک صوفے پر پاس پاس بیٹھے ہیں، دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، دونوں کے دل جدائی کا فرق ختم کر کے ایک ہو چکے ہیں، یوسف محبت بھری نظروں سے ریحانہ کو دیکھ رہا ہے، اور اس سے گانا سنانے کی فرمائش کر رہا ہے، ریحانہ سمٹی ہوئی، نظریں نیچی کئے بیٹھی ہے، اور "انکار" کر رہی ہے،

"مجھے گانا کہاں آتا ہے، آتا ہوتا تو سنا نہ دیتی!"

ان دونوں میں، یہ رس بھری باتیں ہو رہی تھیں کہ انور پہونچا اسے دیکھ کر دونوں سہم گئے، اسنے غصہ کی نظروں سے دونوں مجرموں کو دیکھا، اور کڑک کر ریحانہ سے کہا،

"اپنے کمرہ میں جاؤ ریحانہ"

ریحانہ فوراً اٹھی، اور چلی گئی،

پھر وہ یوسف سے مخاطب ہوا، اسنے بگڑے ہوئے تیور اور درشت لہجے میں کہا،

"یہ کیا ہو رہا تھا"؟

یوسف نے کوئی جواب نہ دیا، آنکھیں نیچی کر لیں،

انور نے کہا،

تجھے تم سے یہ امید نہ تھی، یوسف، تم نے ڈاکہ ڈالا، میری آبرو پر
میرے گھر میں، میری نظروں کے سامنے!"

یوسف نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا،

"میں

انور نے گرج کر اس کی بات کاٹی اور کہا،

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا، دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے"

یوسف آہستہ آہستہ کمرہ سے باہر نکل گیا، انور بھی اپنے کمرہ میں چلا گیا،

صبح ہوئی تو انور حسب معمول ہشاش بشاش نظر نہیں آیا، اس کے
چہرہ پر فکر اور پریشانی کے بادل چھائے ہوئے تھے، صبح اٹھتے ہی وہ
یوسف کے کمرہ میں چلا جاتا تھا اور وہیں بیٹھ کر اخبارات پڑھا کرتا تھا
آج وہ یوسف کے کمرہ میں نہیں گیا، اخبار بھی اس نے نہیں پڑھا، وہ کچھ
سوچ رہا تھا، شاید یوسف ہی کے بارے میں شاید یہ کہ یوسف اسے
دھوکا دینا تو نہیں چاہتا، اس کی املاک و جائداد پر قبضہ کرنا تو
نہیں چاہتا، اس کے ناموس اور آبرو پر ڈاکہ ڈالنا تو نہیں چاہتا،
وہ ان باتوں کو بھلانا چاہتا تھا، جنہیں کل رات اس نے درخت کے
نیچے مزدوروں کی زبان سے سنا تھا، لیکن وہ ابتک اس کے کانوں میں
گونج رہی تھیں، معلوم ہوا تھا ابھی اور اسی وقت ہو رہی ہیں، وہ
اس واقعہ کو فراموش کر دینا چاہتا تھا، جو کل اسنے یوسف اور ریحانہ کے
بارے میں دیکھا تھا لیکن وہ سارا منظر سینما کی تصویر کی طرح اس کی

آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا، وہ ضرورت سے زیادہ توہم پرست
اور شکی تھا، وہ حد سے زیادہ غیور اور خود دار تھا، وہ نامناسب حد
تک آشفتہ طبع اور متلون المزاج تھا، اس کی محبت جتنی شدید ہوتی
تھی، نفرت کچھ اس سے بھی زیادہ شدید ہوتی تھی، وہ جسقدر جلد کسی
کو اپنا معتمد علیہ بنا لیتا تھا، اسی تیزی سے وہ اس کے زوال کا سبب
بھی بن جاتا تھا، اب وہ یوسف کے خلاف اپنے دل میں عناد کے جذبات
پا رہا تھا، یوسف اس کی نظروں سے گر چکا تھا، یوسف کا تصور بھی اس کے
دل و دماغ میں ہیجان پیدا کر رہا تھا، وہ اب یوسف کو ذلیل کرنا چاہتا
تھا، اس کا سفینہ آرزو غرق کر دینا چاہتا تھا، اسے دودھ کی مکھی
کی طرح نکال پھینکنا چاہتا تھا،

انور کو معلوم تھا، آج، یوسف نے ایک تفریحی جلسہ کا انتظام کیا ہے
جس میں ایک کھیل اسٹیج کیا جائیگا، داخلہ ٹکٹ سے ہوگا، اور جو رقم
جمع ہوگی، وہ مزدوروں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جائے گی، خود انور
نے جب یہ اسکیم یوسف سے سنی تھی، تو، ایک معقول رقم اپنی طرف سے
پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا،

لیکن اب اس جلسہ کو توڑنے کی فکر کر رہا تھا، اسنے، اپنے کارخانہ
کے مقادم کو بلایا جو تمام مزدوروں کا ہیڈ تھا، اور اس سے کہا،

"آج یوسف میاں جلسہ کر رہے ہیں"

"جی معلوم ہے!"

"مزدوروں نے ٹکٹ لے لیئے؟"

"کچھ نے لے لئے ہیں کچھ لے لیں گے، ابھی تو کئی گھنٹے کی دیر ہے!"

"لیکن مجھے یہ پسند نہیں!"

"جی؟"

"مجھے یہ پسند نہیں کہ مزدور اپنی گاڑھی کمائی کو کھیل تماشہ میں ضایع کریں، ——— لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ انہیں تفریح کا موقع بھی نہ ملے!"

"بجا ارشاد ہوا!"

"میں چاہتا ہوں تم ابھی اسی وقت ایک شاندار جلسہ کا انتظام کرو، اس میں سندری بائی کا گانا بھی گواؤ، اور ناٹک سبھا سے کھیل دکھانے کو بھی کہدو، جو مزدور اس میں آئیں، ان کو مفت داخل ہونے دیا جائے، اور ان کے لئے برف کے شربت کا انتظام بھی کردو، یہ سارے مصارف میرے ذمہ، یہ لو، پانچسو روپے!"

یہ کہہ کر انور نے پانچسو روپے کے نوٹ مقادم کے ہاتھ پر رکھدیئے، مقادم نے کہا،

"غریب پروری اسے کہتے ہیں، خدا حضور کو سلامت رکھے، ایسا ٹھاٹھ دار جلسہ کیا ہو کہ جو دیکھے دنگ رہ جائے؟"

"شاباش جاؤ، اپنا کام کرو، دیر نہ ہونے پائے!"

وقت مقررہ پر دونوں جلسے تھوڑے فاصلہ سے

ایک ہی میدان میں منعقد ہوئے، لیکن مزدور، یوسف کے جلسہ پر پروانے کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں، اور انور کے جلسہ میں، دو چار خوشامدیوں کے سوا کوئی رخ بھی نہیں کرتا،

انور اپنے پھیکے اور بے رونق جلسہ کا حسرت خیز منظر دیکھتا ہوا یوسف کے جلسہ کی طرف جاتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ جلسہ ختم ہو چکا ہے اور، ریحانہ کے سامنے کامیاب ایکٹ کرنیوالے مزدوروں کو ایک ایک کرکے یوسف پیش کر رہا ہے، اور وہ انعام دے رہی ہے، اور ان کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے، یہ دیکھ کر انور کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، ریحانہ اور یوسف نے انور کی غضبناک نظریں دیکھ لیں اور سہم گئے، وہ خاموشی کے ساتھ جلسہ میں بغیر آئے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے،

راستہ میں اسے مقادم ملتا ہے، وہ پھر کر اس سے کہتا ہے،

"نمک حرام"!

"جی سرکار!"

"ابے تجھکو روپے اس لئے دیئے تھے کہ اتنا پھیکا اور بے رنگ جلسہ ہو، سرکار کے بچے"

"حضور میری کیا خطا ہے؟"

"تو اس قابل نہیں ہے کہ مقادم رکھا جائے، تیرا مزدوروں پر اتنا اثر بھی نہیں ہے!"

ہے تو سرکار لیکن ———

"لیکن کیا؟"

"لیکن یوسف میاں سے زیادہ نہیں ہے، ان کے آگے میری کیا چل سکتی ہے، اور مزدور میری کیا سن سکتے ہیں!"

"بس ہر جگہ یوسف کا ذکر، ہر جگہ اسی کا چرچا ——— میں کہتا ہوں تم لوگ یوسف کے ملازم ہو یا میرے؟"

"حضور کے"!

"پھر یوسف کی بات میری بات آگے کیا وقعت رکھتی ہے"؟

"حضور نے سارا کام انہی کو تو سونپ رکھا ہے، ہم مزدور تو یہی سمجھتے ہیں، جو وہ سو آپ، اور ہم نے تو یہ بھی سن رکھا ہے، کہ یوسف میاں کو آپ اپنا بیٹا بنانے والے ہیں!"

"ابے الو کے پٹھے یہ کس سے سنا؟"

"سب جانتے ہیں کہ سرکار بٹیا ریحانہ کی شادی یوسف ———"

"چپ بے!"

یہ کہہ کر انور آگے بڑھ گیا، اور مقادم اپنی راہ چلا گیا،

انور جب گھر پہونچا، تو ریحانہ اور یوسف اپنے جلسے سے واپس آچکے تھے، لیکن دونوں مجرموں کی طرح اپنے اپنے کمرے میں دبکے ہوئے بیٹھے تھے، اور اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے منتظر تھے،

انور نے ریحانہ کو بلایا،

"بیٹی ریحانہ یہاں آؤ!"

وہ سامنے آکر ادب سے کھڑی ہوگئی، اس کی نظریں نیچی اور گردن جھکی ہوئی تھی، انور نے کہا،

"میں نہیں چاہتا کہ تم یوسف سے میل جول رکھو، وہ آوارا ہے، بدمعاش ہے میرا دشمن ہے!"

"کیا ہوا!"

"اوہ ہوتا کیا، وہ کر کیا سکتا ہے؟ ——— ہاں ایک بات تو بتاؤ"

"جی! کہئے!"

"تمہاری اس کی دوستی حد سے تو نہیں بڑھ چکی ہے؟ تم میں اور اس میں کچھ وعدے وعید تو نہیں ہو چکے ہیں ———؟ میرا مطلب ہے شادی بیاہ کے وعدے جو جوان لوگ بڑی جلدی کر لیا کرتے ہیں"؟

ریحانہ نے شرما کر، لیکن استقلال سے جواب دیا،

"نہیں"!

"شاباش مجھے تم سے یہی امید تھی، ——— ایک بات میں تم سے اور کہتا ہوں"

"کہئے، آپ جو حکم دیں گے میں اسے مانوں گی"

"تم یوسف سے بالکل نہ ملا کرو، وہ بڑا لچا ہے ——— وعدہ کرو اب تو نہیں ملو گی اس سے"؟

تھوڑے تامل کے بعد، ریحانہ نے جواب دیا،

"اگر یہ آپ کا حکم ہے تو میں وعدہ کرتی ہوں، یوسف سے نہیں ملا کروں گی"

"شاباش میری بیٹی، میری بچی کو ایسا ہی ہونا چاہیئے"!

اتنے میں ملازم آکر اطلاع دیتا ہے، باہر کچھ لوگ ملنے کے لئے آئے ہیں، انور ریحانہ کو وہیں چھوڑ کر باہر چلا جاتا ہے،

انور کے جانے کے بعد، فریدہ آتی ہے، اور دیکھتی ہے کہ ریحانہ ملول و غمگین خاموش اور اداس بیٹھی ہے، وہ اس کے پاس آکر بیٹھ جاتی ہے، تو دیکھتی ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے ہیں وہ گھبرا کر دریافت کرتی ہے،

"کیا ہوا بیٹی"

"کچھ نہیں امی جان"

"تو رو رہی ہے؟"

"نہیں تو!"

"میرا دل ہولا جا رہا ہے، جب تک تو بتائے گی نہیں، میرے دل کو قرار نہیں آئے گا، تجھی کو خوش دیکھ کر میں جیتی ہوں، اس پھول سے چہرے کو کملایا ہوا، دیکھ کر میں زندہ نہیں رہ سکتی، بول، بتا بیٹی، کیا ہوا؟ کیا انہوں نے کچھ کہا ہے"؟

ریحانہ نے کچھ جواب نہیں دیا، لیکن اس کے وہ جگمگاتے آنسو ڈھلک کر پلکوں پر، اور پلکوں سے دامن پر آ گئے،

فریدہ سمجھ گئی، کسی بات پر انور نے اسے کچھ زجر و توبیخ کی ہوگی، اس نے بڑی شفقت اور ملائمت سے کہا،

"بیٹی، وہ تجھے کتنا چاہتے ہیں، یہ بھی تو دیکھ، پھر اگر انہوں نے کبھی ڈانٹ دیا تو اس کا برا ماننا کیا! ——— چل اٹھ کھانا کھالے تیرے انتظار میں ٹھنڈا ہو رہا ہے"

فریدہ ریحانہ کو اپنے ساتھ لے کر چلی گئی،

آج ریحانہ جلد اور خلاف معمول اپنے کمرہ میں آ کر پڑ رہی، وہ چاہتی تھی، نیند آ جائے، تاکہ وہ خیالات پریشاں جو اس کے دل میں کھٹک رہے تھے، دور ہو جائیں، لیکن نیند کا کہیں کوسوں پتہ نہیں تھا

وہ بار بار سوچ رہی تھی، انور کا رویہ اتنا سخت کیوں ہو گیا ہے؟ وہ یوسف سے اتنا بیزار، اور متنفر کیوں ہو گیا ہے، خود اسی نے، اسے یوسف سے ملنے جلنے کا، ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقعہ دیا، لیکن اب وہی اس کا روادار بھی نہیں ہے، کہ میں اس سے بات چیت بھی کر سکوں

وہ سوچ رہی تھی، یوسف کتنا اچھا آدمی ہے، جب سے ان سے ملاقات ہوئی تھی، اسنے اپنا ایک نقش میرے دل پر بٹھا دیا تھا، آج اتنے دن ہو گئے، مگر وہ نقش اور ابھر گیا، وہ مٹ نہ سکا، اور زیادہ مرتسم ہو گیا، پھر میں یہاں آئی، یہ میری خوش قسمتی تھی، کہ اسے مجھ سے میل جول کرنے کا موقعہ دیا گیا، امی جان اسے بیٹے کی طرح چاہتی ہیں، اور یہ ماموں جان (انور کو وہ ماموں کہتی تھی) بھی اس کے کتنے گرویدہ

تھے، سب کے سامنے کہا کرتے تھے، ریحانہ کی شادی یوسف کے ساتھ ہو گی، جب وہ میرے دل کا مالک بن گیا، جب میں دل و جان سے اس کی ہو گئی، تو اسے آوارہ اور بدمعاش کہا جا رہا ہے میں نے تو اس جیسا نیک اور شریف آدمی آج تک نہیں دیکھا، نہ جانے دفعتہً وہ شریف سے بدمعاش کیسے ہو گیا،

کیا اب میں واقعی اس سے نہ ملوں! کیا واقعی ہم دونوں کی محبت نقش بر آب ثابت ہو گی، ؟ کیا ہماری محبت کی کلی کھلنے سے پہلے مسل دی جائے گی، ؟ میں کیوں مانوں ماموں جان کا کہنا، میں تو ملوں گی، ضرور ملوں گی اس سے، لیکن میں تو ان سے وعدہ بھی کر چکی ہوں، میں اقرار کر چکی ہوں، کہ اب کبھی یوسف سے بات نہیں کرونگی، کیا یہ وعدہ میں نباہ پاؤں گی! کیا یہ قول میں پورا کر سکوں گی؟

یہ سوچتے سوچتے، ریحانہ رونے لگی، رو رو کے اسنے اپنی آنکھیں سجا لیں، اور تکیہ تر کر لیا، اور روتے ہی روتے نہ جانے کب وہ سو گئی

رات کے ۱۰ بجے کے قریب انور باہر سے واپس آیا، اس نے ملازم سے کہا،

"دیکھو جا کے یوسف میاں سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں"

ملازم نے واپس آ کر اطلاع دی، ابھی جاگ رہے ہیں، انور نے حکم دیا،

"بلا لاؤ"

تھوڑی دیر کے بعد یوسف آیا، انور نے اس سے کہا،

"تم جانتے ہو، میں نے کیوں بلایا ہے تمہیں"؟

"جی نہیں"!

"میں نے ایک بہت اہم فیصلہ کیا ہے اور اس کی اطلاع تمہیں دینا چاہتا ہوں"

"فرمایئے!"

"اب ہمارا نباہ نہیں ہو سکتا! اب مجھے کسی منیجر کی ضرورت نہیں ہے، میں خود اپنا کاروبار دیکھوں گا، تم اب ملازمت کی قید سے آزاد ہو، جو کام چاہو، جہاں چاہو کر سکتے ہو، اس گھر سے بھی تم جا سکتے ہو، اگر ممکن ہو تو اسی وقت، ورنہ کل ——— لیکن کل بہر حال تمہیں یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیئے ———!"

یوسف دم بخود، انور کی باتیں سن رہا تھا، اسے ملازمت کے چھٹنے کا افسوس نہیں تھا، اسے اس گھر سے جانے کا بھی صدمہ نہیں تھا اسے فکر یہ تھی کہ اب وہ ریحانہ سے نہیں مل سکے گا، اس سے باتیں نہیں کر سکے گا، اس کے سامنے اپنا دل کھول کر نہیں رکھ سکے گا، یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، لیکن مرد تھا، جیالا اور باہمت اس نے فوراً ہی اپنے اس جذبہ پر وہ غالب آ گیا اس نے اپنے تئیں سنبھال کر کہا،

"بہت بہتر، جو آپ فرما رہے ہیں وہی ہو گا!"

"تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"نہیں!"

"صفائی پیش کرنا چاہتے ہو؟"

"جی نہیں!"

"ایک مہینہ کے نوٹس کی مزید تنخواہ چاہتے ہو؟"

"ہرگز نہیں!"

"اس گھر سے جانے کے لئے کچھ روز کی مہلت چاہتے ہو؟"

"قطعاً نہیں"

"کیا تم کل چلے جاؤ گے؟"

"جی کل نہیں، آج، ابھی، اسی وقت!"

"اوہو یہ دم خم ہیں؟"

یوسف نے کوئی جواب نہیں دیا، اور خاموشی کے ساتھ باہر جانے کے لئے اٹھا،

انور نے اسے ٹوکا،

"کہاں جا رہے ہو؟"

"سامان باندھنے"

"اس وقت اتنی رات گئے؟"

"جی کیا حرج ہے؟ بے خانماں لوگوں کو درخت کا سایہ بھی پناہ دے سکتا ہے، اور سڑک کی بیٹھ بھی"!

"میں سمجھتا ہوں تمہارا کیا مقصد ہے؟"

یوسف جانے جاتے رک گیا، اسنے ادب سے پوچھا،

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا"

"تم یہ سمجھتے ہو، کہ مزدوروں کو کس طرح بھڑکایا جاسکتا ہے، یہ سمجھتے ہو کہ شریف آدمیوں کے ناموس پر کیونکر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے؟ تم یہ بھی سمجھتے ہو، کہ اپنے محسن کے ساتھ احسان فراموشی اور نمک حرامی کا مظاہرہ کس طرح کیا جاتا ہے، لیکن تم سیدھی سادھی بات نہیں سمجھتے بڑے معصوم ہو!"

یوسف نے کہا،

"آپ اسوقت غصہ میں ہیں، جو چاہے کہہ لیجئے، میں کسی بات کا جواب نہیں دوں گا، لیکن اتنا عرض کروں گا، کہ آپ کے الزامات صحیح نہیں ہیں"

"کیا مطلب!"

"نہ میں نے مزدوروں کو بھڑکایا، نہ میں نے آپ کے ناموس کو اپنے سوا کسی اور کا ناموس سمجھا، نہ میں نے احسان فراموشی کا کبھی خیال کیا!"

"تو مطلب یہ کہ آپ بڑے پارسا اور نیک ہیں"!

"مطلب یہ کہ جتنا ناپاک اور ذلیل آپ مجھے سمجھ رہے ہیں، اتنا تو نہیں ہوں!"

"میں تمہاری چالوں کو خوب سمجھتا ہوں"

"میں چال باز بالکل نہیں ہوں"

"تم اسی وقت کیوں جا رہے ہو، یہ راز بھی مجھے معلوم ہے!"

"اس میں راز کی کیا بات ہے، آپنے خود ہی فرمایا تھا، چلے جاؤ میں جا رہا ہوں"

"ہاں ہاں جاؤ، ابھی جاؤ، اور دنیا کے سامنے فریاد کرو، کہ انور نے راتوں رات مجھ مظلوم کو نکال باہر کر دیا، جب لوگ سبب پوچھیں تو کہہ دینا، انہیں شبہ تھا کہ میں ان کے ناموس پر ڈاکہ ڈال رہا ہوں، لوگ، بالخصوص میرے مخالفین جب یہ باتیں سنیں گے، تو بہت خوش ہوں گے، اور میرا مذاق اڑائیں گے، اس طرح تمہارا مقصد حاصل ہو جائیگا"!

"میں اتنا کمینہ نہیں ہوں"

"تمہارا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی منیجری کے زمانہ میں تم نے میرا اعتماد و اعتبار حاصل کر لیا تھا، میں نے اپنی ہر بات، ہر راز، زندگی کا ہر سانحہ تمہیں بتا دیا تھا، اب تم ان رازوں کو غیروں کے سامنے منکشف کرنا، اور میری کمزوریاں بیان کر کے خود ہنسنا اور دوسروں کے لئے سامان تفریح پیدا کرنا!"

"میں کہتا ہوں، آخر آپ مجھے سمجھتے کیا ہیں"؟

"وہی جو تم ہو!——— خیر تم جا سکتے ہو، جو چاہو کرو

میں نہ تم سے ڈرتا ہوں، نہ اپنے پرانے دشمنوں اور تمہارے نئے دوستوں سے میاں صاحبزادے!"

یوسف چلا گیا، اور انور نے ایک زور کا کش لگایا، اور سر جھکا کر کرسی پر بیٹھ گیا!

صبح ریحانہ کی آنکھ کھلی، تو سب سے پہلے اسے یہ خیال آیا، کہ یوسف کے پاس جائے، اس سے باتیں کرے، اس کی دلفریب اور جان نواز باتوں میں گم ہو جائے، لیکن فوراً ہی اسے خیال آگیا، یوسف کے کمرے میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا جا چکا ہے،

اتنے میں ملازمہ آئی، اس نے کہا،

"ناشتہ تیار ہے!"

ریحانہ ناشتہ کے کمرے میں گئی، فریدہ اور انور اپنی اپنی کرسی پر بیٹھے تھے، یوسف کی کرسی خالی تھی، ریحانہ جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی، اس کی نظریں بار بار یوسف کی کرسی پر جاتی تھیں، اور ناکام و نامراد واپس آجاتی تھیں، فریدہ نے انور سے کہا،

"یوسف نہیں آیا ابتک"؟

انور نے ذرا تلخی سے کہا،

"اب وہ کبھی نہیں آئے گا"!

فریدہ نے تعجب کے ساتھ کہا،

"کیوں؟"

انور نے ذرا زور سے کہا،

"میں نے اسے نکالدیا، وہ نالائق تھا، بے ایمان تھا، غدّار تھا!"

"کل تک تو وہ یہ کچھ نہ تھا! رات ہی بھر میں یہ سارے گن آگئے، اس میں؟"

"تم نہیں جانتیں، انسان کی بدنفسی بہت دیر میں کھلتی ہے، سعدی کا قول ہے،

کہ خبث نفس نہ گردد بہ سالہا معلوم!

میں نے جب اس کا خبث نفس معلوم کرلیا، اسے رخصت کر دیا!"

"تم جو چاہو کہو، میں تو کبھی نہیں ماننے کی"

"تم میرے تجربے اور مشاہدہ کو نہیں جھٹلا سکتیں!"

"آخر میں بھی تو سنوں وہ تمہارا موا تجربہ اور مشاہدہ!"

"کیا کروگی سنکر ——— وہ میری جڑ پر کلہاڑی چلا رہا تھا،"

"توبہ کرو، یوسف اور ایسا ———؟"

"ہاں، تم نہیں جانتیں اسے"

"میں خوب جانتی ہوں اسے!"

"کیا جانتی ہو"؟

"اس جیسا آدمی چراغ لیکے ڈھونڈو گے تو نہیں ملے گا"

"کیا تم بھی میرے دشمنوں کی تعریف میرے منہ پہ کروگی فریدہ؟" ———

"نوج خدا نہ کرے!"

"تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، وہ میرا دشمن تھا"

"یہی تو پوچھ رہی ہوں کیا بات ہوئی؟"

"تمہیں میرا اعتبار نہیں ہے؟"

"کیوں نہیں ہے"؟

"پھر یہ پوچھ کچھ کیوں کر رہی ہو؟ میری بات مان کیوں نہیں جاتیں؟ ——— آہ کوئی نہیں ہے میرا اس دنیا میں سب میرے مخالف ہیں، سب میرے دشمنوں کے ہمدرد ہیں!"

گفتگو کا یہ رنگ دیکھ کر فریدہ خاموش ہوگئی، ریحانہ چپ چاپ یہ باتیں سن رہی تھی اور یوسف کی خالی کرسی کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی، گویا وہ اس سے خاموش نظروں میں سوال کر رہی تھی، کیا یہ سب کچھ سچ ہے، لیکن جواب کون دیتا؟ یوسف تو تھا نہیں، اسکا تصور تھا، اور تصور سے باتیں کی جاسکتی ہیں، سنی نہیں جاسکتیں!

یوسف، انور کی افتادِ طبع سے واقف تھا، وہ اس کی عزت کرتا تھا
اس سے محبت کرتا تھا، اس کا احترام اپنے دل میں رکھتا تھا، لیکن جانتا تھا
اس کی طبیعت اور جبلت میں تلوّن اور لاابالی پن ہے،

گاہے بہ سلامے برنجند و گاہے بہ دشنامے خلعت دہند!

اسی لئے وہ ہمیشہ پا بہ رکاب رہتا تھا، اس نے طے کر لیا تھا، میں
خود انور کا دامن نہیں چھوڑوں گا، لیکن انور نے اگر کبھی اپنا دامن
چھڑا لیا ——— اور یہ ہر وقت ہو سکتا ہے ——— تو میں،
مثل بوئے گل یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، جس طرح ایک متقی اور پرہیز
گار انسان سفرِ آخرت کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، اسی طرح یوسف
بھی نقلِ مکان کے لئے ہمہ وقت اپنے تئیں آمادہ پاتا تھا،

لیکن آج جب یکایک انور نے اپنا دامن جھٹکا، تو یوسف نے
اس کے سامنے تو فوراً پورے تیکھے پن، اور خود داری سے کام لیکر
اسی وقت رختِ سفر باندھنے کا اعلان کر دیا، لیکن جب وہ وہاں سے

اٹھا، اور اپنے کمرہ میں آیا، تو بار بار وہ سوچ رہا تھا، کہ اس گھر سے
اس دیارِ محبت سے، اس کوچۂ یار سے کیا چلا جانا آسان ہے؟ اگر
ریحانہ کا قدم درمیان میں نہ ہوتا، تو انور کا گھر کیا، موتی پور بلکہ دنیا
سے رختِ سفر باندھنا آسان تھا، لیکن ریحانہ کو چھوڑ کر وہ کس طرح
چلا جائے، جہاں سے وہ مر کر نکلنا چاہتا تھا، آج وہاں سے دھکے
دیکر نکالا جا رہا تھا،

کچھ دیر تک وہ اسی ذہنی و قلبی کشمکش میں گرفتار رہا، پھر اس نے
اپنا مختصر سا سامان اٹھایا، اور رات ہی رات، انور کے مکان سے
ریحانہ کے کمرہ پر ایک الوداعی نظر ڈالتا ہوا، اور زیرِ لب

جان ہوتی ہے جدا جسم سے گویا حسرت
آسماں ان سے چھڑاتا ہے جدا ہوتے ہیں

کہتا ہوا، نکل کھڑا ہوا،

ٹھیک بارہ بجے رات کو اس نے پھر اسی سرا کا دروازہ کھٹکھٹایا
جہاں سے وہ انور کا مینجر ہو کر آیا تھا، بڑھیا نے تیکھی چتونوں کے ساتھ دروازہ
کھولا،

"کون ہے؟"

"میں ہوں اور کون ہے"!

"ارے تم اس وقت؟ یہاں؟"

"ہاں ہاں اور کیا؟ ہمیں سمجھتی کیا ہو تم؟

کبھی اس گھر میں آنکلے، کبھی اس گھر میں جانکلے!"

یہ کہہ کر اس نے ایک قہقہہ لگایا، آگے آگے بڑھیا اور پیچھے پیچھے وہ اتفاق سے اسی سات نمبر کی کوٹھری پر بڑھیا رکی، یوسف نے کہا،

"بس بس اب آگے نہ بڑھو، ہم یہیں رہیں گے، اپنے پرانے دشمن میں!"

بڑھیا نے دروازہ کھولا، دونوں اندر داخل ہوئے، بڑھیا نے پوچھا،

"نوکری کرتے کرتے تم یہاں کیوں آگئے بیٹا؟"

"نوکری چھوڑ دی!"

"کیوں"؟

"ہماری مرضی"

"اب کیا کروگے؟"

"کچھ دن آرام پھر کام"

"سنا ہے آج کل فوج میں بڑی اچھی اچھی تنخواہیں مل رہی ہیں!"

"سنا تو میں نے بھی ہے!"

"تو وہیں چلے جاؤ!"

"تمہارے کوئی بیٹا ہے؟"

"ہاں ہے"!

"تو اسے کیوں نہیں بھیج دیتیں!"

"فوج ——— خدا سے سلامت رکھے، وہ کیوں جانے لگا لام پر!"

"تو مجھے کیوں بھیج رہی ہو بڑی بی!"

"میں نے تو ایک بات کہی تھی ——— تم تو خواہ مخواہ پیچھے جھاڑ کے میرے پیچھے پڑ گئے بیٹا!"

"میں نے بھی تو ایک بات کہی ہے بڑی بی، تم تو خواہ مخواہ چمک گئیں ——— سوچو تو، جب ایک بوڑھی عورت اپنے لڑکے کو لام پر نہیں جانے دیتی، تو ایک جوان عورت اپنے چہیتے شوہر کو کیسے جانے دے گی!"

"یہ لو کیا تم نے شادی بھی کر لی!"

"کر نہیں لی تو کر لیں گے!"

"ہاں بیٹا پھر ٹھیک ہے، تم کہیں نہ جاؤ، یہیں کہیں کوئی کام ڈھونڈ لو"

"ایک بات اور بھی ہے جو میں لڑائی پر نہیں جا رہا ہوں!"

"کیا بات؟"

"لڑائی پر وہی جاتے ہیں جو دل والے ہوں!"

"ہاں ٹھیک ہے!"

"اور میرے پاس دل ہے ہی نہیں!"

"یہ کیا کہہ رہے ہو بیٹا"؟

"سچ کہہ رہا ہوں، بڑی بی وہ میرے پاس نہیں ہے، وہیں ہے
وہیں ——— !"

یہ کہہ کر وہ پھر ہنسا، اور بڑھیا بھی مسکرانے لگی، شاید اسے بھی اپنی رنگین جوانی کی کوئی رنگین داستان یاد آگئی،

یوسف نے قیام تو سرائے میں اختیار کر لیا تھا، لیکن ابتک وہ بیکار تھا، وہ بار بار سوچتا تھا کیا کرے؟ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا موتی پور سے باہر اگر وہ چلا جاتا، تو ہزاروں صورتیں نکل سکتی تھیں لیکن ریحانہ کو یہاں چھوڑ کر، اور صرف اس کی یاد اپنے ساتھ لے کر، وہ رخت سفر باندھنے کو تیار نہیں تھا، موتی پور میں بھی اسے دو سو کے ہاں ملازمت مل سکتی تھی، لیکن انور کی ملازمت جب اس سے چھن گئی، تو کسی دوسرے کی ملازمت کا کیا بھروسہ؟ اب ملازمت سے اس کی طبیعت بیزار ہو گئی تھی، وہ ملازمت کے نام سے گھبراتا تھا، وہ اب خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہتا تھا، خود اپنا کاروبار شروع کرنا چاہتا تھا لیکن سرمایہ کم تھا، اور ضرورت زیادہ کی تھی، اس ملازمت کے زمانے میں اس نے مشکل سے ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ جمع کیا تھا، اس چھوٹی سی پونجی سے کوئی ایسا کام شروع نہیں کیا جا سکتا تھا، جو فکر معاش سے مستغنی کر دے، وہ روز باہر جاتا تھا اور روز کوئی فیصلہ کئے بغیر واپس آجاتا تھا،

ایک روز اس نے بازار میں اپنی ساری پونجی لگا دی،

۱۵۰ روپے ماہوار پر ایک اچھی دکان اسے مل گئی، جو عین لب سڑک واقع ہوئی تھی، محل وقوع بہت حوصلہ افزا تھا، اسی چیز نے اسے یہ جوا کھیلنے پر مجبور کر دیا، عام ضروریات کی جتنی چیزیں بھی وہ اپنے محدود سرمایہ سے خرید سکتا تھا، اسنے خرید لیں، اور "جنرل اسٹور" کے نام سے ایک چھوٹی سی دکان کا مالک بن بیٹھا، ملازمت کے زمانے میں اسے ہر طرح کی آزادی تھی، وہ ایک کا ملازم تھا، سو کا حاکم تھا، لیکن اس دکان پر اسے صبح سے شام تک بیٹھنا پڑتا تھا، ہر گاہک کا وہ اپنے تئیں ملازم سمجھتا تھا، پھر بھی پہلے کے مقابلہ میں وہ زیادہ خوش تھا، زیادہ مطمئن تھا، زیادہ مسرور تھا، کھٹک جو کچھ تھی، وہ ریحانہ کی تھی، ابتک اس سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں نکلی تھی بعض دفعہ تو وہ یہ سوچتا جب ریحانہ ہی کا دیدار نہیں ہو رہا ہے تو یہاں رہنے سے فائدہ کیا؟ کیوں نہ یہ سارا کاٹھ کباڑ اونے پونے بیچ باچ کے چلتا بنوں، اور ادھر ادھر گھوم پھر کے زندگی گزار دوں لیکن امید پھر ہمت دلاتی تھی، شاید کسی دن ملاقات ہو جائے اس جان تمنا سے کم سے کم اس کا عندیہ تو معلوم ہو جائے، وہ کیا چاہتی ہے اس کا کیا خیال ہے، اگر وہ بھی مجھ سے بیزار ہے تو مجھے یہ پلیس چھوڑ دینے میں ذرا بھی تامل نہیں، لیکن اگر اس کے دل میں میری جگہ ہوئی، تو میں یہیں رہوں گا، اور مشکلات و مواقع کا مقابلہ کروں گا،

ایک روز وہ اپنی دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے ایک فٹن

گزری، جس پر انور، فریدہ، اور ریحانہ بیٹھے ہوئے تھے، سب کی آنکھیں چار ہوئیں، انور نے دیکھا، اور نفرت سے منہ پھیر لیا، فریدہ نے دیکھا اور ہمدردی کی نظر سے دیکھا، ریحانہ نے دیکھا اور نہ جانے کیا سوچ کر گردن جھکالی، یوسف نے ان سب کی نگاہوں کے ان مختلف کرداروں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، جس راز کو وہ حل کرنا چاہتا تھا، وہ ابتک معمہ ہی تھا، نہ انور کی نفرت سے اسے سروکار تھا، نہ فریدہ کی ہمدردی سے، لے تو ریحانہ سے مطلب تھا، اور اس کی نیچی نگاہوں، اور جھکی ہوئی گردن سے وہ سمجھنا تو بہت کچھ چاہتا تھا، لیکن دل کسی ایک بات پر جمتا نہیں تھا، ٹھہرتا نہیں تھا، وہ یہی سوچ رہا تھا، اس نگاہ شرگیں کا مقصد کیا تھا، ؟ بیزاری یا مجبوری ؟ دل کہتا تھا مجبوری، عقل کہتی تھی بیزاری، دونوں میں بڑے زور کی لڑائی ہونے لگی، اور وہ الگ بیٹھا، ان دونوں کی لڑائی دیکھتا رہا، جس طرح اکھاڑے میں دو پہلوان لڑتے ہیں، جوڑ برابر کی چھٹتی ہے، نہ کوئی جیتتا ہے نہ ہارتا ہے، یہی انجام عقل وقلب کی جنگ کا ہوا، نہ کوئی ہارا، نہ کوئی جیتا دونوں برابر رہے،

اب یوسف کا دکان پر جی نہیں لگا، آج خلاف معمول سے جلدی سے دکان بڑھائی، سرا چلا گیا، اور چپ چاپ اپنی چارپائی پر لیٹ کر کچھ سوچنے لگا، نہ جانے کب تک سوچتا رہا، اور کب سو یا ؟

چند روز کے بعد یوسف اور ریحانہ کی بیچ بازار میں مڈبھیڑ ہوگئی وہ شاپنگ کرنے بازار آئی تھی، اور یہ اپنی دکان بڑھا کر آج بھی ملول اور افسردہ اور نسبتہً وقت سے پہلے اپنی سرا واپس جا رہا تھا، ریحانہ یوسف کو دیکھ کر جھجکی، پھر اس نے نظر سے نظر ملائی، پھر نظر جھکائی، اور آگے بڑھنے لگی، یوسف اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا، اسنے بڑے غمگین اور افسردہ لہجہ میں کہا،

"تم بھی روٹھ گئیں مجھ سے !"

ریحانہ نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر کہا،

"میں ؟——— میں تو نہیں روٹھی،

یوسف نے کہا،

"میں اب تم سے مل بھی نہیں سکتا، تمہیں دیکھ بھی نہیں سکتا، تم سے باتیں بھی نہیں کر سکتا !"

ریحانہ مسکرائی، اور ایک جاں نواز انداز کیساتھ اسنے کہا،

"اور یہ اس وقت کیا ہو رہا ہے ؟——— مل نہیں رہے ہو دیکھ نہیں رہے ہو مجھے ؟ باتیں نہیں کر رہے ہیں ہم تم ؟"

یوسف کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس نے ایک تاثر کے ساتھ کہا

"اگر میں امیر ہوتا———" ؟

ریحانہ بیچ میں بول اٹھی،

"تو کیا ہوتا ؟"

یوسف نے ایک جذبہ کے عالم میں جواب دیا،
"پھر تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا تھا"!
ریحانہ نے افسردہ آواز میں جواب دیا،
"جو دوسروں کے بس میں ہوتے ہیں وہ ہمیشہ چھینے جا سکتے ہیں"
ریحانہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ آگے بڑھ گئی!

فریدہ نے انور کو پا کر دنیا و مافیہا کو فراموش کر دیا تھا، وہ بہت خوش تھی، اسے ایسی نعمت مل گئی تھی، جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، اس کی اجڑی ہوئی زندگی پھر سے آباد ہو گئی تھی، اس کی مری ہوئی تمنائیں پھر سے زندہ ہو گئی تھیں، اس نے اپنی زندگی سنوار لی تھی، اسے اپنی پیاری بچی ریحانہ کا مستقبل شاندار نظر آنے لگا تھا، وہ دلمیں تہیہ کر چکی تھی، اور انور کی زبان سے بارہا یہ فیصلہ سن چکی تھی کہ ریحانہ کی شادی یوسف سے ہو گی، یوسف اس کی نظر میں ریحانہ کا موزوں ترین شوہر تھا، وہ اب یوسف کو ایک غیر کی حیثیت سے نہیں اپنے محبوب داماد کی حیثیت سے دیکھتی تھی، اب اس کی زندگی یکسر باغ و بہار تھی، وہ بہار جو خزاں سے نا آشنا تھی، وہ باغ جہاں کانٹوں کا نام و نشان نہیں تھا،

لیکن انور نے جس طرح دفعتہً یوسف کو ملازمت سے برطرف، اور مکان سے خارج کر دیا، جس طرح آن کی آن میں وہ اس کا دشمن

اور اس کے خون کا پیاسا بن گیا، اس نے اس کے دل کو بہت بڑا صدمہ پہونچایا، وہ اب تک یہ سمجھ رہی تھی، کہ زمانے انور کو بدل دیا ہے، اس کے عادات و اطوار میں خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی ہے، لیکن اب اسے معلوم ہوا کہ انور وہی ہے، اس کے عادات و اطوار میں، اس کی آشفتہ سری اور آتش مزاجی میں، اس کی تلون کیشی، اور سیماب وشی میں کوئی فرق نہیں ہوا، کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ، اس میں صرف ایک تبدیلی ہوئی ہے، یعنی اب وہ شراب نہیں پیتا، اس کے علاوہ ویسے کا ویسا ہی ہے

آج فریدہ نے محسوس کیا، انور اب بھی اس کا دل دکھا سکتا ہے، اب بھی اس کے ارمانوں کا خون کر سکتا ہے، اب بھی اس کی آرزؤں اور تمناؤں کو بے دردی سے پامال کر سکتا ہے، اس کے فیصلوں اور تجویزوں کو ایک مطلق العنان آمر کی طرح رد کر سکتا ہے، وہ ہمیشہ سے غم سہنے کی، انور کی تلخ اور ناگوار باتیں برداشت کرنے کی عادی تھی، یہ وار بھی اس نے حسب عادت خاموشی کیساتھ برداشت کر لیا لیکن دل کو کچھ ایسا صدمہ پہونچا، کہ اس کی صحت گرنے لگی، اور گرتی ہی رہی،

ریحانہ کو فریدہ، دیوانہ وار چاہتی تھی، اکلوتی اولاد کو سب ہی چاہتے ہیں، اور غیر معمولی طور پر چاہتے ہیں، لیکن فریدہ ریحانہ کی محبت نہیں عشق کرتی تھی، وہ ریحانہ کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھی، اس کا رواں رواں ملا ہوا، اور اس کے دل پر بجلی گری، اس کا پنڈا پھینکا ہوا، اور اس کی جان پر بنی، اسے ذرا سی حرارت بھی آگئی، اور یہ موت و

زیست کی کش مکش میں گرفتار ہوئی،

وہی فریدہ دیکھ رہی تھی کہ ریحانہ کو چپ لگی ہوئی ہے، جو ریحانہ پھول کی طرح شگفتہ رہتی تھی، وہ اب خزاں رسیدہ پتی کی طرح سوکھ رہی تھی، مرجھا رہی تھی، جس کے قہقہوں اور چہچہوں سے سارا گھر گونجا کرتا تھا، وہ اب افسردگی اور خاموشی کی تصویر بنی ہوئی تھی، جس کی نغمہ سرائی، اور طرب انگیزی کو دیکھ دیکھ کر وہ مسحور و مخمور رہتی تھی، وہی اب یکسر حسرت و غم بنی ہوئی تھی، فریدہ یہ سب دیکھ رہی تھی، اس کی وجہ بھی سمجھ رہی تھی، لیکن خاموش تھی، خاموش ہی رہنا چاہتی تھی وہ بھڑوں کے چھتہ میں ہاتھ نہیں لگانا چاہتی تھی، وہ انور کو چھیڑنا نہیں چاہتی تھی، وہ جانتی تھی، اس کی شفاعت انور قبول نہیں کریگا یوسف کا جرم معاف نہیں ہو سکتا، اب وہ اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا، پھر وہ ناکام عرض مدعا کر کے اپنی توہین کیوں کراتی! اپنے لخت جگر کو، وہ ملول و غمگین دیکھ رہی تھی، لیکن کچھ نہ کر سکتی تھی وہ جفائے باغباں دیکھ رہی تھی، لیکن اپنا نشیمن نہیں بچا سکتی تھی،

آشیاں جلتا رہا ہم ناتواں دیکھا کئے

اس غم نے اسے رفتہ رفتہ مریض بنا دیا، اور وہ بستر علالت پر دراز ہو گئی، انور نے علاج میں کوئی کوتاہی نہیں کی، بڑی محبت اور سرگرمی سے وہ اس کی تیمارداری میں وقف ہو گیا، فریدہ کو بیمار دیکھ دیکھ کر اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا، ۱۴ برس کی جدائی کے

بعد جو دولت بے بہا اسے ملی تھی، وہ پھر اس سے چھینی جا رہی تھی، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، یہ دیکھ دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آتی تھیں اس کا دل تڑپنے لگتا تھا، اس کی طبیعت بیقرار ہو جاتی تھی، لیکن اس نے یہ کبھی نہ سوچا، فریدہ بیمار کیوں پڑی؟ اگر خود فریدہ بھی اپنی بیماری کا سبب بتا دیتی، تو شاید وہ اس پر یقین نہ کرتا، وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ فریدہ اس کے "دشمن" کی ہمدرد ہو سکتی ہے، ریحانہ اس کے "دشمن" سے محبت کر سکتی ہے، اور اس کے واضح اعلان کے بعد ان دونوں میں سے کوئی بھی، اس کے "دشمن" کا ذکر خیر کر سکتا ہے، یہ بات اس کے وہم و گمان سے بالا تھی، وہ فریدہ سے محبت کرتا تھا، اور اسے اپنا حق سمجھتا تھا کہ جسے وہ دشمن بنا لے، وہ فریدہ کی نظر میں بھی دشمن بن جائے، جسے وہ دوست سمجھ لے، فریدہ بھی اس کی دوستی کا دم بھرنے لگے، اس حق کو اس نے ریحانہ تک وسعت دے لی تھی، یہی وہ اس کے بارے میں بھی سمجھ رہا تھا، چنانچہ فریدہ کی اس بیماری کو وہ قضا و قدر کا کرشمہ سمجھ رہا تھا، اور ریحانہ کی افسردگی اور اضمحلال کو وہ ماں کی علالت کا قدرتی اور فطری نتیجہ سمجھ رہا تھا،

رات کے دو بج چکے ہیں، ریحانہ اپنے کمرہ میں غفلت کی نیند سو رہی ہے گھر کے ملازم بھی مست خواب خرگوش ہیں، فریدہ کے کمرے میں روشنی ہو رہی ہے، وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں اپنی چارپائی پر دراز ہے، انور اس کے سرہانے بیٹھا ہوا ہے، اور بار بار اس کی

نبض دیکھ رہا ہے، کبھی ماتھے پر ہاتھ رکھ کے بخار کا اندازہ لگاتا ہے دواؤں کی شیشیاں سامنے ایک چھوٹی میز پر رکھی ہوئی ہیں،

انور نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا، سگریٹ کیس کے ساتھ ایک لفافہ بھی چلا آیا، اور زمین پر گر پڑا، اس نے اطمینان سے سگریٹ سلگایا، سگریٹ کیس جیب میں رکھا، لفافہ پر نظر پڑی، اسے اٹھا کر پھر جیب میں رکھ رہا تھا، کہ نہ جانے کیا خیال آیا، اسے کھولا اور بڑے انہماک سے پڑھنے لگا، شاید یہ کسی کا خط تھا،

خط میں لکھا تھا:-

"انور!

مبارک ہو یہ نئی زندگی تم کو، اپنی زندگی کی تباہی پر میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے سکتی،

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبہ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

تم نے تو مجھ سے سب کچھ سچ سچ کہہ دیا تھا، تم نے مجھے جتا دیا تھا، اگر تمہاری بیوی واپس مل گئی تو تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے، لہٰذا تمہاری کیا خطا؟ دوش میرا ہے، کہ میں کیوں آس لگا بیٹھی؟ کیوں میں نے یہ سوچ لیا کہ میری اجڑی ہوئی زندگی سنور جائے گی، یہ تمہاری غلطی

نہیں ہے، میری بدقسمتی ہے۔

پچھلا زمانہ میں نہیں بھول سکتی، لیکن تم سے کہتی ہوں تم بھول جاؤ، میرے وہ خط مجھے واپس کردو، جو میں نے بیتاب ہو ہو کے چچاجان کے دوزخ سے جل جل کے تمہاری بنائی ہوئی جنت میں پہونچنے کے لئے لکھے تھے، اور نہ جانے کیا کیا لکھ گئی تھی، اپنے پاگل پن میں، کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو دنیا میں جنت کے مزے لوٹتے ہیں، کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو دنیا میں جہنم کی سزا بھگتتے ہیں، میں انہی لوگوں میں ہوں، جن کی قسمت دوزخی ہے، اور تم ان لوگوں میں ہو جو جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہیں، خدا تمہیں خوش رکھے، لیکن میرے لئے یہ دعا کہیں تم نہ کر بیٹھنا، یہ دعا نہیں ہوگی بد دعا ہوگی، میری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ میں جل جلکر مروں، ورنہ میرے ابا کیوں مرجاتے، اور میں اپنے ظالم چچا کے پلے کیوں پڑتی؟

تم نے پانچ ہزار کا چیک بھیجکر، میرے دل کے زخم پر پھایا رکھنے کی کوشش کی ہے، بہت بہت

شکریہ، لیکن اس پھایہ سے زخم اور وہ بھی دل کا زخم نہیں بچ سکتا، چیک واپس کرتی ہوں، اپنے خط لینے کے لئے میں کل موتی پور آرہی ہوں، گرانڈ ہوٹل میں ٹھہروں گی، اور کل ہی واپس آجاؤں گی، کیا تم میرے خط لیکر وہاں آؤگے، یقین کرو میں تمہاری شکوہ سنج نہیں، شکر گزار ہوں، ہمیشہ کیلئے نہ سہی، کچھ ہی عرصہ کے لئے تم نے میرے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑا تو یہ احسان کیا کم ہے تمہارا ————؟"

انور خط پڑھ رہا تھا، کہ فریدہ کی کراہ سنکر، جلدی سے اس نے خط اپنی جیب میں رکھ لیا، اور بڑی محبت کیساتھ پوچھا،

"کیا ہے فریدہ؟"

فریدہ نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے، کمزور اور نحیف آواز میں کہا،

"پانی"؟

انور نے جلدی سے پانی پلایا، گلاس فریدہ نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں لینے کی کوشش کی، لیکن انور نے کہا،

"میرے ہاتھ سے پی لو!"

یہ کہہ کر گلاس اس نے فریدہ کے منہ سے لگا دیا، پانی پی کر

فریدہ پھر لیٹ گئی، اسنے کہا،

"تم تو میری بیماری میں ستی ہوئے جاتے ہو کہیں خدانہ کرے خود نہ بیمار پڑ جاؤ، جو لینے کے دینے پڑ جائیں، اتنی رات آگئی، اور تم بیٹھے ہوئے ہو جاؤ سو رہو!"

انور نے بڑے پیار سے فریدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا،

"تمہاری تیمار داری کرتے کرتے، مجھے مرجانا بھی خوشی سے منظور ہے فریدہ، اگر تم نہ رہیں تو میں زندہ رہکر کیا کروں گا!"

فریدہ بولی،

"یہ نہ کہو، خدا تمہیں سلامت رکھے، میری اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے، کہ تمہارے قدموں پر میرا دم نکلے!"

"انور نے بیتاب ہو کر کہا،

"فریدہ مرنے کا نام نہ لو، ورنہ میں دیوانہ ہو جاؤں گا!"

فریدہ خاموش ہو گئی، اور محبت بھری نظروں سے انور کو دیکھنے لگی، وہ سوچ رہی تھی یہ شخص، کتنے متضاد عادات کا مالک ہے، یہ میرے لئے مرنے کو تیار ہے لیکن مجھے مرنے سے بچا نہیں سکتا، یہ مجھ پر اپنی جان قربان کر سکتا ہے، لیکن اپنے غصہ، اور آن پر، میری زندگی کے قربان کرنے میں بھی تامل نہیں کر سکتا، ایسے آدمی پر رحم کیا جا سکتا ہے، ایسے آدمی سے محبت کی جا سکتی ہے، ایسے آدمی کی نفرت نہیں کیجا سکتی، کم از کم میں نہیں کر سکتی،

فریدہ نے انور کا ہاتھ اپنے کمزور ہاتھوں سے دبایا اور کہا،

"انور!"

"فریدہ ——— کہو کیا کہتی ہو؟"

"اب تم سو رہو!"

"تم سو جاؤ، پھر میں بھی سو جاؤں گا"!

فریدہ ٹکٹکی باندھ کر، انور کو دیکھنے لگی، اس کی آنکھوں سے لازوال محبت کا چشمہ ابلا پڑ رہا تھا،

دوسرے روز ناشتہ سے فارغ ہو کر، انور فریدہ کے کمرہ میں گیا، مزاج پرسی کے بعد اس نے ریحانہ سے کہا،

"بیٹیا تم اپنی ماں کا خیال رکھنا، میں ذرا ایک کام سے باہر جا رہا ہوں، گھنٹہ دو گھنٹہ میں آؤں گا"

پھر کاغذات کا ایک پلندہ لیکر، وہ چلا گیا،

گھر سے نکل کر انور سیدھا گرانڈ ہوٹل پہونچا، منیجر سے اس نے دریافت کیا،

"آج صبح کی گاڑی سے کوئی خاتون یہاں آکر ٹھہری ہیں؟"

منیجر نے کہا،

"جی نہیں کوئی صاحبہ تشریف نہیں لائیں!"

انور نے احتیاطاً مسافروں کی فہرست بھی دیکھ لی، مگر کسی خاتون مسافر کا نام اس میں درج نہیں تھا، آخر وہ مایوسی کے عالم میں ایک

ایک دوسرے ہوٹل میں پہونچا وہاں بھی دریافت کیا، مگر وہاں بھی کوئی
سراغ نہ لگا،

انور کے چہرہ پر فکر و تشویش کے آثار نمایاں تھے، دونوں
جگہوں سے مایوس ہو کر وہ گھر پہنچا، دروازہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ
نوحہ و شیون کی آواز کانوں میں آئی، وہ گھبرایا ہوا، فریدہ کے کمرہ
میں پہونچا، وہاں جا کر اس نے دیکھا، ریحانہ پھوٹ پھوٹ کر، بلک
بلک کر رو رہی ہے، ڈاکٹر خاموشی کے ساتھ سر جھکائے کھڑا ہے،
ملازم گھبرائے ہوئے ادھر اُدھر دوڑ رہے ہیں، فریدہ دم توڑ چکی
ہے، اور ایک سفید چادر منہ پہ ڈھکے ہوئے ہمیشگی کی نیند سو رہی ہے۔

یہ منظر دیکھ وہ ۔۔۔ سہم گیا، سارا گھر اسے گھومتا ہوا نظر آیا
وہ تیورا کر گرا، اور بے ہوش ہو گیا، ریحانہ ماں کے پاس سے اٹھ کر
باپ کے پاس آئی، اور اس کا بازو پکڑ کر ہلانے لگی، ملازموں میں
پھر تہلکہ مچ گیا، اور ڈاکٹر کے لئے ایک نیا نفع بخش مشغلہ ہاتھ آگیا اس
نے بڑی احتیاط سے انور کو چارپائی پر ملازموں کی مدد سے لٹایا،
اور خود بڑے انہماک اور توجہ سے انور کا معائنہ کرنے لگا،

ریحانہ نے روتے ہوئے پوچھا،

"انہیں کیا ہو گیا ڈاکٹر صاحب؟"

"کچھ نہیں اتنا بڑا صدمہ سہ نہ سکے بیہوش ہو گئے"

"ہوش میں آجائیں گے؟"

"کیوں نہیں! کوئی تشویش کی بات نہیں ہے، تھوڑی دیر
میں اچھے ہو جائیں گے، آپ مطمئن رہیئے!"

فریدہ کے انتقال نے انور میں گداز قلب پیدا کر دیا ہے، ریحانہ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ وہ مردانہ عزم و استقامت کے ساتھ اپنے آنسو ضبط کرتا ہے، اپنا غم پی جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا،

رات کا وقت ہے ابھی ابھی وہ باہر سے آیا ہے، پہلے وہ باہر سے آکر سیدھا فریدہ کے کمرہ میں جاتا تھا، اب اس کا معمول یہ ہوگیا کہ باہر سے آتے ہی وہ سیدھا ریحانہ کے کمرہ میں چلا جاتا ہے، اس سے دلجوئی کی باتیں کرتا ہے، اس کا غم دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، پھر کوئی اور کام کرتا ہے، آج بھی وہ سیدھا ریحانہ کے کمرہ میں پہنچا وہ ملول و افسردہ بیٹھی ہوئی، کوئی کتاب پڑھ رہی ہے، انور نے بڑے پیار سے کہا،

"ریحانہ!"

"جی ماموں جان"!

"تم جانتی ہو میں کون ہوں"؟

"ماموں جان ہیں آپ میرے!"

"بیٹی یہ رشتہ مجھے پسند نہیں، تیرے یہ کڑوے بول سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں، میں تیرا ماموں واموں نہیں ہوں

ریحانہ نے حیرت کے ساتھ کہا،

"پھر! پھر آپ کیا ہیں؟"

"تیرا باپ، تو میری سوتیلی لڑکی نہیں ہے، سگی لڑکی ہے، میرے دل کا سکھ، میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے ——— میں شرابی تھا شراب کے نشہ میں فریدہ کو طلاق دے بیٹھا، وہ رخصت ہوگئی، اس کے ساتھ میری ننھی، دلاری، لاڈلی، پیاری بچی ریحانہ بھی چلی گئی فریدہ کی شادی مسعود سے ہوگئی، پھر وہ بیوہ ہو کر میرے پاس آئی میں اس کے فراق میں تڑپ رہا تھا، اسے دیکھ کر میں نے نئی زندگی پالی، میں نے اس سے عقد ثانی کر لیا، ——— ہم دونوں نے اس راز کو تجھ سے چھپائے رکھا تھا بیٹی، لیکن اب میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے اب میں اس راز کو نہیں چھپا سکتا، تو میری بیٹی ہے میری اکلوتی بیٹی، میری تنہا وارث، میرے جان و مال کی مالک!"

ریحانہ انور کی یہ باتیں سن رہی تھی، اور حیرت سے اس کا منہ تک رہی تھی، انور نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"میں جھوٹ نہیں بولتا بیٹی، میں اب اتنا برا بھی نہیں ہوں جتنا

پہلے تھا، شراب کی لت چھوڑ چکا ہوں، جب سے آج تک میں نے شراب نہیں پی، کیا تو اپنے گنہ گار اور پاپی باپ کو معاف نہیں کرے گی بول! بتا بیٹی!"

ریحانہ یہ باتیں سنکر رونے لگی، انور نے اسکا سر اپنے سینہ سے لگا لیا، اور بڑی شفقت سے کہا،

"بیٹی مجھے اجازت دے کہ میں اب ساری دنیا کو بتادوں، کہ تو میری بیٹی ہے، میری وارث ہے، کل ہی میں اپنے وکیل کو بلاکر تیرے نام اپنی ساری جائداد کی رجسٹری کرائے دیتا ہوں، کل ہی میں اخبار میں اشتہار شایع کرادوں گا، کہ ریحانہ میری اکلوتی بیٹی ہے وہی میری وارث ہے!"

ریحانہ نے محبت بھری نظروں سے انور کو دیکھتے ہوئے کہا،

"ابا جان یہ سب آپنے مجھ سے چھپائے کیوں رکھا تھا ابتک؟"

انور نے جواب دیا،

"اگر فریدہ زندہ رہتی تو یہ راز ہمیشہ راز رہتا، وہ اب مرچکی ہے، میں تنہا رہ گیا ہوں، اس دنیا میں اب میرا کوئی نہیں ہے، اب بھی اگر میں تیری نظروں میں صرف دور کا رشتہ دار رہتا تو میرا دل پھٹ جاتا، ماموں کا لفظ تیرے منہ سے سنکر میرے دل پر گھونسہ لگتا ہے، ابا جان تو نے کہا، تو مجھے وہ سکھ، وہ آنند ملا جسے میں بیان نہیں کرسکتا، جن کا لطف میرا دل جانتا ہے!"

ریحانہ نے جب بیساختگی کے ساتھ کہا، بڑے پیارے لہجہ میں کہا،

"ابا، میرے پیارے ابا جان!"

انور نے اسے گلے سے لگا لیا، اور کہا،

"بیٹی میری بچی!"

ریحانہ رونے لگی، اور انور کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے، وہ آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیرنے لگا، ریحانہ نے کہا،

"مجھے بھی آج وہ خوشی ہوئی ہے کہ میں کہہ نہیں سکتی ——— امی کے انتقال نے، اس دنیا کے سمندر میں مجھے بے یار و مددگار غوطے کھانے اور ڈوبنے کیلئے چھوڑ دیا تھا، لیکن آج میرے اللہ نے مجھے وہ ملاح دیدیا، جو میری زندگی کو، موجوں کے تھپیڑوں، اور ہواؤں کے طوفان سے صحیح سلامت بچا کر لے جائیگا،!"

انور نے جوش محبت سے بیتاب ہوکر کہا

"ہاں میری بیٹی جب تک میں زندہ ہوں ——— اور تیرے لئے اب میں ایک عرصہ تک زندہ رہنا چاہتا ہوں ——— تجھے کوئی دکھ، کوئی صدمہ نہیں پہنچنے دونگا!"

پھر انور نے کہا،

"بیٹی اب سو رہو، رات زیادہ آگئی ہے میں اپنے کمرہ میں جاتا ہوں، تاکہ کاغذات ٹھیک ٹھاک کرلوں، اور کل ہی وکیل کے حوالے کردوں!"

انور اپنے کمرہ میں آیا، اور کاغذات بڑے انہماک کے ساتھ درست کرنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد، ملازم آیا،

اسنے پوچھا،

"حضور کوئی کام تو نہیں ہے؟"

"نہیں تم جا سکتے ہو،

ملازم جا رہا تھا، کہ انور نے اسے آواز دی،

"سنو تو!"

وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا، انور نے دریافت کیا،

"آج کوئی خط وط تو نہیں آیا؟"

"جی آیا ہے، میں بھول گیا تھا، یہ رہا!"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک لفافہ نکالکر انور کو دیا، لیکن اس لفافہ کے ساتھ ایک اور لفافہ بھی جیب سے لپٹ کر چلا آیا تھا، انور نے پہلے لفافہ کا پتہ دیکھا، اور الگ رکھدیا، پھر اس نے دوسرے لفافہ پر نظر ڈالی، اور غصہ کے ساتھ کہا،

"یہ خط ڈاک سے آیا ہے؟"

ملازم وہ خط دیکھ کر سہم گیا، اس کا رنگ رخ سفید پڑ گیا، اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا،

"جی نہیں"!

"پھر؟"

"مرنے سے تھوڑی دیر پہلے بیگم صاحبہ نے یہ خط مجھے دیا تھا"!

"پھر تو ابتک اسے کیوں چھپائے رہا، میری مرحوم بیوی کا خط تو نے ابتک مجھے کیوں نہیں دیا، نمک حرام؟"

یہ کہہ کر انور اسے مارنے کیلئے اٹھا ملازم نے کہا،

"منع کیا تھا!"

"منع کیا تھا؟ کس نے؟"

"بیگم صاحبہ نے"!

"فریدہ نے؟"

"جی سرکار!"

"فریدہ نے یہ خط میرے نام لکھا، تجھے دیا، کہ جب میں آؤں، تو تو مجھے دیدے، اور پھر منع کر دیا کہ خط نہ دینا؟ ——— جھوٹا کہیں کا!"

"انہوں نے کہا تھا ———

"بکتا کیوں نہیں کیا کہا تھا!"

"انہوں نے کہا تھا، جب ریحانہ بٹیا کی شادی ہو جائے تب دینا یہ خط سرکار کو!"

"کیا کہا بے"؟

"کہا تھا، جب ریحانہ بٹیا کی شادی ہو جائے تب یہ خط دینا سرکار کو!"

انور نے خط پر ایک نظر ڈالی، اور اسے بھی دوسرے لفافہ کے ساتھ میز پر رکھ لیا، پھر ملازم سے کہا،

"تم جا سکتے ہو"!

وہ جا رہا تھا کہ پھر انور نے اسے بلایا، اور گرج کر کہا،

"جھوٹا کہیں کا!"

ملازم سر جھکائے کھڑا رہا، انور نے پھر غصہ کے ساتھ کہا،

"نمک حرام"!

ملازم اب بھی خاموش تھا، انور نے کھڑے ہو کر _____ جو حملہ آور ہونے کی واضح علامت تھی _____ کہا،

"بھلا اس میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے کہ جب ریحانہ کی شادی ہو جائے، تب یہ خط مجھے دیا جائے؟"

ملازم نے گردن اٹھا کر بے بسی کے ساتھ انور کو دیکھا، اور گردن جھکا لی، انور نے ہمک کر کہا،

"بول"

ملازم نے بڑے انکسار اور عاجزی کے ساتھ عرض کیا،

"حضور _____"

"ابے حضور کے بچے کہتا کیوں نہیں"

"میں کیا جانو بھلا، جو انہوں نے حکم دیا میں نے سن لیا، میری ہمت بھی نہ پڑی کہ ان سے کچھ پوچھتا"

"نالائق، گدھا، بیوقوف"

انور صرف دو انچ کے فاصلہ ملازم کے چہرہ کے بالکل سامنے کھڑا تھا، اس کا غصہ دم بدم بڑھتا چلا جا رہا تھا، ملازم کو یقین ہو گیا، اب شامت آ گئی، اور سر پہ دستکاری ہو کر رہے گی۔ آخر ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی، اس نے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا،

"قصور ہو گیا، اب نہیں ہو گی ایسی غلطی!"

"چپ بے، بدفالی کی بات کرتا ہے"!

"کیا ہوا سرکار؟"

"ابے اس کا مطلب کیا ہوا، اب ایسی غلطی نہیں ہو گی، کیا تیرا مطلب یہ ہے، پھر کوئی مرے، اور مرتے وقت تجھے خط دے، تو تو اسے میرے حوالے کر دے، ابے نمک حرام تو فریدہ کو تو کھا گیا، اب میری ریحانہ کی جان لینا چاہتا ہے، منحوس نکل میرے کمرے سے!"

یہ کہہ کر انور نے زور سے ملازم کو ایک دھکا دیا اور وہ فٹ بال کی طرح لڑھکتا ہوا، کمرہ سے باہر نکل گیا،

ملازم کے جانے کے بعد، انور پھر آ کر اپنی کرسی پہ بیٹھ گیا، اس نے پہلے لفافہ کو تو الگ چھوڑا، اور فریدہ کا خط الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، اس نے لفافہ کو اپنی آنکھوں سے لگایا، چوما، اور پھر اس مرحومہ کا آخری خط پڑھنے لگا:۔

مرنے کے بعد، میں اپنا ایک راز تمہیں بتانا
چاہتی ہوں انور، اگر یہ راز تم پر ظاہر نہ ہوا
تو قبر میں بھی میں بے چین رہوں گی،

تمہاری ریحانہ مر چکی ہے، تم نے جب مجھے
طلاق دی تھی، اس کے تین ہی مہینہ بعد وہ
جان ہار اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی، یہ ریحانہ
مسعود کی ہے،

یہ بات میں نے تم سے چھپائے رکھی، اس میں
ہم تینوں کا بھلا تھا، میں جانتی ہوں میں نے تم
سے یہ بات چھپا کر غلطی کی، لیکن کیا تم میری پہلی
اور آخری غلطی معاف نہیں کر دو گے، میں نے تو
تمہاری بڑی سے بڑی غلطیاں ہمیشہ معاف کی
ہیں، کیا تم میری ایک غلطی بھی معاف نہیں کرو گے
میں یہ راز تم سے نہ چھپاتی، اور کہہ دیتی
سب کچھ سچ سچ، لیکن تمہیں یاد ہو گا، ایک تاریک
رات کو پہلی بار اس کھنڈر میں جب میں تم سے
ملی تھی، تو باتوں باتوں میں نے پوچھا، اگر ریحانہ
میری بیٹی تو ہوتی، لیکن تمہاری اولاد نہ ہوتی
کیا جب بھی تم اسے چاہتے رہتے؟ تم خاموش

ہو گئے تھے، اور میں سمجھ گئی تھی، یہ ناممکن ہے،
ریحانہ تمہاری اولاد بے شک نہیں ہے، لیکن میری
بیٹی تو ہے، میں کس طرح گوارا کرتی کہ تم اس سے
نفرت کرنے لگو! پھر مجھے وہ سکھ نہ مل سکتا، جو مرنے
سے پہلے تک میں نے تمہاری محبت کے سایہ میں
اٹھا لیا ہے،

اب تم بے شک ریحانہ سے نفرت کر سکتے ہو، اس
کے ماں باپ مر چکے، ماں باپ کے بعد، شوہر ہی
سچا رفیق ثابت ہو سکتا ہے، اور مجھے امید ہے، تم
نے اسے کسی اچھے اور شریف آدمی کے پلے باندھا
ہو گا، اے کاش وہ یوسف ہو!

اچھا انور؟ رخصت۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رخصت
اب انشاء اللہ میدان حشر میں ملیں گے، میں نے
تمہاری ساری غلطیاں معاف کیں، تاکہ میدان
حشر میں، تمہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے، مجھے بھی
میدان حشر میں شرمندہ ہونے سے بچا لو، میری
غلطی بھی معاف کر دو"

تمہاری
فریدہ!

انور نے فریدہ کا خط کئی بار پڑھا، بار بار پڑھا، فریدہ کی التجائیں اس کی دکھ بھری معذرت، اس کی معافی، اس کی مجبوری کی داستان سب کو وہ نظر انداز کر گیا، اسے صرف یہ یاد رہا، اس کی نظر صرف اس پر پڑی کہ، ریحانہ اس کی لڑکی نہیں ہے، مسعود کی ہے اور یہ کہ فریدہ نے مرتے مرتے اس کے دل پر ایک کاری وار کیا،

اب رفتہ رفتہ اسپر دیوانگی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی، غصہ میں اسنے اپنے سر کے بال نوچ لئے، خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے کاغذات الٹ پلٹ دیئے، وہ ایک مجنونانہ حالت میں ٹہلنے لگا، سامنے میز پر گلدان رکھا تھا، اسے ایک ہاتھ مارا، وہ فرش پر گرا، اور چکنا چور ہو گیا، اسے اپنے اوپر غصہ آ رہا تھا، اب تک وہ اپنی سوتیلی لڑکی کو سگی لڑکی کیوں سمجھتا رہا،

وہ تیر کی طرح سیدھا، ریحانہ کے کمرہ میں پہونچا، وہ بے خبر سو رہی تھی، اس کے چہرۂ خوابیدہ پر زندہ اور شوخ مسکراہٹ کھیل رہی تھی، آج ایک عرصہ کے بعد، وہ اطمینان، مسرت، اور بے فکری کی نیند سو رہی تھی، اس کی ماں مر چکی تھی، لیکن اس کا باپ زندہ ہو گیا تھا، جس کی محبت میں ماں کی محبت بھی شامل ہو گئی تھی، گویا ماں کا وجود بھی، باپ کے وجود میں مدغم ہو گیا تھا،

انور کچھ دیر تک، ریحانہ کو ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا، کبھی وہ اس کے پلنگ کے قریب جاتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا، اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے

بستر سے اٹھائے گا، اور فرش زمین پر پھینک دیگا، کبھی وہ واپس جانے لگتا تھا، اور جاتے جاتے پھر واپس آ جاتا تھا، اگر کوئی اسے دیکھ لیتا، تو یہی سمجھتا اچھا خاصہ دیوانہ ہے،

کچھ دیر تک وہ اس دیوانگی کا ایکٹ ریحانہ کے کمرہ میں کرتا رہا، پھر وہ اپنے کمرہ میں واپس آ گیا، جو کاغذات اسنے مرتب کئے تھے، انہیں ریزہ ریزہ کر دیا،

پھر وہ اپنے کمرہ میں اسی نیم دیوانگی کے عالم میں ٹہلنے لگا، پھر اسنے ملازم کے بلانے کے لئے گھنٹی بجائی، اور اس وقت تک بجاتا رہا، جب تک وہ آنکھیں ملتا ہوا، سامنے آ کر کھڑا نہیں ہو گیا، ملازم کو اس نے حکم دیا،

"یہ کاغذات لے جاؤ، اور اسی وقت انہیں جلا ڈالو!"

ملازم نے کاغذات سمیٹے اور کمرہ سے باہر چلا گیا،

ریحانہ روز جب اٹھتی تھی، تو مضمحل اور افسردہ حالت میں آج جب وہ اٹھی تو اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا، اب تک بالخصوص فریدہ کے انتقال کے بعد سے وہ اس گھر کو اپنے لئے محتاج خانہ سمجھ رہی تھی، وہ سمجھ رہی تھی، میں ایک یتیم و بیسہارا لڑکی ہوں، اور اپنے ایک عزیز کے ٹکڑوں پر پل رہی ہوں، لیکن اب اس گھر کا وہ اپنے تئیں مالکہ و مختار سمجھ رہی تھی، اب یہ گھر، اور اس گھر کی تمام چیزیں اس کی تھیں جتنا حق انور کا تھا، اس سے کچھ زیادہ ریحانہ کا تھا،

میز پر ناشتہ چن دیا گیا، انور بیٹھ چکا تھا کہ ریحانہ بھی آکر بیٹھ گئی، اس نے ایک تبسم کے ساتھ اپنے باپ کو دیکھا اور کہا،

"ابا جان، ابا جان!"

لیکن انور کسی گہری فکر میں ڈوبا ہوا تھا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا، ریحانہ نے پھر اسی بیساختگی سے کہا،

"ابا جان سنیئے تو!"

انور نے قدرے رکھائی کے ساتھ، جسے ریحانہ ذرا بھی محسوس نہیں کر سکی کہا،

"کہو، کیا کہتی ہو؟"

ریحانہ نے خوشی کا جھولا جھولتے ہوئے کہا،

"میں اب بہت خوش ہوں"

انور نے کوئی جواب نہیں دیا، ریحانہ پھر بولی،

"بہت خوش ہوں ——— میں نے اب جانا کہ باپ بھی ماں سے کم نہیں ہوتا بلکہ بعض بعض باپ تو ایسے ہوتے ہیں جو اپنی محبت میں ماں سے بڑھ جاتے ہیں ——— جیسے آپ!"

انور نے ریحانہ کے چہرے کی طرف دیکھے بغیر آہستہ سے کہا،

"ٹھیک ہے!"

پھر وہ کمرہ سے باہر نکل گیا، اپنے کمرہ میں آیا، اچکن پہنی اور باہر کسی کام سے چلا گیا،

آج ریحانہ کی خوشی حد قیاس سے باہر تھی، اس کی ایک ایک بات، ایک ایک ادا، ایک ایک انداز سے خوشی کے چشمے ابل رہے تھے، وہ اپنی ماں کا غم بھول چکی تھی، وہ یوسف کی جدائی کا غم بھی اسوقت نہیں محسوس کر رہی تھی، اس وقت اسے کوئی فکر، کوئی پریشانی نہیں تھی، اسے باپ مل گیا، اس خوشی نے ہر غم بھلا رکھا تھا،

ناشتہ سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرہ میں آئی، کبھی اخبار اٹھا لیتی اور اسے پھینک کر کوئی کتاب دیکھنے لگتی، پھر کتاب بھی رکھ دیتی اور ٹہلنے لگتی،

وہ ٹہل رہی تھی، کہ اس کی مخصوص خادمہ روشن آئی، اسے دیکھ کر، ریحانہ نے کہا،

"میں بہت خوش ہوں روشن!"

روشن نے دعائیہ انداز میں جواب دیا،

"خدا ہمیشہ تمہیں سکھی رکھے، تمہارے سکھ سے ہمارا سکھ قایم ہے!"

"روشن آج میں اتنی خوش ہوں، اتنی خوش ہوں ——"

روشن بول اٹھی،

"ہاں کیوں نہیں، وہ تو چہرہ سے معلوم ہو رہا ہے، پہلے یہ پھول سا چہرہ کملایا رہتا تھا، آج تو اسپر بہار آگئی ہے، پھر یہ کھل اٹھا ہے خدا نظر بد سے بچائے میری مالک"

"روشن تو بھی جانتی ہے کیا بات ہے؟ میں کیوں خوش ہوں!"

"میں نہیں جانتی، میرے لئے یہی بہت ہے کہ تمہیں خوش دیکھ لیا"

ریحانہ روشن کے قریب آگئی، روشن تقریباً اس کی ہم عمر تھی اس کی ماں، فریدہ کی خدمت کرتی تھی، اور یہ ریحانہ کے کام کاج کے لئے مخصوص تھی، ریحانہ نے اس کے قریب پہونچکر اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر کہا،

"سچ کہنا روشن"

"کیا پوچھ رہی ہو!"

"میں کیسی لگتی ہوں"

"بہت اچھی، بالکل ——"

ریحانہ نے روشن کے گال پر ایک ہلکی سی چپت لگائی، اور بولی،

"چپ، اب آگے کچھ نہ کہنا!"

روشن مسکرا دی، اور ریحانہ بھی کھلکھلا پڑی، ماں کے مرنے کے بعد آج پہلی مرتبہ ریحانہ کھلکھلا کر ہنسی تھی،

روشن نے کہا،

"آئینہ کے سامنے بیٹھ جاؤ، میں بال سنوار دوں، کتنے دن ہو گئے، تم نے بال بھی تو نہیں گندھوائے،!"

ریحانہ نے کہا،

"اب تک میں غمزدہ تھی اس لئے کنگھی چوٹی کے خیال سے نفرت ہوتی تھی، آج میں خوش ہوں، ضرور بال گندھواؤں گی، آ،!"

یہ کہہ کر ریحانہ آئینہ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی، اور روشن اس کے پیچھے کھڑی ہو کر بال سنوارنے لگی۔ ریحانہ بال گندھواتی جاتی تھی، اب وہ گنگنانے لگی، اور گنگناتے گنگناتے، وہ اپنی مدبھری رسیلی آواز میں گانے لگی،

عین اسی وقت کہ ریحانہ کی نغمہ سرائی، اوج کمال کو پہونچی ہوئی تھی، انور کمرہ میں داخل ہوا، اسے دیکھ کر روشن جلدی سے کھسک گئی، ریحانہ نے منہ پھیر کر دیکھا تو روشن جا چکی تھی، اور انور سامنے کھڑا تھا، اسے دیکھ کر اس نے جلدی سے دوپٹہ اوڑھا اور کھڑی ہو گئی،

انور نے کہا،

"تم خود بھی ذلیل ہو، اور مجھے بھی ذلیل کرتی ہو، بیچ کہیں کی!"

یہ الفاظ بم کے گولہ کی طرح ریحانہ کے قلب نازک پر گرے، وہ سہم گئی؛ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا، اس نے اپنے تئیں سنبھالا، اور بڑی مشکل سے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا،

"کیا ہوا ابا جان!"

انور نے بھپر کر کہا،

"تمہیں یہ بھی نہیں معلوم! پھر تمہیں معلوم کیا ہے! بیوقوف!"

ریحانہ گردن جھکائے خاموش کھڑی تھی کھڑی رہی انور پھر گرجا،

"تم نے یہ تو سوچا ہوتا تم کون ہو، کہاں ہو، کس کے گھر میں ہو؟ یہ ذلیل چھوکری تمہاری سہیلی بنی ہے؟ یہ تمہارے بال سنوارے گی؟ تم اسے گانا سناؤ گی، یہ تو تم نے سوچا ہوتا، بھلا اس کا اور تمہارا جوڑ ہے؟ کچھ برابری ہے؟ کوئی میل ہے؟ ہو سکتا ہے؟ ——— میں ایسی ذلیل حرکتیں بالکل برداشت نہیں کر سکتا!"

ریحانہ سے ضبط نہ ہو سکا، اس نے وہی جواب دیا، جو ہر مجبور دیتا ہے، یعنی وہ رونے لگی، اس کی آنکھوں سے پٹ پٹ گہر ہائے آبدار گرنے لگے، اسے اسی حالت میں چھوڑ کر، انور اپنے کمرہ میں چلا گیا،

شام کے وقت بالعموم، ریحانہ دریا کے کنارے، جو مکان سے بالکل قریب ہی تھا، ہوا خوری اور چہل قدمی کیلئے چلی جایا کرتی تھی آج بھی حسب معمول وہ ٹہلنے گئی تھی، انور باہر کے برآمدے میں بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا تھا، کہ ریحانہ آتی ہوئی دکھائی دی، اسے دیکھتے ہی جیسے انور کو کچھ یاد آ گیا، اسنے پکارا،

"ریحانہ!"

وہ بولی،

"جی،!"

اور سامنے آکر کھڑی ہو گئی، انور نے اس سے آنکھیں ملائے بغیر کہا،

"کہاں گئیں تھیں تم؟"

"کہیں نہیں!"

"آخر کہیں تو"؟

"بیٹھے بیٹھے جی گھبرایا، تو ذرا یونہی دریا کے کنارے ٹہلنے چلی گئی تھی!"

انور نے ہیبت ناک آواز میں گرجتے ہوئے کہا،

"ٹہلنے چلی گئی تھی، ا —— جھوٹی کہیں کی!"

ریحانہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا،

" اباجان —— !"

انور نے بات کاٹ کر کہا،

" مجھے سب معلوم ہے، تو یوسف سے چھپ چھپ کے ملتی ہے وہ بھی تو اب بہت بڑا سوداگر بن گیا ہے، —— اس لئے میرے دشمن سے پینگیں بڑھائی جا رہی ہیں، اگر تمہارے یہ چھن رہے تو اس گھر میں نہیں رہ سکتیں تم —— ایسی آوارہ لڑکی کا میں باپ نہیں بن سکتا، مجھے اباجان اب کبھی نہ کہنا، ورنہ منہ توڑ کے رکھ دوں گا!"

ریحانہ نے پھر کہا،

" اباجان، اباجان!"

" انور نے غصہ سے کہا،

" پھر وہی اباجان، اباجان، کون اُلو کا پٹھا تیرا باپ ہے چل ہٹ ——"

یہ کہہ کر وہ تو اپنے کمرہ میں چلا گیا، اور ریحانہ وہیں کھڑے کھڑے رونے لگی، وہ بار بار سوچتی تھی کہ اس تغیر رنگ، اس انقلاب اس فوری تبدیلی کا سبب کیا ہے، مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا، وہ حیران تھی یہ پل بھر میں کیا ہو گیا؟ وہی انور جس نے خوشامدیں

کر کر کے اسے "اباجان" کہنے پر مجبور کیا، جس نے فخر و مسرت کیساتھ اسے اپنی بیٹی تسلیم کیا، جو بے پناہ جذبہ کے ساتھ اپنی ساری جائداد و املاک اس کے نام منتقل کرنے پر تلا ہوا تھا، وہ رات بھر میں اتنا کیوں بدل گیا، اس کی آنکھوں سے خون کیوں ٹپک رہا ہے، اسے مجھ سے نفرت کیوں ہو گئی ہے! مجھے ذلیل کیوں کر رہا ہے؟ یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے؟

وہ روتی ہوئی اپنے کمرہ میں آئی، اور منہ لپیٹ کر پڑ رہی، آج رات کو اس نے کھانا بھی نہیں کھایا، صبح ہوئی تو وہ ناشتہ کی میز پر بھی نہیں گئی، لیکن نہ انور نے رات کو اسے بلایا، نہ صبح خبر لی، بلکہ جب وہ اپنے کمرے سے کسی کام کو باہر نکلی، اور انور سے اتفاقاً مڈبھیڑ ہو گئی، تو انور نے غصہ اور نفرت سے اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر کہا،

" یہ آنسو کیوں بہائے جا رہے ہیں! کون مر گیا ہے جس کے لئے آنسوؤں کی بارش ہو رہی ہے —— نا بابا میرے گھر میں اس تریا چرتر کی ضرورت نہیں ہے، بوریا بستر سنبھالو، اور جدھر سینگ سمائیں چلتی بنو —— لیکن تمہیں کہیں جانے کی ضرورت کیا ہے، یوسف تو اب بہت بڑا سیٹھ ساہوکار بن گیا ہے، چلی جاؤ اسی کے گھر میں رہو اسی کے پاس!"

یہ باتیں سن کر ریحانہ جل اٹھی، اس نے روتے روتے کہا،

"آپ اتنے بدل کیوں گئے ہیں! میں نے کون سی خطا کی ہے؟

میں نے تو عرصے سے یوسف کی صورت دیکھی نہ ان سے ملاقات کی؟"

"ہاں ہاں تو میں کب منع کرتا ہوں، اب جاؤ اور دیکھ لو جی بھر کے اس کی صورت، جاؤ اور مل لو خوب جی بھر کے، میں نے کچھ تمہیں باندھ تھوڑے رکھا ہے، تم جوان ہو، آزاد ہو، خود مختار ہو جو چاہو کرو، کسی طرح میرے گھر سے تو نکلو، میں تمہیں ایک آنکھ نہیں دیکھنا چاہتا، مجھے آزاد اور آوارہ چھوکریوں سے سخت نفرت ہے، میں ان کا ذرا بھی روادار نہیں!"

یہ آخری جملہ سنکر پھر ریحانہ سے ضبط نہ ہوا، اسنے ذرا بپھر کر تیزی کے ساتھ کہا،

"آپکو مجھے آوارہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے، آپکے پاس اس الزام کا کوئی ثبوت نہیں ہے! آپ میرے باپ ہیں لیکن میں آپ کو اپنی توہین کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی!"

یہ سنکر انور نے ریحانہ کے منہ پر ایک چانٹا لگایا اور بڑے غصہ اور برہمی کے ساتھ کہا،

"میں تیرا باپ نہیں ہوں، تو میری لڑکی نہیں ہے، میرا گھر تو یتیم خانہ ہے، نہ محتاج خانہ، اگر تو یہاں رہے گی، تو تجھے توہین بھی برداشت کرنا پڑے گی، اور ذلت بھی ——— اگر خود داری اور غیرت کا ایسا ہی جذبہ ہے تو میرے ٹکڑوں پر کیوں پڑی ہے، کیوں نہیں دفع ہو جاتی یہاں سے ——— بہت زبان چلنے لگی ہے قینچی

کی طرح، کھینچ کر گدی سے باہر نکالدوں گا یہ زبان!"

ریحانہ یہ کڑوی کسیلی باتیں اپنے مہربان باپ کی سنکر، اپنے کمرہ میں آئی، اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، وہ اب اس گھر میں ایک پل بھی نہیں رہنا چاہتی تھی، لیکن کہاں جائے؟ کس کا سہارا لے؟ انور کی تاکیدی پابندیوں کے بعد سے ایک بار سر راہ ملاقات کے سوا، وہ ابتک یوسف سے نہیں ملی تھی، اس نے اپنے تئیں باپ کی مرضی کا پابند بنالیا تھا، اور اگر ملی بھی ہوتی تو بھی اس کی پناہ میں نہیں جاسکتی تھی، ایک کنواری لڑکی، ایک نوجوان بن بیاہے مرد کی پناہ میں کیسے جاسکتی تھی،

چار بجے کے قریب، وہ سیدھی قبرستان گئی، اور ماں کی قبر سے لپٹ کر خوب روئی، جب جی ذرا ہلکا ہوا، تو وہ سامنے کے پارک میں ایک بنچ پر آکر ملول و دل گرفتہ بیٹھ گئی،

زرق برق ساری میں ملبوس ایک عورت بھی اسی وقت پارک میں آئی ریحانہ اپنی فکر میں تھی، اسنے اسے نہیں دیکھا، لیکن اس نے ریحانہ اور اس کے ملول و افسردہ چہرہ کو دیکھ لیا، وہ بنچ کے پیچھے کھڑی تھی، اور ابھی فیصلہ نہیں کرسکی تھی کہ اس بنچ پر بیٹھے یا دوسری بنچ پر، اتنے میں ریحانہ نے خود بخود زیر لب کہا،

"میں کیوں زندہ ہوں؟ امی کے ساتھ میں بھی کیوں نہ مرگئی!"

ریحانہ نے گردن گھمائی، پیچھے مڑکر دیکھا، تو ایک خوش اندام

اور خوب رو عورت، ایک شاندار ساری میں ملبوس کھڑی اسے گھور رہی ہے، دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں، وہ عورت آکر ریحانہ کے پاس بیٹھ گئی، اور بڑی ہمدردی سے بولی،

"ابھی سے تنگ آگئیں اپنی زندگی سے؟ مرنا چاہتی ہو؟ زندگی سے اکتا گئیں تم؟"

ریحانہ نے جواب دیا،

"ہاں میں اوب گئی ہوں اس زندگی سے، مرجانا چاہتی ہوں اب تو؟"

عورت بولی،

"خیر تو ہے، کیوں؟ کس لئے؟"

ریحانہ نے جواب دیا،

"کیا کروگی میرا دکھڑا سنکر ——— میں تمہیں اپنی بپتا کیوں سناؤں؟ تم ہوتی کون ہو میرا دکھڑا سننے والی؟"

وہ عورت بڑے پرشفقت اور محبت بھرے لہجہ میں بولی،

"میں تمہاری ہمدرد ہوں، دوست ہوں ———"

ریحانہ نے کہا،

"دوست؟ میرا اس دنیا میں کوئی دوست نہیں ہے، صرف میری ماں تھی، جو میری سچی دوست تھی، لیکن وہ مرگئی!"

عورت بولی،

"اور بہن؟"

ریحانہ نے حسرت کے ساتھ کہا،

"نہ بھائی نہ بہن"

عورت نے ریحانہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا،

"مجھے سمجھ لو اپنی بہن ——— کیا اپنی بہن کو بھی اپنا دکھ نہیں بتاؤگی؟ دنیا میں صرف بہن ہی ایک ایسی چیز ہے، جو دکھ کو بانٹ لیتی ہے میری بہن!"

ہمدردی اور محبت کا یہ جادو اپنا کام کرگیا، ریحانہ نے رو رو کر اسے اپنی ساری بپتا سنا ڈالی، وہ بڑے غور سے ریحانہ کی دکھ بھری کہانی سنتی رہی، پھر وہ آہستہ سے بولی،

"اچھا تو تم انور صاحب کی لڑکی ہو؟"

ریحانہ نے کہا،

"ہاں ——— کیا تم انہیں جانتی ہو؟"

عورت نے مسکراتے ہوئے کہا،

"اتنے بڑے آدمی کا نام کون نہیں جانتا؟ وہ تو یہاں کے بہت بڑے سیٹھ اور ساہوکار ہیں ——— ہاں تو وہ بہت دکھ دیتے ہیں تمہیں؟"

ریحانہ نے بڑے دلگداز انداز میں کہا،

"میری زندگی دکھ ہی جھیلتے جھیلتے گزری ہے، دکھ تو میں خوشی سے سہ سکتی ہوں، لیکن وہ مجھے ذلیل کرتے ہیں، ذلیل سمجھتے ہیں

یہ نہیں سہا جاتا مجھ سے ——— میرا اب وہاں جانے کا جی بھی نہیں چاہتا، وہ کہہ چکے ہیں مجھ سے تو اس گھر میں نہیں رہ سکتی!"

عورت نے بڑے تعجب سے پوچھا،

"اچھا یہ بات ہے؟ معاملہ یہاں تک پہونچ چکا ہے؟"

"ہاں، اور اگر میں وہاں کچھ روز اور رہی، تو شاید اس سے بھی آگے گذر جائے معاملہ ———"

پھر وہ رونے لگی، اور روتے روتے اس نے کہا،

"اب تو مجھے مارنے بھی لگے ہیں، مار مار کر حکم دیتے ہیں کہ نکل جا اس گھر سے!"

عورت کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اس نے کہا،

"بڑی ذلیل حرکتیں کرتے ہیں وہ، کوئی شریف آدمی ایسی حرکتیں نہیں کر سکتا، یہ لچوں اور شہدوں کی باتیں کہاں سے سیکھ لیں انہوں نے؟"

پھر اس نے، ریحانہ کے آنسو اپنے خوشبودار رومال سے پوچھے اور تسکین دیتے ہوئے کہا،

"تم میرے پاس اٹھ آؤ، میں تمہیں بہن بنا کر رکھونگی، کچھ تم مجھ سے سیکھنا، کچھ میں تم سے سیکھوں گی"

ریحانہ نے متشکر آنکھوں سے اسے دیکھ کر کہا،

"تم رکھ لوگی مجھے اپنے پاس!"

وہ بولی،

"ہاں، سر آنکھوں پر!"

"تم رہتی کہاں ہو؟"

"بڑی حویلی میں!"

"تم ہو کون؟"

"تمہاری بہن ——— اب پوچھو کیا پوچھتی ہو"؟

یہ کہہ کر وہ عورت مسکرائی، اور ریحانہ بھی باہمہ غم والم، اپنا تبسم نہ ضبط کر سکی،

تھوڑی دیر تک، دونوں بیٹھی رہیں، پھر اس عورت نے کہا،

"اب شام ہو رہی ہے چلو گھر چلیں"

"آج ہی سے؟"

"آج ہی سے نہیں ابھی سے، اب تم انور صاحب کے ہاں نہیں جا سکتیں"

"اچھا مان لیا میں نے لیکن میں انہیں جا کر اطلاع تو کر آؤں، اپنا سامان تو لے آؤں!"

"اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں ہرگز اسے گوارا نہیں کر سکتی، کہ جس گھر سے تم دھکے دے کر نکالی جا رہی ہو، اس گھر میں تھوڑی دیر کے لئے بھی، لیکن جاؤ، رہا اطلاع دینا تو میں خود انور صاحب کو اطلاع دیدوں گی، کہ آپ کی عاق شدہ صاحبزادی میرے پاس عزت آبرو سے موجود ہے، جب آپ کے جنون کا دورہ اترے اور آپ پھر سے آدمی بن جائیں، تو آ کر لیجائیے گا، اسے میرے پاس سے

——— اور ہاں وہ سامان کیا ہے، جسے چھکڑوں پر لاد کر لاؤ گی ——— بگلی کہیں کی، چل اٹھ، جو میں کھاؤنگی وہ تو کھائے گی، جو میں پہنوں گی، وہ تو پہنے گی"

یہ محبت بھرے الفاظ سنکر ریحانہ کی آنکھوں میں آنسو جگمگانے لگے اس نے کہا،

"تم کتنی اچھی ہو بہن!"

اس عورت نے ریحانہ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، اور بولی،

"بہن ہمیشہ اچھی ہی ہوتی ہے، کبھی تم نے سنا کوئی بہن بری بھی ہو؟"

اس نے یہ کہا، اور ریحانہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لیگئی،

ریحانہ نے چند لمحوں کے رہن سہن سے اندازہ کر لیا کہ اس کی نئی اور عجیب میزبان واقعی بڑی خوبیوں کی عورت ہے، یہاں آتے ہی وہ گھل مل گئی، اور اس طرح رہنے لگی، جیسے کوئی اپنے بہن کے گھر میں رہتا ہے

فریدہ کے انتقال کے بعد، وہ بے یار و مددگار رہ گئی تھی، اس دنیا میں اس کا کوئی پوچھنے والا نہیں رہگیا تھا، انور تھا، لیکن وہ ہر وقت اس کے بے خطا اور معصوم دل میں کانٹے چبویا کرتا تھا، نہ خودکشی کرتے بنتی تھی، نہ زندہ رہتے، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، کیا کرے؟ لیکن اس نئے گھر میں آکر وہ بڑا سکھ اور اطمینان محسوس کر رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا دکھ کے دن بیت گئے، غم کے بادل چھٹ گئے، اور آشاؤں کا سورج چمکنے لگا، اس گھر میں اسے سب سے بڑی خوشی یہ تھی، کہ کوئی اس کی توہین نہیں کرتا تھا، کوئی اسے ذلیل نہیں کرتا تھا، صاحب خانہ اس کی عزت کرتی تھی، اس سے محبت کرتی تھی، گھر کے ملازم اس کا احترام کرتے تھے، ادب کرتے تھے، انور کے ذلت آمیز سلوک کے بعد وہ نوکر کی

سے آنکھیں چار کرتے ہوئے ہچکچاتی تھی، دل ہی دل میں خائف اور شرمندہ سی رہتی تھی، لیکن یہاں وہ بے تکلف نوکروں کی خدمات سے پورے اعتماد و خودی کے ساتھ فائدہ اٹھاتی تھی،

دوسرے روز وہ اپنی نئی بہن کے عالی شان مکان سے نکل کر کہیں جا رہی تھی، تھوڑی دور گئی ہوگی، کہ یوسف سے اس کی مڈبھیڑ ہوگئی، وہ سامنے آکر کھڑا ہوگیا، اس نے کہا،

"ریحانہ"

وہ بولی،

"فرمائیے"

یوسف نے اس روکھے جواب سے تلملا کر کہا،

"کیا تم مجھ سے کبھی نہ ملوگی، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں، باتیں کرنا چاہتا ہوں، اپنی قسمت کا اور تمہاری زندگی کا فیصلہ کرنا اور سننا چاہتا ہوں!"

ریحانہ گپ چپ کھڑی رہی، اسنے یوسف کے چہرہ پر ایک نظر ڈالی، اور جھکالی، یوسف نے جذبہ اور جوش کے عالم میں کہا،

"اب میں غریب نہیں ہوں، امیر ہوں، میرا کاروبار بڑھ رہا ہے، میں اب روپے سے کھیلتا ہوں، میں آگے آگے بھاگتا ہوں اور روپیہ میرے پیچھے پیچھے دوڑتا ہے، میں اب اتنی طاقت رکھتا ہوں کہ انور صاحب سے تمہیں چھین لوں"

ریحانہ نے کہا۔

"چھینو گے کس سے؟ میں تو اب وہاں رہتی بھی نہیں!"

یوسف نے حیرت سے پوچھا،

"کیا کہہ رہی ہو تم؟"

وہ مسکرائی، اس نے کہا،

"سچ!"

یوسف بولا،

"پھر کہاں رہتی ہو؟ وہاں کا رہنا کیوں چھوڑ دیا تم نے؟"

ریحانہ نے اشارہ کرکے بتایا،

"میں اس مکان میں اپنی ایک سہیلی کے ساتھ رہتی ہوں ——

ابا جان، امی کے انتقال کے بعد سے خدا جانے کیوں ہر وقت مجھے ذلیل کیا کرتے تھے؟ میں نے چھوڑ دیا، وہاں کا رہنا، یہاں اٹھ آئی!"

"ذلیل کرتے تھے؟ تمہیں؟"

"ہاں، ، اور وہ بھی بہت زیادہ ہر وقت!"

"تعجب ہے!"

"تعجب کی کیا بات ہے؟ تمہارے ہم قوم مرد ایسے ہی بے مروت ہوتے ہیں، کیا جانے تم بھی کب بدل جاؤ!"

"میں! —— ریحانہ بھلا ایسا ہو سکتا ہے؟ میں اس روز خودکشی کرلوں گا، جس روز تمہاری محبت میرے دل میں نہ رہے گی

یا کم ہو جائے گی، سمجھیں!"

"سمجھی تو نہیں سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں"

"یہ تو بتاؤ، میں تمہارے اس نئے گھر میں آسکتا ہوں، مل سکتا ہوں تم سے؟"

"جب چاہو میں دن بھر وہیں رہتی ہوں ——— کب آؤ گے، آؤ گے بھی یا نہیں؟"

"یونہی کبھی ایک رہی، آؤں گا، اور سر کے بل آؤں گا، کوچۂ یار میں حاضری کی اجازت ملے اور عاشق بیتاب اس سے فائدہ نہ اٹھائے یہ ہو سکتا ہے؟ یہ ممکن ہے؟"

"باتیں بنانا کوئی تم سے سیکھ لے، تم کیا آؤ گے؟ ایسی ہی محبت تھی، تو اب تک خبر کیوں نہ لی، بات کیوں نہ پوچھی؟ راہ چلتے دیکھ لیا، محبت آگئی، آنکھوں سے اوجھل ہو جاؤں گی، محبت کا یہ بلبلہ بھی بیٹھ جائے گا، !"

"ریحانہ ایک ساتھ اتنے تیر نہ چلاؤ، میرا سینہ چھلنی ہو جائیگا!"

"کچھ جھوٹ کہہ رہی ہوں؟"

"بس تمہیں جھوٹا تو نہیں کہہ سکتا، لیکن تم مجھ سے زیادہ انور صاحب کی افتادِ مزاج سے واقف ہو، فریدہ بھابی کے انتقال کے بعد میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ آؤں، تمہیں تسلی دوں، لیکن ڈر لگتا تھا کہیں دربان سے دھکے دے کے نکلوا نہ دیا جاؤں، بس یہی سوچ کچھ

کے چپ رہا"

"ہو گی یہی بات!"

"گویا اب بھی تمہیں شبہ ہے؟ ——— ریحانہ یقین کرو میں صرف تمہاری وجہ سے اس شہر میں ٹھہرا اور نہ ملازمت سے برطرف کر دیئے جانے کے بعد مجھے اس شہر میں ایک پل بھی نہیں ٹھہرنا چاہیئے تھا!"

"اچھا تو کب کی رہی کب آتے ہو؟"

"چلو ابھی چلو"

"ابھی تو میں کام سے جا رہی ہوں، کوئی آدھے گھنٹہ کے بعد آؤنگی پھر جسوقت تمہیں فرصت ملے آجانا، میں تمہاری راہ دیکھتی رہونگی!"

دونوں اپنے اپنے راستہ چلے گئے، آج دونوں کی محبت کا دبا ہوا جذبہ بھر ابھر آیا تھا،

عین اس وقت جب ریحانہ اور یوسف میں باتیں ہو رہی تھیں انور بڑے انہماک اور استغراق کے ساتھ ایک خط پڑھ رہا تھا جس میں لکھا تھا:-

میں کل ہی یہاں آئی ہوں، اسلئے اس لئے تھی کہ تم سے اپنے خط واپس لے جاؤں، یہاں آکر معلوم ہوا فریدہ اس دنیا سے گزر گئی، یہ سنکر اسی وقت ہوٹل سے ایک کرایہ کے مکان میں منتقل ہو گئی، تمہیں یہ سنکر خوشی ہو گی، کہ میرے چچا کا انتقال ہو گیا، اولاد

کی حسرت وہ اپنے ساتھ لے گئے، ان کی ساری دولت
مع میری اس دولت کے جوان کے خزانۂ قارون
میں دفن تھی مجھے مل گئی،

اب میری حالت پہلے سے بہت بہتر ہے، لیکن
یہ زندگی کاٹے نہیں کٹتی جس میں کوئی ساتھی نہیں
کوئی سہارا دینے والا نہیں، ہاں اور سنو تمہاری
ریحانہ میرے پاس ہے، کل ہی اتفاقاً میری اس
کی مڈبھیڑ ہوگئی، اتنی اچھی اور بھولی لڑکی کو تم
دکھ دیتے ہو؟ بڑے کٹھور ہو تم!

تم ریحانہ کے سامنے مجھ سے ملنا شاید مناسب
نہ سمجھو، کل صبح کو میں اسے کسی کام سے باہر بھیج دوں
گی، تم آؤ، تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں، بہت سے
فیصلے کرنا ہیں، تم آؤ، میں بالکل تنہا ملوں گی تمہیں،
بڑی حویلی میں نے کرایہ پر لے لی ہے وہیں
چلے آنا۔

تمہاری
ناہید

انور نے یہ خط پڑھا، اس کے چہرہ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی، ایسا
معلوم ہوا کہ عین مایوسی کی حالت میں وہ دولت مل گئی، جس کا

پہلے سے سان گمان بھی نہیں تھا،

وہ خوشی کے عالم میں اپنے باغیچہ میں ٹہل رہا تھا، کہ اس نے دیکھا
ریحانہ اسی راستہ پر جا رہی ہے، جو بڑی حویلی کو جاتا ہے، ریحانہ اسے
نہ دیکھ سکی، لیکن اس نے ریحانہ کو دیکھ لیا، اس کے منہ سے بے ساختہ
نکل گیا،

"بدقسمت لڑکی!"

ان الفاظ میں نفرت نہیں تھی رحم تھا،

ریحانہ گھر پہونچی، ناہید نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، لیکن آج
اس نے زیادہ باتیں نہیں کیں، وہ یوسف کا انتظار کر رہی تھی، بار بار
اس کی نظر دروازہ پر جاتی تھی، پتہ بھی کھڑکتا تھا، تو اسے محسوس
ہوتا تھا، شاید یوسف آگیا، لیکن شام ہوگئی اور یوسف کا کہیں پتہ نہیں
تھا، کبھی اس کے دل میں یہ خیال آتا تھا، کہ یوسف نے آنے کا وعدہ
یونہی مروت میں کر لیا تھا، اس کا آنے کا جی نہیں چاہ رہا تھا، کبھی
وہ سوچتی شاید کسی ضروری کام میں الجھ گئے ہوں، اور آنے کی فرصت
نہ ملی ہو، جب تک رات نہ ہوگئی، اور وہ سو نہ گئی، بس یہی دو خیال
تھے، جو اس کے دل و دماغ پر حاوی تھے، ایک خیال یوسف کو بے
قصور ثابت کرتا تھا، دوسرا قصوروار،

صبح ناشتہ کی میز پر ناہید نے اسے فکرمند دیکھ کر کہا،

"کیا سوچ رہی ہو ریحانہ؟"

"کچھ بھی نہیں"؟

"باپ کا گھر یاد آرہا ہے؟"

"نہیں، میں تو اسے بھلا چکی"

"ایسا نہ کہو، ریحانہ، باپ بیٹی کا رشتہ بھی کہیں ٹوٹ سکتا ہے"

"اس دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے ناہید!"

"ہاں ہو سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہوگا، اسے میں نہیں ہونے دونگی"

"ہمارے تمہارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ہوتا وہی ہے، جو خدا کو منظور ہوتا ہے، نہ جانے کتنی آرزوئیں ہمارے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں، لیکن ان میں سے پوری کتنی ہوتی ہیں یہ دل ہی جانتا ہے!"

"اوہو اب خیر سے آرزوئیں اور تمنائیں بھی آپ کے دل میں اپنا نشیمن بنانے لگیں، دیکھیں آگے آگے کیا ہوتا ہے؟"

یہ کہہ کر ناہید مسکرائی، اور ریحانہ بھی مسکرا کر خاموش ہو گئی،

تھوڑی دیر کے بعد، ناہید نے کہا،

"میں انور صاحب سے تمہاری صلح صفائی کرادوں گی!"

"ریحانہ نے کہا،

"صلح صفائی تو ہر شخص کرا سکتا ہے، لیکن ان کا دل کوئی نہیں بدل سکتا!"

"میں دل بھی بدل دونگی"

ریحانہ نے آہ بھر کر کہا،

"یہ کام تو امی بھی نہیں کر سکیں، پھر کوئی دوسرا کیا کر سکے گا؟"

چند لمحوں تک پھر خاموشی سی چھائی رہی، اب نا شتہ ختم ہو چکا تھا، دونوں اٹھیں، ریحانہ اپنے کمرہ کی طرف جانے کیلئے مڑی، ناہید نے کہا،

"کہاں جا رہی ہو ریحانہ سنو تو"!

وہ سامنے آکر کھڑی ہو گئی،

ناہید نے بڑے پیار سے کہا،

"ایک کام کر دو گی"؟

"ایک نہیں دس کام کر دونگی کہو تو!"

"نئے بازار میں وہ ٹھاکر جے چند کی دوکان ہے نا!——

جہاں کل ہم تم گئے بھی تھے؟"

"ہاں ہے، گئے تھے ہم تم!"

"وہیں چلی جاؤ"

"وہاں کیا کام ہے؟"

"وہ قرمزی رنگ کی ساری جو میں نے دیکھی تھی——

تم نے بھی تو پسند کیا تھا اسے!——پسند تو مجھے بھی بہت آئی تھی، لیکن کمبخت نے دام اتنے زیادہ بتائے تھے کہ طبیعت جل گئی تھی، لہذا اسے بغیر خریدے ہوئے لوٹ آئی میں!"

"تو دل اسی کا لوٹ ہو رہا ہے، منگانا چاہتی ہو اسے؟"

"ہاں ریحانہ ——— تکلیف تو ہوگی، تم جا کر لے آؤ،
میرے سر میں اس وقت کچھ درد سا ہو رہا ہے!"

"ہاں کوئی حرج نہیں چلی جاؤں گی"

ناہید نے پانچسو روپے کا ایک نوٹ ریحانہ کے ہاتھ پر رکھا،
اور ریحانہ ٹھاکر جے چند کے ہاں چلی گئی۔

ریحانہ کے جانے کے بعد، ناہید اپنے سنگار خانہ میں آ بیٹھی،
اور اپنا بناؤ سنگھار کرنے لگی، آج وہ ایسا بناؤ سنگھار کرنا چاہتی تھی کہ فیصلہ
کرنے میں دیر نہ لگے، انور آ رہا تھا نا!

سنگار خانہ سے اٹھ کر، وہ ملاقات کے کمرہ میں آ کر ایک صوفے
پر بیٹھ گئی، اس نے نوکر کو آواز دی، وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا
وہ بولی،

"کوئی آدمی آئے، تو کچھ پوچھ گچھ کر کے وقت ضایع نہ کرنا میں
انتظار میں بیٹھی ہوں، یہیں لے آنا!"

ملازم نے ادب سے گردن جھکائی اور چلا گیا،

ناہید ڈرائنگ روم میں انتظار کی گھڑیاں کاٹ رہی تھی، کہ
دروازہ کھلا اور ملازم ایک وجیہ و شکیل نوجوان کو اندر پہنچا کر واپس
چلا گیا، یہ یوسف تھا!

ناہید، یوسف کو دیکھتی ہے اور دنگ رہ جاتی ہے، وہ بیخودی
کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی، اور بڑے تپاک کے ساتھ سراپا اخلاق

بنکر اس نے کہا،

"آئیے، تشریف لائیے، بیٹھئے!"

یوسف، ریحانہ کے بجائے ناہید کو دیکھ کر، اور اس کے اس اخلاق
و تپاک کو دیکھ کر گھبرا سا گیا، اس نے کہا،

"آپ! میں تو ———"

ناہید نے اس کا اضطراب بھانپ لیا، اسے تسلی دیتی ہوئی بولی،

"کوئی حرج نہیں، بیٹھئے، بیٹھئے تو!"

اب یوسف کے لئے بیٹھ جانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا، وہ بے
بسی اور مجبوری کے عالم میں بیٹھ گیا،

ناہید اسے دیکھتی ہے، اور سوچنے لگتی ہے اس نئے آدمی میں اور
انور میں کتنا فرق ہے؟ کتنا زمین آسمان کا فرق ہے! وہ آشفتہ مزاج
تند خو، جلد باز، اور سخت گیر ہے، یہ شگفتہ طبع، ہنس مکھ، خوب رو،
اور خوش مزاج ہے، وہ ادھیڑ عمر کا ہے، یہ نوجوان ہے، اس کے کردار
اور گفتار میں اضمحلال ہے اس کے انداز و ادا میں جوانی ہے زندگی
ہے امنگ ہے، اس سے کبھی کبھی ڈر بھی لگنے لگتا ہے، اور اس سے؟
اسے دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ بس اسے دیکھتے ہی رہو، آنکھیں نہ
ہٹیں اس کے چہرہ سے،

ناہید یہ سوچ رہی تھی، اور یوسف یہ سوچ رہا تھا، کہ میں کہاں
آن پھنسا، ملنے آیا تھا، ریحانہ سے، اور ملاقات ہو گئی ایک دوسری

عورت سے، کیا سمجھتی ہوگی، یہ اپنے دل میں، اس نے معذرت کے لہجہ میں کہا،

"مجھے بڑی ندامت ہے، میں شاید غلط جگہ آگیا، معاف کیجئے گا ——"

ناہید نے کہا،

"اوہ، آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں! کیسی ندامت، کیسی معافی؟ آپ آگئے تو اس گھر کی رونق بڑھ گئی، آپ کی باتیں کتنی سندر، کتنی من موہن اور کتنی پیاری ہیں، اور خود آپ بھی تو اسم بامسمّٰی ہیں —— میرا مطلب یہ ہے کچھ کم نہیں ہیں اپنی باتوں کے اعتبار سے!"

یوسف اور زیادہ گھبرایا، اس نے سوچا، یہ کیسی باتیں ہونے لگیں، اس نے حیرت کے ساتھ کہا،

"جی، کیا کہا آپنے؟"

ناہید سنبھل گئی، بولی،

"کچھ نہیں —— میں نے کہا آپ گھبرا کیوں رہے ہیں؟ اب آگئے ہیں، تو، بیٹھئے ذرا دیر، پھر چلے جائیے گا، جلدی کاہے کی ہے؟"

"جلدی تو کچھ بھی نہیں ہے، لیکن میں آپ کا وقت جو ضایع کر رہا ہوں۔"

"واہ یہ بھی خوب کہی آپنے، میں تو یہاں آدمی کی صورت کو ترس گئی ہوں —— اتنے بڑے گھر میں یا میں ہوں، یا میری سہیلی ریحانہ، کوئی بات کرنیوالا بھی تو نہیں ہے!"

"ریحانہ —— میں انہیں سے ملنے آیا تھا،"

ناہید نے ذرا پریشان ہو کر کہا،

"اوہ آپ جانتے ہیں اسے"؟

یوسف بولا،

"جی ہاں، اسی لئے تو آیا تھا!"

ناہید لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے پھر سنبھل گئی، اس نے کہا،

"پھر تو غریب خانہ پر آپ تشریف لاتے رہا کریں گے"؟

"ضرور، ضرور آتا رہوں گا!"

اس گفتگو کے بعد، دونوں کی آنکھیں ملیں، اور جھک گئیں، یوسف سوچنے لگتا ہے، کتنی مہذب، کتنی شستہ تعلیق، کتنی اخلاق، اور کتنی شائستہ ہے یہ عورت، پھر کہتا ہے،

"اچھا اب اجازت دیجئے"

"لیکن وعدہ کیجئے، آپ آتے رہیں گے"

"میں وعدہ کرتا ہوں"

"میں انتظار کروں گی آپ کا، دیکھئے آئیے گا ضرور"

"آؤں گا کیوں نہیں؟ —— آج مجھے افسوس ہو رہا ہے اپنے کاروبار پر، کاش میں کاروباری آدمی نہ ہوتا، کاروبار کے جھنجٹ میں نہ پھنستا ہوتا!"

"یہ کیوں"؟

"پھر یہاں جی بھر کے بیٹھتا، سچ کہتا ہوں یہاں سے جانے کا جی نہیں چاہتا، اتنی کشش ہے آپ ——— آپ کی باتوں میں"

ناہید پھول کی طرح کھل گئی، اس نے ایک انداز خاص کے ساتھ کہا

"شکریہ بہت بہت شکریہ! ——— لیکن میں آپ کے کاروبار میں مخل نہیں ہونا چاہتی، آپ ضرور جائیے، اپنا کام دیکھیے، لیکن وعدہ کیجیے پھر آئیں گے، آپ؟"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا،

"ارے صاحب وعدہ کی کیا ضرورت ہے، مجھے خود کب چین پڑے گا بغیر آئے ہوئے؟"

یہ کہہ کر یوسف نے ایک قہقہہ لگایا، ناہید بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی،

یوسف چلا گیا، اور ناہید کا شگفتہ چہرہ کچھ مضمحل اور اداس سا ہو گیا، وہ چاہتی تھی، یوسف ابھی کچھ دیر اور بیٹھے، اس کی تمنا تھی، اس شخص سے باتیں کرتی رہے، اس کا جی چاہتا تھا، گھڑی کی سوئیاں بند ہو جائیں، دنیا کی ہر چیز ساکن ہو جائے وقت کی رفتار رک جائے، صرف اس کی زبان چلتی رہے اور وہ یوسف سے باتیں کرتی رہے۔

ڈرائنگ روم سے وہ اپنے کمرہ میں آکر لیٹ گئی، اسے لیٹے ہوئے مشکل سے پانچ منٹ ہوئے ہوں گے، کہ ملازم پھر حاضر ہوا، اور

سامنے آکر کھڑا ہو گیا، ناہید نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا، ملازم نے عرض کیا،

"کوئی انور صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں!"

ناہید نے بڑی بے رخی اور بیزاری کے ساتھ کہا،

"اونھ"!

ملازم کی اس جواب سے تشفی نہیں ہوئی وہ بدستور کھڑا رہا، ناہید نے اسے دیکھ کر غصہ سے کہا،

"کھڑا میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے ——— جا کہدے سر میں درد ہو رہا ہے، اس وقت نہیں پھر کبھی آئیں!"

ملازم خاموشی کے ساتھ چلا گیا، اور ناہید کروٹ بدل کر لیٹ گئی،

دوسرے دن پھر یوسف ریحانہ کے ملنے کے بہانہ سے ناہید کے گھر آیا، آج بھی اتفاقاً ریحانہ نہیں تھی، لیکن ناہید ہمہ تن انتظار موجود تھی یوسف یہاں آکر بھول گیا، کہ وہ ریحانہ سے ملنے آیا تھا، ناہید کو دیکھتے ہی اسے خیال آیا کہ وہ اسی سے ملنے آیا تھا، دونوں بیٹھ گئے اور گھل مل کے باتیں کرنے لگے، دنیا جہان کی باتیں ——— وہ باتیں جن کا کوئی اور چھور نہیں ہوتا جو چھڑ بھی جاتی ہیں تو ختم ہونے میں نہیں آتیں،

ان دونوں کی طرب زائیاں قہقہوں کی صورت میں گونج رہی تھیں کہ ریحانہ آ گئی، دونوں نے گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا، اور اسے بھی شریک مجلس کرلیا، آج یوسف بڑی دیر تک بیٹھا رہا، اٹھا تو اس طرح کہ صاف معلوم ہوتا تھا اس کا جانے کو جی نہیں چاہ رہا ہے، لیکن جا رہا ہے،

لے ترے کوچے سے اے یار چلے جاتے ہیں

ریحانہ یوسف کو دیکھ کر خوشی ہوئی تھی، اس کا دل بڑھ گیا تھا

وہ خوشی سے آکر اس جلسۂ رنگ و بو میں بیٹھ گئی، وہ سوچ رہی تھی، یوسف قول کا پکا اور بات کا دھنی ہے، کل کسی وجہ سے نہیں آسکا۔ آج اپنی اور میری زندگی اور قسمت کا فیصلہ کرنے آیا ہے، وہ بھی بڑھ چڑھ کر زمزموں اور قہقہوں میں حصہ لینے لگی، آخر رات زیادہ آگئی، مجلس برخاست ہوگئی، یوسف کو جاتے دیکھ کر ریحانہ کو ایک دھچکا سا لگا، اس کے دل میں خیال آیا، یوسف آیا تھا صرف مجلس آرائی کیلئے، ورنہ وہ عشق و محبت کی باتیں کیا ہوئیں، کیوں نہ چھیڑیں، لیکن جلد ہی اس نے اپنے دل کو سنبھال لیا، اپنے دل کو ملامت کی، اس نے کہا، یوسف اچھوں کا اچھا ہے، وہ برائی نہیں کرسکتا، مجھے دھوکا نہیں دے سکتا، اس میں نہیں، آج کی خاموشی میں بھی، اس کی کوئی مصلحت ہوگی، وہ مسکرائی اور اس نے دل ہی دل میں کہا، میں سمجھ گئی وہ مصلحت، ہو نہ ہو وہ یہ چاہتا ہے کہ پہلے ناہید سے خلا ملا بڑھالے پھر مجھے اپنانے کی بات کرے، وہ جانتا ہے، اباجان مجھے اس کے حوالے نہیں کرسکتے، وہ یہ بھی جانتا ہے، اب میری والی وارث جو کچھ ہے وہ ناہید ہی ہے، وہ مجھے ناہید سے مانگے گا، اور اسی سے پائیگا جب یہ بات ہے تو شروع شروع میں اسے یہی چاہیئے، کہ میری طرف زیادہ توجہ نہ کرے، ناہید سے دوستی بڑھائے، جب وہ بھی میری طرح اس کی قائل اور معترف ہو جائے گی، تب وہ یہ سوال اٹھائے گا، اور ضرور کامیاب ہوگا، یہ باتیں سوچ کر اس کا مرجھایا ہوا دل پھر کھل گیا اور

وہ بڑے اطمینان سے سو گئی،

یوسف اب اکثر ناہید کے ہاں آتا رہتا تھا، اکثر ایسے وقت آتا کہ ریحانہ موجود نہیں ہوتی تھی، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ریحانہ موجود ہوتی تھی، اور وہ آجاتا تھا، ناہید اور یوسف نے غیر محسوس، لیکن ارادی طور پر دل ہی دل میں یہ سمجھوتہ کر لیا تھا کہ ریحانہ کی موجودگی میں گفتگو کا اسلوب کیا ہو؟ اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی نوعیت کیا ہو؟ بڑی پابندی سے دونوں اس غیر طے شدہ سمجھوتے پر عمل کرتے رہتے تھے،

ریحانہ کی موجودگی میں زیادہ تر ذکر رہتا تھا، موسم کا، سیاسیات کا، گھریلو اور نجی لیکن عام اور مشترک باتوں کا کبھی کبھی لطائف وظرائف کا، یا بیت بازی کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا تھا، لیکن ریحانہ کی عدم موجودگی میں عشق ومحبت کی عام کیفیات پر بحث ہوتی تھی، دل کے آنے اور دل کے جانے پر تبصرہ ہوتا تھا، الفت کی کیفیت کا تجزیہ کیا جاتا تھا، ان تمام گفتگوؤں میں ذاتیات کا ذکر بیچ میں ذرا بھی نہیں آتا تھا، نہ کبھی ناہید نے، اظہار الفت کیا، نہ کبھی یوسف نے، لیکن، گفتگو اور بحث کے دوران میں دونوں ترجمانی اپنے ہی جذبات کی کرتے تھے،

مثلاً اس موضوع پر جب بھی گفتگو ہوتی تھی، تو ناہید عورت جنس کی وکالت کرتی تھی، اور یوسف مرد کی، لیکن پیش نظر دونوں کے اپنی اپنی ذات ہوتی تھی، جب ناہید یہ کہتی تھی، عورت محبت میں چٹان کی طرح ثابت قدم رہتی ہے، وہ محبت کرتی ہے، اور دیوانہ وار کرتی ہے

وہ اپنے محبوب پر عزت، آبرو، مال، دولت، ہر چیز نچھاور کر سکتی ہے وہ زندگی کی آخری سانس تک عہد وفا کی پابند رہتی ہے، اس کے دل کے کسی گوشہ میں کبھی، بے وفائی کا خیال بھی نہیں آنے پاتا، تو اس کا مطلب "عورت" سے ہوتا تھا، "ناہید" عورت کی جتنی خوبیاں وہ بیان کرنا چاہتی تھی، ان سے یہ مطلب ہوتا تھا کہ یہ سب عورت یعنی ناہید کر سکتی ہے، اور کرتی ہے اور کرتی رہے گی، اے مقصد حیات، سن اور کان کھول کے سن، اسی طرح جب یوسف یہ کہتا تھا کہ

خدا بیخ انگشت یکساں نہ کرد!

ہر مرد بیوفا، اور تیرہ دروں نہیں ہوتا، ایسے مرد بھی ہوتے ہیں جو عشق کی آگ میں جلتے ہیں، جلتے رہتے ہیں، لیکن اف نہیں کرتے، جو عشق کے بندۂ بے دام ہوتے ہیں، اور محبوب کی چوکھٹ پر اپنی گردن بھی کٹا سکتے ہیں، مرد بھی جب سچا عشق کرتا ہے، تو وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے، اور عشق کی قربان گاہ پر، اپنا وجود تک قربان کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے، تو اس کی مراد، مرد سے "یوسف" ہوتی تھی، گویا وہ یہ کہنا چاہتا کہ مرد، یعنی یوسف، عشق بلاخیز میں گرفتار ہو کر یہ سب کچھ کر سکتا ہے کر رہا ہے، کرتا رہے گا، اے محبوب تو سن لے، دیکھ لے، پرکھ لے دونوں یہ بھی سمجھتے تھے، کہ ناہید، عورت سے مراد اپنی ذات لے رہی ہے اور یوسف کا مرد سے مطلب ہے وہ خود، لیکن یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود، دونوں مناسب یہی سمجھتے تھے کہ:-

عاقلاں را اشارہ کافیست

پر عمل کرتے رہیں، لیکن کب تک آخر ایک روز، دونوں ضبط کا بند توڑ کر جذبات کے بحرِ کراں میں ہچکولے کھانے لگے، جیسے دریائے مواج وطوفان خیز کی پرشور لہروں پر ایک شکستہ بادبان کی کشتی کبھی ڈوبتی کبھی ابھرتی ہے، کبھی ساحل کے قریب آتی ہے کبھی دور بہت دور ہٹ جاتی ہے،

ناہید اور یوسف بیٹھے ہوئے، فلسفۂ عشق و محبت پر گفتگو کر رہے تھے، کہ ریحانہ کہیں باہر جانے کیلئے ادھر سے گذری، اس نے ان دونوں کو مصروفِ تکلم پایا، خوش ہوگئی، سمجھی یوسف اپنا کام کر رہا ہے ناہید کو میرے لئے رام کر رہا ہے، وہ ان دونوں کو کنکھیوں سے دیکھتی، اور زیرِ لب مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی، یوسف اور ناہید اپنی باتوں میں اتنے محو تھے، کہ انہوں نے دیکھا بھی نہیں کہ کون آیا کون گیا؟

ناہید نے کہا،

"آؤ یوسف شطرنج کی ایک بازی ہوجائے"

یوسف بولا،

"شوق سے ایک نہیں دو!"

بساط بچھ گئی اور کھیل شروع ہوگیا، کھیل کا انجام یہ ہوا، کہ یوسف ہار گیا اور ناہید جیت گئی، ناہید نے چڑایا،

"ایک عورت سے ہار گئے بھی بھی،"

یوسف نے تڑ سے جواب دیا،

"اس شکست پر مجھے غم نہیں فخر ہے، ایسی شکستیں تو قسمت والوں ہی کو ملتی ہیں ناہید"

ناہید جھینپ گئی، لیکن اس نے بات بناتے ہوئے کہا،

"الفاظ کے پردے میں اپنی خفت نہ چھپائیے"

یوسف نے فوراً جواب دیا،

"جس شکست پر فخر ہو، اس پر ندامت نہیں ہوسکتی! میں زندگی بھر یہ ہار جیت کا کھیل کھیلنے کو تیار ہوں، اور تم ہمیشہ میری پیشانی کو خوشی کے نور سے چمکتا ہوا دیکھو گی، اس پر ندامت کے قطرے تمہیں کبھی نظر

ناہید بات کاٹ کر بولی،

"توبہ بھئی تم نے تو پورا دیوان کھول لیا ہے، اور شعر پہ شعر پڑھے چلے جارہے ہو، اب بس بھی کرو"

یوسف نے اس کی طرف دیکھ کر کہا،

"تم سے یہ توقع تو نہ تھی کہ تم میرا مذاق اڑاؤ گی، اگر تم مجھ سے ہمدردی نہیں کرسکتیں، میرے زخمِ دل پہ پھاہا نہیں رکھ سکتیں، تو اس پر نمک تو نہ چھڑکو!"

ناہید پہ تاثر کی کیفیت طاری ہوگئی، اس نے بڑے گداز کیساتھ کہا،

"کیا کہہ رہے ہو یوسف؟ میں کیا کرسکتی ہوں، میرے بس میں کیا ہے

یوسف نے تڑپ کر کہا،

"تم کیا نہیں کر سکتیں! تمہارے بس میں سب کچھ ہے، تم مردہ کو زندہ کر سکتی ہو، دل کے ویرانے کو آباد کر سکتی ہو، مایوس تمناؤں میں اس کی بہار بنکر سما سکتی ہو، تم سب کچھ کر سکتی ہو،"!

ناہید نے بیتابی کے ساتھ کہا،

"تم میرے دل کے تاروں پر انگلی نہیں ہتھوڑے چلا رہے ہو جو طوفان میرے دل کو زیر و زبر کئے دے رہا تھا، جو آگ مجھے پھونکے دے رہی تھی، آج اس طوفان سے بڑا، بہت بڑا طوفان بنکر تم خود نمودار ہوئے ہو، آج تم میرے دل کی آگ پر آندھی بنکر اسے ہوا دے رہے ہو، میں عورت ہوں، کمزور بے بس، ناچار، میں اس امتحان میں پوری نہ اتر سکوں گی، اپنی زبان روک لو یوسف!"

یوسف نے ایک آہ بھر کر جواب دیا،

"اپنی زبان روک لوں، اپنا حال دل تم پر ظاہر نہ کروں، اگر تم یہی چاہتی ہو تو یہی ہوگا، مر جاؤں گا، مگر اف نہ کروں گا، مٹ جاؤں گا، مگر فریاد نہ کروں گا، برباد ہو جاؤں گا، مگر تمہیں دادرسی کی تکلیف نہ دونگا!"

ناہید نے بیقرار ہو کر کہا،

"خدا نہ کرے، یہ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو، میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے، میری رگوں میں خون بڑی تیز گردش کرنے لگا ہے

میں اس سے زیادہ تاب ضبط نہیں رکھتی ایک تنکا طوفان کا رخ نہیں موڑ سکتا، ایک کمزور پتی آندھی کے وار نہیں برداشت کر سکتی

تم طوفان کیوں بن گئے ہو؟ تم نے آندھی کا روپ کیوں اختیار کر لیا ہے!"

یوسف بولا،

"یہ نہ کہو ناہید، تم ایک کمزور پتی نہیں گل رعنا ہو، جس کی مشکبار بوں اور عنبر بیزیوں سے مشام جاں معطر ہو سکتا ہے، تم ایک حقیر تنکا نہیں ہو خود ایک طوفان ہو، بہت بڑا طوفان، جس نے میرے دل کے سفینہ کو ڈانوا ڈول کر رکھا ہے، اور اگر تم نے رحم نہ کیا، تو وہ ڈوب جائیگا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے،"

ناہید سے اب ضبط نہ ہو سکا، اس نے بیتاب ہو کر یوسف کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا،

"اب بس کرو یوسف!"

یہ کہہ کر وہ اپنا سر یوسف کے بازو پر رکھ کر اسکیاں لے کر رونے لگی،

یوسف نے اس کے سر پر بڑی محبت سے ہاتھ پھیرا اور کہا

"ناہید میری ناہید

رات کے کھانے پر ریحانہ اور ناہید کی پھر ملاقات ہوئی، ریحانہ نے دیکھا، خوشی ناہید کے بند بند سے پھوٹی پڑتی ہے، کھانے کے دوران میں یوسف کا ذکر چھڑ گیا، ناہید نے کہا،

"کتنا اچھا آدمی ہے یوسف، صورت دیکھو تو لاجواب، سیرت دیکھو تو بے مثل،"

یہ سنکر ریحانہ کا چہرہ خوشی سے دمک نے لگا، وہ سمجھ گئی، جادوگر اپنا کام کر گزرا، ریحانہ نے خیال کیا، اب اس کے میرے مراسم اور شادی کا مسئلہ زیر بحث آئیگا، لیکن اب وہ طے کر چکی تھی، کہ یوسف کو کنویں جھکوائے گی، اور اس سے خوشامدیں کرائے گی، ناہید کے سامنے اس سے اپنی کامل بے تعلقی اور بے رلطبی کا اظہار کرے گی، ناہید اس کے گن گائے گی، خوبیاں بیان کرے گی، پھر اس کی زور دار سفارش کریگی، اور نکاح پر اصرار کرے گی، لیکن میں ناہید کی بات ماننے سے صاف انکار کر دوں گی، خوب پریشان کروں گی دونوں کو، جب دونوں تھک

جائیں گے، یہ دونوں خوشامد کرتے کرتے، تب کہیں راضی ہوں گی، وہ بھی کال شان استغنا کے ساتھ اور وہ بھی صرف ناہید کے سامنے، یوسف کے سامنے نہیں، اسے تو نکاح کے بعد تک، غلط فہمی میں مبتلا رکھونگی کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی، شادی کرنا بھی نہیں چاہتی تھی، لیکن ناہید کی جان کو دعا دو، جس نے زبردستی میرا دامن تمہارے دامن سے باندھ دیا،

یہ سب سوچ کر اس نے کہا،

"اپنی اپنی پسند ہے!"

"ناہید نے پوچھا،

"کیا مطلب یوسف کو تم اچھا آدمی نہیں سمجھتیں"؟

ریحانہ نے بے رخی سے جواب دیا،

"بالکل نہیں؟"

"تمہارے دل میں اس کی ذرا بھی جگہ نہیں ہے؟"

"کیوں ہو میرے دل میں ایک غیر مرد کی جگہ!"

"پھر تمہارا اس کا میل جول کیوں ہے؟"

"یہ بھی خوب رہی ——— میل جول کیوں ہے؟ اپنے ابا جان کے سابق منیجر سے میں کیوں خواہ مخواہ کی دشمنی مول لوں؟ اور پھر ان کا ٹھیک کیا ہے آج خفا ہیں کل خوش ہو جائیں، میں کیوں خواہ مخواہ کسی کی پیرن بنوں، اور بعد میں پچھتاؤں"

ناہید کے دل کا ایک بڑا بوجھ اتر گیا، وہ یوسف کو چاہنے لگی تھی، دیوانہ وار چاہنے لگی تھی، وہ اس سے محبت کرنے لگی، اور زندگی بھر کیلئے اسکی ہو رہنا چاہتی تھی، یوسف نے جب اس سے اظہار محبت کیا تھا، تو اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا تھا، بن مانگے اسے وہ دولت ملی جا رہی تھی جس کیلئے وہ اپنی ہر چیز قربان کر سکتی تھی، اس کی مسرت اور خوشی کی کوئی انتہا نہ رہ گئی تھی، لیکن رہ رہ کے اس کے دل میں ایک بات کھٹکتی تھی، کہیں ریحانہ یوسف سے محبت تو نہیں کرتی؟ کہیں میں اپنی صاف دل اور پاک نہاد سہیلی سے دھوکہ تو نہیں کر رہی ہوں، اس کے مال پر ڈاکہ تو نہیں ڈال رہی ہوں، ؟ اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا، کہ ریحانہ یوسف سے محبت کرتی ہے، تو بھی شاید وہ اپنی محبت سے اور یوسف سے دستبردار نہ ہوتی، لیکن ایک پھانس سی ضرور چبھتی رہتی ہمیشہ دل میں، لیکن آج ریحانہ کی صاف صاف باتوں نے یہ پھانس بھی نکالدی، اس کے دل کا بوجھ اتر گیا، وہ مطمئن ہو گئی، وہ سمجھنے لگی، اب یوسف میرا ہے صرف میرا، ناہید نے یوسف کی وکالت کرتے ہوئے کہا،

"لیکن تم اسے برا تو نہ سمجھو تم نہیں جانتیں وہ کتنا اچھا آدمی ہے"

"ہاں یوں تو وہ برا آدمی نہیں ہے، لیکن اس میں کم از کم میری نظر میں کوئی ایسی خوبی بھی نہیں دیکھتی، کہ اس کی خاص طور پر تعریف کی جائے، یا اس کا ذکر بڑھا چڑھا کر کیا جائے!"

ناہید نے مسکرا کر کہا،

"ہاں بھئی اپنی اپنی پسند ہے!"

ریحانہ نے پوچھا،

"تمہیں بہت اچھا لگتا ہے وہ؟"

"بہت اچھا، ایسا آدمی تو میری نظر سے آج تک نہیں گزرا ——

—— وہ آدمی نہیں، آدمی سے بھی بڑی کوئی چیز ہے!"

ریحانہ نے بے پروائی سے کہا،

"ہوگا"

ناہید بولی،

"ہوگا نہیں، تم اسے میری نظر سے دیکھو، تو تمہیں بھی نظر آنے لگے گا!"

ریحانہ بولی،

"نا بابا، اپنی اپنی نظر سبکو مبارک!"

وہ سمجھ رہی تھی، ناہید یہ ساری تمہید اس لئے اٹھا رہی ہے کہ مجھ سے یوسف کی تعریف کرالے، اور پھر شادی کا مسئلہ چھیڑ دے، وہ اس مسئلہ کو، ناہید اور یوسف کے چھیڑنے کے لئے، ابھی کچھ ٹالنا چاہتی تھی، تاکہ لطف لے، اور ان دونوں کو جی بھر کے پریشان کرے، وہ بولی،

"اب یوسف کے سوا کوئی اور ذکر بھی کرو گی، یا اسی کا کلمہ پڑھے جاؤ گی؟"

ناہید نے کہا،

"باتیں تو ہزار ہیں، لیکن اس وقت اس کا ذکر چھیڑ دیا تھا، تو اسی کی باتیں ہونے لگیں، لیکن ریحانہ تو اس کے بارے میں برا خیال کر کے یوسف بے چارے پر ظلم کر رہی ہے، میں چاہتی ہوں، اس کے بارے میں کوئی بھی بری رائے نہ رکھے"

ریحانہ نے کہا،

"اے واہ، تم تو خدائی فوجدار بن گئیں، ایک آدمی تمہیں اچھا لگتا ہے، تو ساری دنیا کو اچھا لگنے لگے، یہ بھی اچھی زبردستی ہے"!

ناہید نے کہا

"دیکھ ریحانہ کان کھول کے سن لے، تیرے باپ کی، یا ساری دنیا کی یوسف کے بارے میں اچھی رائے ہو یا بری، مجھے اس سے بحث نہیں

ریحانہ بات کاٹ کر بولی،

"لیکن میں اس کے لئے کلمۂ خیر کے سوا، کچھ اور نہ کہوں؟ کیوں یہی مطلب ہے نا تمہارا ــــــــ؟"

ناہید نے جواب دیا،

"ہاں یہی مطلب ہے!"

ریحانہ کی مسرت اس وقت حد قیاس سے خارج تھی، وہ سمجھ رہی تھی یوسف نے اپنے عشق کا ناہید کے سامنے ایسا ڈھنڈورا پیٹا ہے، اور اس کے سامنے ایسے اعلیٰ کردار و گفتار کا مظاہرہ کیا ہے کہ اس کی شان

میں قصیدے پڑھنے لگی ہے، ریحانہ یہی چاہتی تھی، اور یہی اس وقت نظر آ رہا تھا، پھر وہ خوش کیوں نہ ہوتی؟ وہ اچھی طرح جانتی تھی، میں اب ناہید کے قبضہ میں ہوں، اور ناہید یوسف کے حسن صورت اور حسن سیرت کے پھندے میں گرفتار ہو چکی ہے، لہٰذا میری اور یوسف کی شادی تو اب ایک طے شدہ حقیقت ہے، لیکن اس حقیقت کے بروئے کار آنے سے پہلے میں جتنی شرارت کر سکتی ہوں، اور جتنا ناچ ان دونوں کو نچا سکتی ہوں، اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھاؤں؟

ناہید ابتک ریحانہ کی طرف دیکھے جا رہی تھی، گویا وہ اس کے جواب کی منتظر تھی یہ دیکھ کر ریحانہ نے کہا،

"اچھا تمہاری خاطر سے میں غور کروں گی؟"

"غور؟"

"ہاں اپنی رائے پر نظر ثانی کروں گی"؟

"کیا مطلب؟"

"یوسف کو تمہاری آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کروں گی"!

یہ جواب سنکر ناہید کو بے ساختہ ہنسی آ گئی، اور، ریحانہ کے خوبصورت ہونٹوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا،

مجلس برخاست ہو گئی، ناہید اپنے کمرہ میں چلی گئی، اور ریحانہ اپنے کمرہ میں، ناہید نے، گوہر مقصود حاصل کر لیا تھا، اس لئے وہ لیٹتے ہی بے فکری کی نیند سو گئی، ریحانہ ابھی منزل مقصود سے دور تھی

لیکن قریب ہوتی جارہی تھی، قریب تر ہوتی جارہی تھی، وہ بھی خوش تھی، لیکن اس خوشی نے اس کی نیند اڑادی تھی،

بڑی دیر تک وہ عالم خیال میں، یوسف سے باتیں کرتی رہی، ——— وہی باتیں رازونیاز کی، عشق ومحبت کی، سپردگی اور ستائش کی، پھر نہ جانے کب وہ سوگئی!

انور کئی بار، ناہید کے در دولت پر حاضری دے چکا ہے، لیکن ہر مرتبہ بغیر ملے ہوئے، اسے واپس آنا پڑا، ناہید نے ایک دفعہ بھی اسے شرف باریابی نہیں عطا کیا، کبھی دردسر کا عذر ہے، کبھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کبھی کسی کام میں مصروفیت ہے، کبھی کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں کبھی شغل خواب ہے، غرض ہر مرتبہ کوئی نیا عذر سنکر اسے واپس جانا پڑتا ہے، اس کی سمجھ میں نہیں آتا یہ ماجرا کیا ہے، یا تو شادی کیلئے ناہید کی بقیراری، کا یہ عالم تھا، کہ وہ تن تنہا موتی پور پہونچ گئی، یا استغنا بے رخی، اور سرد مہری کی یہ کیفیت ہے کہ جب آؤ، گھر میں موجود ہونے کے باوجود، ملاقات سے کسی نہ کسی عذر لنگ کے سبب انکار،

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا!
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

وہ بار بار اس بے رخی کا سبب معلوم کرنا چاہتا تھا، لیکن جتنا سوچتا اتنا ہی پریشان ہوتا تھا، یہاں نہ کسی رقیب روسیہ کا اندیشہ تھا، اور نہ اعزا

اور اقربا کی کوئی فوج تھی، پھر آخر کس نے ناہید کو روک رکھا ہے کہ مجھ سے نہ ملے،؟

یہ سوچتے سوچتے، انور کے سامنے ریحانہ کی تصویر پھر گئی، اسے خیال آیا کہ جب تک ناہید ریحانہ سے نہیں ملی تھی، میری تھی، میرے لئے بیقرار تھی مجھ سے شادی کرنے پر مصر تھی، لیکن جس روز سے سبز قدم ریحانہ نے ناہید کے گھر میں قدم رکھا ہے، اسی دن سے وہ مجھ سے دور دور بھاگنے لگی ہے، معلوم ہوتا ہے اس اُلّو کی پٹھی نے خوب جی بھر کے میری برائیاں کی ہیں ناہید سے اور اس کا دل مجھ سے پھر گیا ہے، یہ سوچتے سوچتے ہمدردی کا وہ خفیف سا جذبہ جو انور کے دل میں ریحانہ کیلئے نقل مکان کے بعد، ایک روز اسے ناہید کے گھر جاتے دیکھ کر پیدا ہوا تھا، سخت و شدید نفرت میں پھر بدل گیا، اگر اسوقت ریحانہ اس کے سامنے ہوتی تو یقیناً پٹتی اور بری طرح پٹتی،

آج وہ پھر، ناہید سے ملنے اس کے مکان پہونچا، دستک دی ملازم باہر آیا، پوچھا،

"ناہید بیگم ہیں؟"

"ہیں"!

"انہیں اطلاع دو انور صاحب آئے ہیں"!

وہ کئی مرتبہ اطلاع دے کے جواب صاف لا چکا تھا، "انور صاحب" کے اس استقلال پر اسے ہنسی آگئی، لیکن اس نے ہنسی کو ضبط کر کے

صرف تبسم پر اکتفا کیا، اور اندر چلا گیا، انور نے اس کے تبسم کو دیکھ لیا، بہت غصہ آیا لیکن پرایا گھر تھا، شکار بھی سامنے موجود نہیں تھا، لہذا صبر جمیل پر بادل نخواستہ اکتفا کرنا پڑا،

برہمی اور اشتعال کے اسی عالم میں ملازم واپس آیا، اور آکر سامنے کھڑا ہو گیا، انور نے پوچھا،

"کیا جواب لائے؟"

وہ بولا،

"وہ تو سو رہی ہیں!"

انور کا خون کھول گیا، اس نے برہمی کے پورے جوش کے ساتھ پوچھا،

"ریحانہ ہے؟"

"ہیں ——— نہیں ہیں!"

انور نے جاہ و جلال کی پوری کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا،

"کہدینا اپنی بیگم صاحبہ سے، جب وہ خواب استراحت سے بیدار ہوں کہ میں شام کو پھر آؤں گا، اور ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا"

ملازم نے زیر لب تبسم کے ساتھ یہ جلے کٹے، فقرے سنے، اور جلدی سے اندر چلا گیا، ناہید نے اس سے پوچھا۔

"ہنس کیوں رہا ہے"؟

"بڑے خفا ہو کر گئے ہیں"!

"کیا کہہ رہے تھے"؟

"کہہ رہے تھے، رات کو پھر آؤں گا، اور بغیر ملے واپس نہیں جاؤں گا"!

"چل چل، اپنا کام کر ——— جا سن لیا"!

ملازم کے جانے کے بعد، ناہید سوچ میں پڑ گئی، وہ سمجھ رہی تھی، اس بے رخی سے انور سمجھ جائیگا، میں اس سے ملنا نہیں چاہتی، اور میرا پیچھا چھوڑ دیگا، لیکن وہ تو جھاڑ کا کانٹا بنکر میرے پیچھے پڑ گیا ہے، اس سے اپنا دامن کس طرح چھڑاؤں؟

ناہید اسی فکر میں غرق تھی کہ ریحانہ آتی دکھائی دی، اسے دیکھ کر ناہید نے ایک تبسم کے ساتھ اس کا استقبال کیا، وہ آکر پاس بیٹھ گئی، اس نے دیکھا اسوقت مسرت اور طرب کا سورج نہیں چمک رہا ہے، فکر اور پریشانی کے بادل چھائے ہوئے ہیں، پہلے مجھے دیکھتے ہی ناہید بلبل کی طرح چہکنے لگتی تھی، اور چھیڑ چھیڑ کر یوسف کا ذکر کیا کرتی تھی، آج خاموشی کیوں طاری ہے اس پر؟

یہ سوچکر اس نے کہا،

"کسی گہری سوچ میں دکھائی دیتی ہو، ہم سے بھی چھپاؤ گی ——— بتاؤ نا کیا بات ہے"؟

ناہید نے قدرے افسردگی کے ساتھ جوابدیا،

"سوچ رہی ہوں ———

ریحانہ بول پڑی،

"یہی تو پوچھ رہی ہوں کیا سوچ رہی ہو"؟

ناہید نے کہا،

"بات یہ ہے کہ ایک ہے عورت اس نے بے بسی کے عالم میں ایک مرد کو اپنا بنا لینا چاہا"!

"ہاں پھر"؟

"پھر یہ کہ وہ مرد اسے کبھی نہ چاہ سکا"!

"ہاں، آگے؟"

"مرد کی سرد مہری، اور عورت کے اشتیاق کے باوجود، حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ شادی کی بات چیت پکی ہو گئی"!

"پھر کیا ہوا"؟

"اس مرد نے اس عورت کو چھوڑ دیا، شادی بھی نہ کر سکا، ایک زمانہ گزر گیا اسی طرح"!

"ہاں پھر؟"

"کچھ ایسا اتفاق پیش آیا کہ دونوں کے راستہ کا پتھر ہٹ گیا، اور وہ مرد شادی کرنے پر تیار ہو گیا"

"بہت اچھا ہوا، اور؟"

"لیکن اب ایک بڑی سی مشکل آپڑی ہے"!

"وہ کیا"؟

"وہ یہ کہ عورت اتفاقاً ایک دوسرے مرد سے ملی، اور اسے اپنا ٹوٹا ہوا، اور زمانہ کا ستایا ہوا دل دے بیٹھی ——— بتاؤ ریحانہ کیا کرے وہ عورت؟"

"کرے کیا شادی کرلے!"

"اور پہلے کو چھوڑ دے؟ وعدہ توڑ دے"؟

"جب وہ اسے چاہتی نہیں تو جھوٹ موٹ کے وعدوں سے کیا ہوتا ہے ——— لیکن نئیں بھئی، وعدہ بڑی چیز ہے اسے نہیں ٹوٹنا چاہیئے، آدمی کا بھرم وعدے ہی سے ہے!"

"یہی تو پوچھتی ہوں، پھر کیا کرے وہ بیچاری عورت"؟

"اونھ، میں نئیں جانتی، کسی بڑے آدمی سے صلاح لو، یوسف سے پوچھ لو، تم تو بڑے گن گاتی ہو، اس کی عقل اور فہم کے لیکن یہ تو بتاؤ وہ عورت ہے کون؟ رہتی کہاں ہے؟ کرتی کیا ہے؟"

"ارے یہ سب پوچھ کر کیا کروگی؟"

"کچھ حرج ہے بتانے میں؟"

"حرج تو نہیں ہے، لیکن ضرورت بھی کیا ہے"؟

ناہید کا یہ جواب سنکر ریحانہ کو صدمہ ہوا، اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی، اسے شبہ ہو رہا تھا، ناہید مجھ سے کچھ چھپاتی ہے شاید وہ پورا بھروسہ نہیں کرتی مجھ پر!

اس گفتگو کے بعد، تھوڑی دیر تک ریحانہ بیٹھی رہی، پھر خاموشی

سے اٹھی، اور اپنے کمرہ میں چلی آئی،

ناہید پھر فکر میں پڑ گئی، اتنے میں یوسف آگیا، اسے دیکھتے ہی ناہید اپنی ساری پریشانی، اور فکر بھول گئی، جیسے سوکھے ہوئے پودے میں پانی پڑ جائے، اور وہ پھر سے سرسبز و شاداب ہو جائے، بالکل یہی کیفیت اسوقت ناہید کی ہوئی، وہ اپنا سارا غم بھول گئی، یوسف کو دیکھتے ہی اس کی باچھیں کھل گئیں، وہ کھڑی ہو گئی، اور بڑی گرم جوشی سے اسے اپنے پاس صوفے پر بٹھالیا،

بڑی دیر تک عشق و محبت اور، راز و نیاز کی باتیں، دونوں میں ہوتی رہیں، یوسف نے کہا،

"ناہید، کچھ میرا خیال بھی ہے تمہیں"؟

"دن رات اور خیال رہتا کس کا ہے؟"

"اگر یہ بات ہے، تو پھر ابتک میرے اور تمہارے درمیان دیوار کیوں حائل ہے؟"

"کیسی دیوار"؟

"جدائی کی دیوار"

"ٹوٹ جائے گی ایک دن"

"آخر وہ مبارک دن آئیگا کب؟ یہی تو پوچھ رہا ہوں"؟

"تو یہ اتنی جلدی کاہے کی ہے"

"کاش میرے سینہ میں تمہارا، اور تمہارے سینہ میں میرا دل

ہوتا، پھر میں یہی سوال تم سے کرتا!"

"یوسف زیادہ پریشان نہ کرو، اگر تم میرا سینہ چیر کر میرا دل دیکھو، تو محسوس کرو گے وہ تمہارے دل سے زیادہ تڑپ رہا ہے اس سے زیادہ زور سے دھڑک رہا ہے، اس سے زیادہ رو رہا ہے، لیکن یوسف کچھ مجبوریاں بھی تو ہوتی ہیں انسان کے ساتھ!"

"میں مجبوریوں کا قائل نہیں ہوں، تم چاہو تو ان مجبوریوں پر غالب آسکتی ہو!"

"آخر میں کیا کروں! کیا چاہتے ہو تم؟"

"صرف یہ کہ وہ جدائی کی دیوار، جو ہمارے تمہارے درمیان کھڑی ہوئی ہے، اسے توڑ دو، توڑ کر زمین کے برابر کر دو، تاکہ ہمارے دلوں کی طرح ہماری جان بھی ایک ہو جائے، میری صرف یہ تمنا ہے!"

"یہی تمنا میری بھی ہے، اور اس کے علاوہ سرے سے کوئی تمنا ہی نہیں رکھتی میں، لیکن جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں، کچھ مجبوریاں درپیش ہیں ان سے کسی طرح عہدہ برآ ہو لوں، تو تمہارے ارشاد کی تعمیل سر آنکھوں سے کروں گی،"

"تم تو مجھے باتوں میں بہلاتی ہو"

ناہید مسکرائی اس نے کہا،

"اوہ ہو، بڑے بچے باتوں میں بہل جائیں گے!"

یوسف نے کہا،

"عاشق بچے سے بھی زیادہ بھولا ہوتا ہے، اسے محبوب بڑی آسانی سے بہلا لیتا ہے!"

ناہید نے پھر طنز کیا،

"تو آپ عاشق ہیں ہمارے"

یوسف نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا،

"دریں چہ شک!"

ناہید ہنسی، کہنے لگی،

"ہر کہ شک آرد کافر گردد، ——— یہ بھی کہہ دیجئے"

یوسف نے جواب دیا،

"عشق صادق میں کوئی شک نہیں کر سکتا، اور اگر کرے تو وہ آدمی نہیں ———"

"حیوان ہے کیوں"؟

"حیوان سے بھی بدتر!"

دونوں ہنسنے لگے،

ناہید نے کہا،

"آؤ شطرنج کھیلتے ہو"؟

"فائدہ کیا؟"

"جی بہلے گا!"

"تم جانتی ہو، میں ہار جاؤں گا؟"

"یا میرے اللہ (اللہ) یہ کیوں! کیوں ہار جاؤ گے"؟

یوسف مسکرا کر بولا،

"یہی تو میری جیت ہے!"

"تو آپ جیتنے سے بھی گھبراتے ہیں، ایسے سمجھدار عاشق بھی دنیا میں کم پیدا ہوئے ہوں گے!"

"نہیں مانتی ہو، تو آؤ کھیل لیں دو چار ہاتھ!"

دونوں شطرنج کھیلنے لگے، اور بڑی دیر تک کھیلتے رہے، ناہید جیتتی رہی، اور یوسف ہارتا رہا، وہ پھر بازی بچھانے کو تھی، کہ یوسف نے گھڑی دیکھ کر کہا،

"سات بج گئے شام ہو گئی"

"بڑے سچے عاشق ہیں آپ، واقعی میں بھی مان گئی"

"میں سمجھا نہیں ذرا صاف صاف کہو"

"آپ کو یہ احساس ہے کہ وقت زیادہ گذر گیا، شام ہو گئی، دیر ہوئی جا رہی ہے، اور مجھ سے پوچھیے تو یہ معلوم ہو گا، ابھی ایک پل بھی نہیں گذرا ہے، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، آج شام وقت سے پہلے ہو گئی، گھڑی کی سوئی ضرورت سے زیادہ تیز چل رہی ہے ——
دیکھ لیا آپنے یہ ہے میرا اور آپ کا فرق، آداب عرض

نہ ہم سمجھے، نہ تم آئے کہیں سے

پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

یوسف نے ذرا جھینپ کر کہا،

"بڑی تیز ہو ناہید خدا کی قسم، تم سے بھلا کون جیت سکتا ہے"؟

"شکریہ اس بندہ نوازی کا —— اب زیادہ وقت ضایع نہ کیجیے، تشریف لے جایئے، دیر جو ہو رہی ہے، کوئی انتظار کر رہا ہو گا!"

"مجھ خانہ بدوش کا انتظار کون کرے گا؟ —— لیکن واقعی مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا، اب جاتا ہوں، کل انشاء اللہ در دولت پر پھر حاضری دونگا!"

یہ کہہ کر یوسف مسکراتا ہوا چلا گیا، اور ناہید بھی اسے ٹکٹکی باندھے اس وقت تک دیکھتی رہی، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا،

یوسف کے جانے کے بعد، انور کی دھمکی پھر اسے یاد آ گئی، وہ کانپ سی گئی، وہ انور سے ڈرتی نہیں تھی، اس کی ذلیل بھی نہیں تھی، لیکن وہ یہ سوچ رہی تھی، کہ اگر انور کا اور میرا سامنا ہو گیا، تو میں کیا کرونگی؟ کیا کہونگی؟ اگر شادی پر اس نے اصرار کیا، تو انکار کس بنیاد پر کروں گی؟ اس نے وجہ پوچھی تو کیا سبب بتاؤنگی؟ اس نے میرے گذشتہ عہد و پیمان یاد دلائے تو جواب کیا دونگی؟ یہ میں اس سے کس طرح کہونگی کہ میں نے تم سے محبت کبھی نہیں کی تھی، اپنی بے بسی سے گھبرا کر پناہ لینا چاہی تھی، تمہارے بجائے اگر شیطان بھی آدمی کے روپ میں میرے

سامنے آجاتا، تو میں اپنے ظالم چچا کی گرفت سے نکلنے کیلئے اس کی پناہ میں چلی جاتی، اگر میں اس سے یہ سچی بات کہدوں، تو وہ مجھے کتنا ذلیل اور خود غرض سمجھے گا؟ یا اللہ میں کیا کروں؟ تو مجھے عقل دے، تو میری رہنمائی کر؟

رات کا وقت ہے، ناہید اپنے کمرہ میں لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی ہے، اس کی یہ عادت تھی، رات کے کھانے سے فارغ ہو کر، وہ کتاب پڑھنے لگتی تھی، اور کتاب ہی پڑھتے پڑھتے سو جاتی تھی،

اتنے میں اسے محسوس ہوا، کمرہ میں کوئی شخص داخل ہوا ہے اس نے کتاب چہرہ سے ہٹا کر دیکھا، تو وہ انور تھا، وہ سنبھل کر بیٹھ گئی اس نے کہا،

"آیئے، تشریف رکھئے!"

"شکریہ اس حسن اخلاق کا!"

ناہید خاموش بیٹھی رہی، انور نے بگڑے ہوئے تیور سے کہا،

"میں کئی دفعہ آچکا ہوں، مگر تم ملنے سے پہلو بچاتی ہو، آج میں آ ہی گیا، آج تمہیں مجھ سے باتیں کرنی ہی پڑیں گی ——"

ناہید نے کہا،

"اچھا ہوا، آپ آگئے، فرمایئے کیا بات کہنی ہے آپ کو"؟

انور نے جھلا کر کہا،

"یہ تمہیں مجھ سے زیادہ معلوم ہونا چاہیئے تھا، لیکن اگر تم بھول گئی ہو تو میں یاد دلائے دیتا ہوں"

"فرمایئے، وہی تو سننا چاہتی ہوں"

"میں شادی کو تیار ہوں، کون سا دن مقرر کرتی ہو تم؟"

"کوئی سا بھی نہیں!"

"کیا مطلب؟"

"میں کوئی دن مقرر نہیں کرنا چاہتی!"

"تم شادی مجھ سے نہیں کرو گی؟"

"نہیں"!

"کیوں"؟

"اپنی مرضی، اپنا جی"

"لیکن آخر کیوں"؟

"پہلے تم نے مجھے ٹھکرایا تھا، اب میں تمہیں ٹھکراتی ہوں؟"

"میں تمہیں ٹھکرا سکتا تھا، لیکن تم مجھے نہیں ٹھکرا سکتیں"

"کیوں؟ کیا میں لونڈی ہوں کسی کی؟"

"لونڈی نہیں ہو، لیکن میرے ہاتھ میں ہو"

"میں کسی کے ہاتھ میں نہیں ہوں، میں اپنے ہاتھ میں ہوں"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے"

"غلط فہمی آپ کو ہے!"

"تمہاری گزشتہ زندگی میرے قبضہ میں ہے، اسے بے نقاب کر دوں گا"!

یہ سنکر ناہید کانپ گئی، لیکن اس نے سنبھل کر کہا،

"تو کیا ہوگا؟"

"لوگ تمہیں ذلیل اور آبرو باختہ سمجھیں گے، اس شہر میں، اس محلہ میں نہیں رہ سکو گی"

"میں جہاں سے آئی ہوں وہاں چلی جاؤں گی"

"تمہاری داستان حیات سنکر وہ لوگ بھی تم سے نفرت کرنے لگیں گے"

"میں کہیں روپوش ہو جاؤں گی"

"تو میں تمہارے فوٹو کے ساتھ اپنے تمہارے تعلقات کی داستان حیات شایع کرا دوں گا، اور ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کرونگا"!

"اس سے کیا ملے گا آپ کو؟"

"دل کی تسکین، ایک فائدہ تو یہ ہوا، اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہیں زندگی بھر بیوہ ہی کی حیثیت سے رہنا پڑیگا، جس سے بھی تم شادی کرنا چاہو گی، وہ تم سے نفرت کریگا ——— یاد ہے تم نے درجنوں خط مجھے لکھے تھے، جن میں محبت کا اقرار تھا، شادی کا وعدہ تھا، یاد ہے تم ہفتوں میرے ساتھ بیوی کی طرح رہ چکی ہو، جس آدمی

کو یہ سب باتیں تمہاری معلوم ہوں گی، وہ تم پر تھوگے گا بھی نہیں،
——— تم مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کی بھی نہیں بن سکتیں،
کہیں اور بھی سکھ نہیں حاصل کر سکتیں"

ناہید نے بڑے غمگین لہجے میں کہا،

"تم کیوں میرے پیچھے پڑے ہو، جب میں غریب تھی، میری التجائیں تم نے ٹھکرا دیں، اب میں امیر ہوں، تو مجھے زبردستی اپنے پلے باندھنا چاہتے ہو، یہ ظلم ہے!"

انور گرج کر بولا،

"ظلم بالکل نہیں ہے ——— میں تمہارے روپے میں ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہتا ——— تم یہاں کس لئے آئی ہو، تمہیں بتاؤ اسی لئے نا کہ مجھ سے شادی کرو؟ پھر اب اپنے قول سے پھر کیوں رہی ہو؟ ——— تاک لیا ہے کوئی اور آدمی؟ اگر یہ بات ہے تو اس آدمی کے سامنے بھی میں تمہارا پول کھول کر رہوں گا، پھر دیکھوں گا تم اس سے کیسے شادی رچاتی ہو!"

ناہید کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، اور انور بجلی کی طرح چمک چمک کر اور بادل کی طرح گرج گرج کر کہہ رہا تھا:-

"مجھ سے انکار کر کے، مجھے ٹھکرا کے، تم عزت کی زندگی نہیں بسر کر سکتیں، ابھی، اسی وقت، یہیں کسی گواہ کے سامنے تمہیں اقرار کرنا ہوگا، کہ تم مجھ سے شادی کرو گی، ورنہ ———"

ناہید نے روتے ہوئے کہا،

"بس کرو انور، میں وعدہ کرتی ہوں تم سے شادی کر لونگی"

"مگر یہ وعدہ کسی گواہ کے سامنے ہونا چاہیئے"!

ناہید نے جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھے، اور پھر چارپائی پر بیٹھے بیٹھے گھنٹی بجائی، خادمہ حاضر ہوئی، اس سے کہا،

"ریحانہ کو بلا لا، اسی کمرے!"

ریحانہ فوراً موجود ہوئی، اس نے دیکھا انور شیر کی طرح غصے میں بھرا ہوا بیٹھا ہے، اور ناہید بلی کی طرح سمٹی ہوئی اس کے سامنے موجود ہے، یہ منظر دیکھ کر وہ گھبرا گئی،

انور اٹھ کھڑا ہوا، اس نے ریحانہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا،

"ریحانہ ——— میں چاہتا ہوں تو بھی سن لے، کہ ناہید کا فیصلہ کیا ہے؟"

پھر وہ ناہید کی طرف متوجہ ہوا، اور کہنے لگا،

"تم مجھ سے شادی کرو گی"؟

ناہید نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا،

"اگر تم اس پر تلے ہوئے ہو تو کروں گی، شادی تم سے"

"گویا تم شادی کا اقرار کرتی ہو"؟

"ہاں!"

یہ کہہ کر ناہید نیم بے ہوشی کے عالم میں چارپائی پر دراز ہو گئی،

اور انور آہستہ آہستہ کمرہ سے نکلا، اور باہر چلا گیا،

تھوڑی دیر کے بعد، ناہید کے حواس ذرا درست ہوئے، تو ریحانہ اس سے باتیں کرنے لگی، اس نے کہا،

"میں ابا جان کو ایسا ظالم نہیں سمجھتی تھی، انہیں کیا حق تھا، کہ وہ تم سے زبردستی شادی کا وعدہ لیں، اور تم دب کیوں گئیں؟ کیوں کر لیا تم نے وعدہ؟"

ناہید نے بڑی بے چارگی کے ساتھ کہا،

"تم نہیں جانتیں ریحانہ!"

ریحانہ نے کہا،

"میں جاؤں گی ابا جان کے پاس، اور ان سے کہوں گی، کہ یہ اندھیر نہیں ہو سکتا، یہ زبردستی کی شادی ہے یہ نہیں ہو سکے گی"

ناہید نے گھبرا کر کہا،

"رہنے دو ریحانہ، کچھ مت کہو ان سے، ہونے دو جو کچھ ہو رہا ہے تم میری قسمت نہیں بدل سکتیں"

یہ کہہ کر وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، ریحانہ بھی اس کے ساتھ رونے لگی، مجبور اسی طرح مجبور کا ساتھ دے سکتا ہے۔

دوسرے روز، صبح کو، جب ریحانہ نے دیکھا کہ ناہید ناشتہ کی میز پر نہیں آئی، تو وہ اس کے کمرہ میں گئی، اور اسے دیکھ کر حیران رہ گئی، اس نے دیکھا، ناہید کئی دن کی بیمار معلوم ہوتی ہے۔

ریحانہ نے پوچھا،

"یہ کیا ہوا، تمہیں ناہید؟ تم تو بیمار معلوم ہو رہی ہو؟"

"جو کچھ ہوا، وہ تمہیں معلوم ہے؟ مجھے حیرت ہے، میرے دل کی حرکت کیوں نہ بند ہو گئی، کاش اب ہو جائے!"

"یہ نہ کہو ناہید، خدا تمہیں سلامت رکھے"

"ریحانہ یہی میرے لئے سب سے بڑی دعا ہو سکتی ہے ——— خیر اب تو جو کچھ خدا دکھائے گا، وہ دیکھنا پڑے گا، لیکن غم اور صدمہ نے مجھے ادھ موا کر دیا ہے، اگر میں تبادلۂ آب و ہوا کے لئے کسی سرد مقام پر نہ گئی، تو میں پاگل ہو جاؤں گی"

"ہاں بڑی اچھی رائے ہے، ضرور ہو آؤ ——— کب جا رہی ہو؟"

"آج ہی چلی جاؤں گی؟"

"کب تک آؤ گی"

"ایک ہفتہ میں ضرور واپس آ جاؤں گی"

"کہاں جا رہی ہو؟"

"سندر نگر"

"اچھا ہے ہو آؤ، خدا کرے تم خیریت سے جلد آؤ"

"لیکن دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھنا ریحانہ"

"کہو، جو کہو گی وہ کروں گی"

"ایک تو گھر کی ذرا دیکھ بھال رکھنا، دوسرے یہ کہ انور صاحب اگر آئیں، اور مجھے دریافت کریں، تو انہیں یقین دلا دینا کہ واقعی میری طبیعت خراب ہو گئی تھی، اور تبادلۂ آب و ہوا کی خاطر چند روز کیلئے باہر جانا ضروری تھا، سمجھ گئیں نا؟"

"ہاں سمجھ گئی، تم خدا کا نام لیکر سفر کی تیاری کرو۔"

اسی دن شام کو، ناہید سندر نگر چلی گئی،

دوسرے روز انور آیا، اس نے ریحانہ سے پوچھا،

"ناہید کہاں ہے"؟

اور ناہید نے جو تعلیم اسے دی تھی، اس پر حرف بہ حرف عمل کر کے اس نے انور کو یقین دلا دیا کہ وہ، دو چار روز میں ضرور آجائیں گی!

ناہید سندر نگر سے واپس آچکی ہے، اور نسبتہً شاداں و فرحاں ہے اب اس کے چہرہ پر فکر و تشویش کے آثار نہیں ہیں، اطمینان اور سکون خاطر کے اثرات نمایاں ہیں، جب وہ سندر نگر گئی تھی، تو ایسا معلوم ہوتا تھا، لب گور مریض ہے، چہرہ زرد، آنکھیں پرنم، حواس معطل، آج واپس آئی، تو ایسا معلوم ہوا سینی ٹوریم سے کوئی مریض صحت مند، اور توانا ہو کر واپس آیا ہے، رنگ سرخ، آنکھیں چمکدار، لبوں پر تبسم، باتوں میں شوخی، اور بذلہ سنجی،

ناہید کی یہ تبدیلی دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی ریحانہ کو ہوئی، اسے یقین ہو گیا، ناہید نے غم کا مقابلہ کر کے اسے شکست دیدی ہے، اس نے ناہید سے کہا،

"خدا کا شکر ہے تمہیں آج پھر خوش اور مسرور دیکھ رہی ہوں، ورنہ میں تو ——————"

"ناہید نے بات کاٹ کر کہا،

"ورنہ تو تو میری زندگی سے مایوس ہو چکی تھی کیوں"؟

یہ کہہ کر بڑے پیار سے اس نے ریحانہ کے رخسار پر ایک ہلکی سی چپت لگائی، ریحانہ نے ایک تاثر کے ساتھ کہا،

"سچ، مجھے بڑی فکر تھی، راتوں کی نیند اور دن کا چین اڑ گیا تھا اسی فکر میں"

ناہید بولی،

"اس دنیا میں ایک تو ہی تو ہے جو میری سچی ہمدرد ہے، میں بھی تیری طرح بدقسمت ہوں، جب سے پیدا ہوئی ہوں، ٹھوکریں کھا رہی ہوں، ٹھوکریں زمانہ کی، قسمت کی، دوستوں کی، عزیزوں کی ——"

یہ کہہ کر ناہید کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے، ریحانہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا،

"جو شروع میں روتا ہے وہ آخر میں ہنستا ہے، غم اور صدمہ کے دن بیت گئے، خوشی اور مسرت کا زمانہ آگیا!"

ناہید نے کہا،

"خدا کرے ایسا ہی ہو، —— غم سہتے سہتے اور دکھ جھیلتے تھک گئی ہوں اب تو، اگر اب بھی خوشی نہ ملی تو میں واقعی زندہ نہ رہ سکوں گی"

"ایسی بدفالی کی باتیں منہ سے کیوں نکالتی ہو ناہید"؟

"ڈر لگتا ہے اپنے مقدر سے"!

"اچھا چھوڑ دو یہ باتیں، چلو ذرا دریا کے کنارے ٹہل آئیں —— جب سے تم گئی ہو، میں گھر میں سے باہر بھی نہیں نکلی ——"

ناہید نے بڑی پیار کی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا،

"ہاں چلو ذرا گھوم آئیں!"

دونوں ٹہلنے چلی گئیں، چہل قدمی سے فارغ ہو کر، دونوں ساتھ ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، مسکراتی ہوئی، ہنستی ہوئی اور باتیں کرتی ہوئی واپس آ رہی تھیں کہ سامنے سے ایک مست بیل سینگ اٹھائے ہوئے ان دونوں کی طرف لپکتا ہوا نظر آیا، معلوم ہوتا تھا، چھید لیگا انہیں اپنے سینگوں میں، دونوں پر اضطراب اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہو گئی، ناہید بھاگی، اور ریحانہ پاس کے ایک چھوٹے سے پیڑ پر چڑھ گئی، ایسا معلوم ہوتا وہ اسی درخت کی ایک ٹہنی ہے،

عین اس وقت کہ ناہید اس کی زد میں آچکی تھی، انور نمودار ہوا اور اس نے اپنا وہ مضبوط ڈنڈا جو ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہتا تھا، زور سے بیل کی پیٹھ پر مارا جس سے وہ بلبلا گیا اور بھاگ کھڑا ہوا،

بیل بھاگ گیا، لیکن ناہید کے حواس ابتک پراگندہ تھے، انور نے اسے سنبھالا، اور اس کے گھر اسے پہونچانے کیلئے چلا، ناہید نے گھر پہنچکر کہا،

"میں تمہارے اس احسان کا بدلہ کسی طرح ادا نہیں کر سکتی"

انور نے بے پروائی سے کہا،

"احسان کاہے کا؟"

ناہید شکر گزاری اور احسان مندی کے جذبہ کے ساتھ بولی،

"تمہی نے اسوقت میری جان بچائی ہے، ورنہ میرے ہلاک ہونے میں رہ کیا گیا تھا"؟

"چھوڑو ان باتوں کو ناہید ——— تم بھی تو میری جان بچا چکی ہو ایک بار، یاد ہے ناجب میں بیمار پڑا تھا ——— چلو بھئی حساب کتاب برابر ہو گیا!

ناہید نے، اصل موضوع کو پھر قایم رکھتے ہوئے کہا،

"لیکن تم یہو یچ کیسے گئے اس وقت؟"

"تم سے کچھ ضروری اور اہم باتیں کرنا تھیں، تمہارے گھر آیا، تم تھیں نہیں، واپس جارہا تھا، کہ یہ حادثہ نظر سے گذرا ——— ناہید میں نے ایک فیصلہ کرلیا ہے!"

"کیسا فیصلہ"؟

"میں زبردستی تم سے شادی نہیں کروں گا، تمہیں مہلت دونگا تم اطمینان سے رائے قایم کرو، کہ مجھ سے شادی کرسکتی ہو یا نہیں ——— لیکن میرا ایک کام تمہیں کرنا پڑیگا"

"ضرور کروں گی کہو"

"وعدہ کرتی ہو؟"

"ہاں وعدہ کرتی ہوں"

"کام یہ ہے کہ"

"ہاں ہاں! کہو نا!"

"سیٹھ مرلی دھر کو تم جانتی ہو نا؟"

"ہاں ہاں خوب اچھی طرح!"

"ادھر کچھ عرصہ سے برابر مجھے ٹوٹا آرہا ہے، نقصان پر نقصان ہو رہا ہے، میں بہت قرضدار ہو گیا ہوں، سب سے بڑی رقم اسی مرلی دھر کی ہے، اور وہ کر رہا ہے تقاضہ"

"تو روپیہ چاہیئے تمہیں؟ مجھ سے لے لو، جتنا چاہو!"

"یہ میری خودداری کے منافی ہے، جس عورت سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں، جسے میں اپنی بیوی بنانا چاہتا ہوں، اس سے نہ اب روپے لے سکتا ہوں نہ پھر کبھی"

"پھر میں کیا مدد کرسکتی ہوں تمہاری!"

"تم باتوں باتوں میں مرلی دھر کو یہ سنا دو کہ بہت جلد ہماری تمہاری شادی ہونے والی ہے، تم میری رفیقۂ حیات بننے والی ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ وہ مہینہ بیس دن مجھ سے تقاضہ نہیں کریگا، اتنے عرصہ میں میں بندوبست کرلوں گا، اور اس کی ایک ایک پائی بیباق کردونگا"

ناہید نے اضطراب اور تشویش کے ساتھ کہا،

"تم مجھ سے کیوں نہیں لے لیتے روپیہ!"

انور نے ذرا تیکھے پن سے کہا،

"یہ نہیں ہو سکتا"

ناہید نے کچھ تامل کے بعد، کچھ سوچتے ہوئے کہا،

"تو اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی؟"

انور نے ناہید کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا،

"آخر مرلی دھر سے یہ بات کہہ دینے میں حرج ہی کیا ہے؟ کچھ شادی تو نہیں ہو جائے گی ہماری تمہاری؟"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن"

"لیکن ویکن کچھ نہیں، بس یہی ٹھیک ہے، جو میں کہہ رہا ہوں!"

"تم نہیں جانتے انور"

"کیا نہیں جانتا؟ کوئی راز ہے اس نہ کہنے میں؟"

"ہاں!"

انور چونکا، اس نے کہا،

"کیسا راز؟"

ناہید گھبرا گئی، اس نے کہا،

"راز ہے یا نہیں؟ اس سے بحث نہیں، اصل بات یہ ہے کہ میں مرلی دھر کے سامنے اس طرح کی بات نہیں کر سکتی!"

انور نے ذرا برہمی کے ساتھ کہا،

"یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کیوں؟ آخر کس لئے؟"

ناہید نے ایک مجرم کی طرح دبی زبان میں کہا،

"وہ جانتا ہے سب کچھ!"

انور نے حیران ہو کر پوچھا،

"کیا جانتا ہے"؟

ناہید نے بڑی مشکل سے اپنے اوپر قابو پا کر سہمے ہوئے انداز میں کہا،

"یہ کہ میری شادی ہو چکی ہے!"

انور کو اس جواب کی توقع نہیں تھی، وہ چکرا گیا، اس نے عجیب اضطراب اور پریشانی کے عالم میں پوچھا،

"شادی ہو چکی ہے، تمہاری شادی"؟

ناہید نے نگاہ نیچی کر کے جواب دیا،

"ہاں!"

انور نے غصہ کو ضبط کرتے ہوئے پوچھا،

"کب؟ کس سے؟ کہاں؟"

ناہید نے، بڑے سکون سے جواب دیا،

"سندر نگر میں ——— یوسف سے! ——— مرلی دھر بھی ہماری شادی میں شریک تھا ——— مجھے معاف کر دو انور، میں اب یوسف کی بیوی بن چکی ہوں، پھر بھلا مرلی دھر سے میں کیسے کہہ سکتی ہوں، کہ تمہارے ساتھ میری شادی ہونے والی ہے؟"

ناہید کی زبان سے یہ الفاظ سنکر، انور کے دل پر ایک بجلی سی گر پڑی، اُسے ایسا معلوم ہوا، اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکلی جا رہی ہے اس کا سر چکرا گیا، وہ ایک ایسے حادثہ سے دوچار ہوا، جس کا اسے وہم وگمان بھی نہیں تھا،

وہ سوچنے لگا یوسف اور ناہید کی مڈبھیڑ کیسے ہوئی، ان دونوں میں محبت کے پینگ کیسے بڑھے؟ اس کے غصہ، برہمی، اشتعال کی اس وقت کوئی حد نہ تھی، اگر اس وقت اس کے ہاتھ میں چاقو ہوتا، تو شاید وہ اسی وقت اور یہیں فیصلہ کر دیتا لیکن بے بس تھا، تنہا تھا، اور پرائے گھر میں تھا،

وہ غصہ کے عالم میں کھڑا ہو گیا، اس نے کہا،

"تم نے شادی کر لی، یوسف سے شادی کر لی، حالانکہ وعدہ مجھ سے تھا، یہ دھوکا، یہ فریب، یہ جھوٹ ——— لیکن تم مجھ سے بچکر نہیں جا سکتیں، میں تمہیں مزا چکھا دوں گا، اس بدمعاشی کا، مجھے تم سمجھتی کیا ہو؟ میں سب کچھ کر سکتا ہوں، میں سب کچھ کر کے رہوں گا!"

ناہید یہ جلی کٹی باتیں سنکے رونے لگی، اس نے کہا،

"جو چاہو مجھے کہہ لو، لیکن میں نے تمہیں فریب نہیں دیا!"

"دھوکہ نہیں دیا؟ کیا مطلب؟ ——— اور دھوکہ کسے کہتے ہیں؟"

"میری سن تو لو انور!"

"کہو! ——— میں جانتا ہوں، تم باتیں بنانا خوب جانتی ہو"

ناہید نے اس طنز کا جواب دیئے بغیر کہا:-

"تمہاری دھمکی سنکر میں نے شادی کا وعدہ کر لیا تھا!"

"یہاں تک تو مجھے بھی معلوم ہے، آگے؟"

"لیکن جس روز میں نے تم سے شادی کا وعدہ اور فیصلہ کیا تھا، اس دن ایک بڑھیا دروازہ پر بھیک مانگتی ہوئی، مجھے ملی، میں نے اسے بھیک دینے سے انکار کر دیا، کیونکہ میں پیشہ ور فقیروں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی،

یہ کہہ کر ناہید ذرا کے ذرا رکی، انور نے کہا،

"کہے جاؤ"!

"بڑھیا نے میرے انکار پر ایک زور کا قہقہہ لگایا، میں نے ہنسی کا سبب دریافت کیا، تو اس نے زہر خند کرتے ہوئے کہا"

"جس مردوے کے پالے پڑ رہی ہو، اس کی صحبت میں رہ کر یہ سنگدلی نہیں سیکھو گی تو اور کیا سیکھو گی بی بی"

مجھے حیرت ہوئی کہ اس سے اس کا کیا مطلب ہے، میں نے کہا،

"تم کیا جانو، میں کس کے پالے پڑی ہوں، اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ سنگدل ہے؟"

وہ پھر مسکرائی، زہر میں بجھی ہوئی مسکراہٹ ——— اس نے

پھر آج پندرہ برس پہلے کی تمہاری اور فریدہ کی ساری سرگذشت سنائی یہ سنکر میں لرز گئی، ——— ریحانہ کے ساتھ تمہارے سنگدلانہ برتاؤ کی تاویل کر لی تھی، کہ تم کسی وجہ سے پسند نہیں کرتے کہ یوسف سے اس کی شادی ہو، لیکن فریدہ کے ساتھ تمہارے سلوک کا داستان سنکر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، میں کانپ اٹھی، میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں وعدے سے پھر جاؤں گی، اور تم سے شادی نہیں کرونگی، میں سوچنے لگی، کہیں میرا بھی وہ ہی حشر نہ کرو، جو فریدہ کا کر چکے ہو، جو ریحانہ کا کر رہے ہو، کہیں ایسا نہ ہو تمہارے پھندے میں پھنسکر میں یوسف کو بھی نہ کھو بیٹھوں، اور تمہارے گھر سے بھی نکالدی جاؤں یہ وجہ تھی کہ میں نے وعدہ توڑا، اور یوسف سے تمہارے بجائے شادی کر لی، شادی میں جلدی اس وجہ سے کی کہ میں پھر کہیں ڈانوا ڈول نہ ہو جاؤں، کہیں پھر تمہاری دھمکیاں تمہیں پاؤں ڈگمگا نہ دیں۔"

انور نے پوچھا،

"وہ بڑھیا کون تھی؟"

"میں نہیں جانتی، مجھ سے تو وہ یہ کہہ رہی تھی، رنگ پور کی رہنے والی ہے، وہاں کے میلہ میں اسی کی دکان میں فریدہ کو بے خطا بے قصور شراب کے نشہ میں چھوڑ دیا تھا ——— اب اس کا کوئی نہ رہ گیا، دکان بھی تباہ ہو گئی، بھیک مانگتی ہوئی یہاں آئی، اور اتفاق سے تمہیں میرے ہاں آتے جاتے دیکھ لیا!"

"تم نے کیوں یقین کر لیا اس کی باتوں پر؟"

"یقین نہ کرنے کی وجہ کیا تھی انور؟ ——— میری آبرو اب تمہارے ہاتھ ہے، تم ایک شریف انسان ہو، یوسف سے میری پچھلی زندگی کا حال کہہ کر، مجھے تباہ نہ کر دینا!"

انور بڑی دیر تک کچھ خاموشی کے ساتھ سوچتا رہا، پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا،

"اوہ! یہ یوسف کی ——— میرے دشمن کی ——— بیوی تھی جسے آج میں نے مرنے سے بچایا، ؟"

ناہید بول اٹھی،

"ہاں ——— زندگی بھر ہم دونوں تمہارا یہ احسان مانیں گے!"

"شکریہ ——— لیکن ابھی ایک احسان اور باقی ہے تمہاری جان بچا کر میں نے تم پر احسان کیا؟ اب یوسف کی جان بچا کر میں اس پر احسان کروں گا!"

"خدا نہ کرے، انہیں کیا خطرہ ہے؟"

"بہت بڑا خطرہ ہے!"

ناہید گھبرا گئی اس نے کہا،

"کچھ کہو تو"

"میں اس کی جان اس طرح بچاؤں گا کہ تمہاری پچھلی زندگی کھول

کر رکھ دوں گا اس کے سامنے، اب تک میں اس کا دشمن تھا، لیکن اس معاملہ میں اس کا دوست بن جاؤں گا!"

ناہید نے حسرت بھرے لہجے میں سوال کیا،

"لیکن اس سے تمہیں کیا مل جائیگا؟"

"بہت کچھ!"

"ایک مصیبت زدہ کی زندگی تباہ و برباد کر کے تمہارا کیا بھلا ہوگا!"

"یہ میں جانتا ہوں"

"الزام یہ نہ کرو"

"ضرور کروں گا"

"مجھ پہ رحم کرو"

"بے رحموں پر رحم نہ کرنا ہی عین رحم ہے!"

"میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو"

"لیکن یہ نمک میں نے تمہارے ہی نمکدان سے لیا ہے!"

"میرے اجڑنے سے تم آباد نہ ہو جاؤ گے!"

"مجھے اجاڑ کر تم بھی آباد نہیں رہ سکتیں، یہی تو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں!"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"اپنے ارمانوں کی طرح، تمہارے ارمانوں کی بربادی جس طرح تم نے میری امید کے محل کو زمین کے برابر کر دیا، اسی طرح میں چاہتا

ہوں کہ تمہارا عشق و محبت کا قلعہ اڑا اڑا کر دھم کر کے زمین پر آ رہے، تم سزا کی مستحق ہو ——————"

"تو دے لو سزا جو چاہو!"

"سزا وہی ملے گی جو میں چاہوں گا، جو پسند کروں گا، جو میں نے طے کی ہے!"

"رحم کرو مجھ بدنصیب پر"

"اس کا وقت گزر گیا!"

"میں تمہارا سارا قرضہ ادا کرنے کو تیار ہوں"

"شکریہ، نوازش، عنایت!"

"بتاؤ کتنا روپیہ چاہیئے تمہیں؟"

"افسوس ہے ناہید، میں تمہاری اس سخاوت اور دریا دلی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا!"

"یہ سخاوت اور دریا دلی نہیں ہے!"

"پھر؟"

"معاوضہ!"

"میری زبان بندی کا؟"

"ہاں"

"رشوت"؟

"یہی سہی!"

انور نے بپھر کر کہا،

"ہرگز نہیں، یہ نہیں ہو سکتا، میں ایک پائی بھی تم سے قبول نہیں کر سکتا، میں تباہ و برباد ہو جانا منظور کر لوں گا، لیکن یہ نہیں کر سکتا کہ یوسف کی جورو کا صدقہ قبول کر لوں، اس کی خیرات سے اپنا کام چلاؤں"

"تم اسے صدقہ اور خیرات کیوں سمجھتے ہو!"

"پھر کیا سمجھوں!"

"ایک دوست کی مدد سمجھ لو، ہماری تمہاری شادی نہیں ہو سکی یہ سچ ہے لیکن دوستی کا رشتہ تو بہر حال قایم ہے!"

"دوستی!——— وہ رشتہ بھی ٹوٹ گیا ناہید!"

"یہ نہ کہو انور!"

"کیسے نہ کہوں؟ منافقت سے کیوں کام لوں؟ حقیقت کو کیوں چھپاؤں؟ سچی بات کیوں نہ کہوں!"

کچھ دیر تک دونوں خاموش بیٹھے رہے، انور کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، اور ناہید یاس و حرمان کی تصویر بنی بیٹھی تھی

وہ بولی،

"تم میری زندگی تباہ کر کے جب اپنی زندگی سنوار نہیں سکتے، تو چھوڑ دو مجھے میرے حال پر، زندگی بھر تمہارا احسان مانونگی!"

"یہ نہیں ہو سکتا، یہ کبھی نہیں ہو سکتا!"

ناہید اٹھی، اور انور کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگی، وہ

چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا، پھر اس نے آہستہ سے ناہید کا سر اٹھایا، اور کہا!

"یہ کیا کر رہی ہو ناہید"؟

"اس کے سوا اور کیا کر سکتی ہوں؟ شاید اسی طرح تمہیں رحم آجائے!"

"تم نے بہت بڑا جرم کیا ہے، ناقابل معافی، اور ناقابل فراموش ——— لیکن کوشش کروں گا کہ میں اسے بھول جاؤں ——— کوشش کروں گا، وعدہ نہیں کرتا!"

یہ کہہ کر انور باہر چلا گیا، اور ناہید اسے شکر سنگا ہوں سے دیکھتی رہ گئی!

ناہید اور یوسف کی شادی ہوگئی، دونوں کے دل بہت پہلے سے مل چکے تھے، اب دونوں کی روحیں بھی ایک ہوگئیں، لیکن دوئی اور فراق کا ہلکا سا پردہ اب بھی حائل تھا، دونوں الگ الگ رہتے تھے، یوسف اپنی قیام گاہ پر اور ناہید اپنے مکان میں طے ہوا تھا، کہ کسی روز یوسف ناہید کے گھر منتقل ہو جائے گا، اور اسی روز چند مخصوص احباب کی ایک دعوت کی جائے گی، اور وہیں اعلان کر دیا جائیگا، کہ ناہید اور یوسف ایک دوسرے کے مالک بن چکے ہیں،

ناہید اب تک صرف انور کی دہشت سے رکی ہوئی تھی، اب بڑی حد تک یہ کانٹا بھی نکل چکا تھا، انور اگرچہ ان دونوں کا دشمن تھا لیکن چلتے وقت اس نے وعدہ کیا تھا، کہ اس جرم کو وہ بھول لینے کی، معاف کر دینے کی کوشش کریگا، ناہید جانتی تھی، انور خواہ کتنا ہی جھلا اور آشفتہ مزاج آدمی ہو لیکن ہے وضع دار آدمی، اب کم از کم وہ ناہید کی رسوائی اور ذلت کا موجب نہ بنے گا، اس احساس کے بعد یوسف کی جدائی

اسے کھلنے لگی، ایک پل ایک ایک برس کی طرح گزر رہا تھا، آج جب یوسف آیا تو وہ ضبط نہ کر سکی، اس نے کہا،

"آخر کب تک ہم دونوں الگ الگ رہیں گے،"؟

یوسف نے ایک فتحمند تبسم کے ساتھ جواب دیا،

"عجیب اتفاق ہے، یہی بات تو میں بھی پوچھنے آیا تھا ——— اب تو قائل ہوگئیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے"؟

"اس کی قائل میں کب نہ تھی؟"

"تو پھر اپنے دوستوں کو آج شب کے کھانے پر مدعو کر دوں"؟

"آج ہی؟"

"اور کیا نیک کام میں دیر کلہے کی؟"

در کار خیر، ہیچ حاجت استخارہ نیست"،

ناہید نے ایک دل آویز تبسم کے ساتھ کہا،

"آج کی مرضی ہے، تو آج ہی سہی!"

"تو میں اب جاتا ہوں، اپنا سامان ابھی بھجوائے دیتا ہوں، خود شام کو آجاؤں گا، اور رات کو اچھا خاصہ جشن رہے گا!"

"اوہ، تم تو بڑے بیتاب ہوئے جا رہے ہو!"

"استقلال عورت کا حصہ ہے مرد کا نہیں!"

یہ کہہ کر جواب کا انتظار کئے بغیر وہ قہقہہ لگاتا چلا گیا، یوسف کے جانے کے بعد، ناہید کو گھر کے سجانے کی فکر ہوئی،

اس نے ملازمین کو بلایا، اور ہدایت دی کہ دو گھنٹہ کے اندر سارا گھر آئینہ کی طرح صاف کر دیا جائے، اس حکم کی فوراً تعمیل شروع ہو گئی،

ریحانہ بالاخانہ پر اپنے کمرہ میں بیٹھی ہوئی تھی، اس نے سوچا، بڑی دیر سے ناہید سے ملاقات نہیں ہوئی ہے، جاؤں مل آؤں جا کر، یہ سوچکر وہ نیچے اتری، تو اس نے دیکھا گھر کا نقشہ بدلا ہوا ہے، سارے گھر کی صفائی بڑے اہتمام و انہماک کے ساتھ ہو رہی ہے، ہر ہر چیز سلیقہ اور خوبی کے ساتھ سجائی جا رہی ہے، وہ ناہید کے کمرے میں یہ سارا منظر تعجب اور حیرت سے دیکھتی ہوئی آئی، تو یہاں آ کر دیکھتی کیا ہے کہ خود ناہید بھی سولہ سنگار اور بارہ ابرن کی تیاریاں کر رہی ہے، اب تو ریحانہ کو اور حیرت ہوئی کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اسے دیکھ کر ناہید نے کہا،

"آج تو ذرا آدمی بنو؟"

"تو اب تک تم مجھے حیوان ہی سمجھ رہی تھیں"؟

"میرا مطلب یہ ہے کہ ذرا نہا دھو کر اچھے اچھے کپڑے پہن لو"

"آخر کیوں؟"

"آج دعوت ہے؟"

"کس کی؟"

"چند مخصوص دوستوں کی"

"کس لئے؟ کس کی؟"

"آج رات کی دعوت میں سب کچھ معلوم ہو جائیگا تجھے، پہلے تو آدمی

تو بن آ!"

ریحانہ ناہید کے کمرہ سے نکل ہی رہی تھی کہ ملازم آیا، اور اس نے اطلاع دی یوسف میاں کا سارا سامان آ گیا ہے، کہاں رکھوا دوں،؟ یہ سنکر ناہید کا چہرہ وفور مسرت سے تمتما اٹھا، اس نے کہا، اسی کمرہ کی بغل میں جو کمرہ ہے اس میں سارا سامان رکھ کر اچھی طرح سجا دو، پلنگ، بستر، الماری، میز کرسی، ہر چیز ایسے سلیقہ سے سجانا، کہ میں انعام دینے پر مجبور ہو جاؤں،

ریحانہ جاتے جاتے ٹھٹک گئی تھی، یہ باتیں سنکر وہ اور متحیر ہوئی اس نے پوچھا،

"یوسف اب یہاں رہا کریں گے!"

"ہاں، یہیں"

"کیوں!"

ناہید مسکرائی، اور بولی،

"پھر وہی کیوں! ارے پگلی کہہ تو رہی ہوں، آج رات کی دعوت میں تجھے سب کچھ معلوم ہو جائے گا،! ——— بس یونہی گھڑی میرا منہ تکتی رہنا، مہمان آنا شروع ہو جائیں گے، اور تم یونہی لونڈی کی لونڈی سی بنی رہنا!"

اب ریحانہ مسکرائی، اور تیزی سے اپنے کمرہ کی طرف لپکی، وہ سمجھ گئی، کیا معاملہ ہے؟ یوسف یہاں کیوں اٹھ آیا ہے؟ آج رات کو دعوت کا اہتمام کس لئے ہو رہا ہے؟ معلوم ہوتا ہے، یوسف نے رو دھو کر

کہہ سنکر، ناہید کو راضی کر لیا ہے کہ وہ اس کی شادی میرے ساتھ کر دے ناہید یہ جانتی ہی ہے کہ میں اس کے ہاتھ میں ہوں، اسی اعتماد پر اس نے یوسف کو بھی یہیں اٹھوا بلایا، اور آج کی مجلس میں ہماری نسبت کا اعلان کر دے گی، ذرا دیکھو تو ناہید کی شرارت، بند بند باتیں کر رہی ہے صاف صاف کھل کے نہیں کہتی، ابھی نہیں بتائے گی، دعوت میں بتلائے گی، گویا ہم کچھ سمجھتے ہی نہیں، بڑا مزہ آجائے اگر اس بھری دعوت میں، میں یوسف کی توہین کر دوں، اور کہدوں، حضت ہوا کھائیے، آپ ہیں کس خیال میں؛ مجھے منظور نہیں ہے یہ نسبت؛ منہ اتر جائے گا، ان کا بھی اور ناہید کا بھی، لیکن، توبہ توبہ یہ میں کیا سوچ رہی ہوں، کہیں ایسا ہو سکتا ہے میں ناہید یا یوسف کی توہین کر سکتی ہوں؛؟ اپنے محبوب اور اپنے محسن کا جی دکھا سکتی ہوں، بس اب مذاق اور شرارت کا دور ختم ہو گیا، آج رات سے حقیقت اور واقعہ کا دور شروع ہو گا، آج ہے حقیقی معنی میں میری قسمت اور زندگی کا فیصلہ آج کا دن کتنا مبارک ہے؛ ہر چیز پر بہار ہی بہار نظر آ رہی ہے، آج میں قائل ہو گئی کہ بہار و خزاں ذہنی کیفیتیں ہیں، ہم خوش ہیں، تو خزاں بھی بہار ہے، ہم رنجیدہ ہیں تو بہار بھی خزاں ہے۔

وہ یہی سوچ رہی تھی کہ نیچے سے ناہید کی آواز آئی،

"ریحانہ اترو گی، یا اوپر ہی بیٹھی رہو گی؟"

ریحانہ نے جواب دیا،

"ابھی آتی ہوں ناہید"

لیکن یہ "ابھی" دو گھنٹہ میں ختم ہوا، ریحانہ خود ہی دلہن تھی، اور خود ہی مشاطہ، آئینہ میں اپنے حسین و جمیل اور ملائکہ فریب، لیکن سادہ حسن کو دیکھ دیکھ کر شرما بھی رہی تھی، اور ایک نو آموز ایکٹرس کی طرح اپنا بناؤ سنگار بھی اپنے ہاتھوں کر رہی تھی، اپنے بناؤ سنگار میں جتنا کمال وہ صرف کر سکتی تھی، سب کا سب صرف کر دیا، اب وہ مطمئن ہو کر نیچے اتری، اور شاداں و فرحاں، ناہید کے کمرہ میں داخل ہوئی،

ریحانہ ناہید کے کمرہ میں یہ سمجھکر داخل ہوئی تھی کہ اسے دیکھتے ہی ناہید بے ساختہ کہہ اٹھے گی، آج تو تم قیامت بنکر آئی ہو، آنکھ نہیں ٹھہرتی تمہارے جمال دلفریب کو دیکھ کر، یہ سوچ کر، اور شاید اس کا کوئی جواب بھی سوچکر، وہ قبل از وقت متبسم کناں ناہید کے کمرہ میں پہونچی، لیکن یہاں پہنچکر اس نے دیکھا، ناہید موجود نہیں ہے،

وہ حیران ہو کر باہر نکلی، یہ کمرہ دیکھا وہ کمرہ دیکھا، مگر کہیں نہیں تنے میں ملازمہ سامنے آئی، اس سے دریافت کیا،

"ناہید کہاں ہیں"؟

"وہ تو تھوڑی دیر ہوئی باہر گئیں!"

"باہر؟"

"ہاں یوسف میاں کے ساتھ!"

یوسف کے ساتھ؟"

"ہاں!"

"کہاں؟ کچھ معلوم ہے"؟

"میں یہ تو نہیں جانتی کہ کہاں گئے، دونوں باقی یوسف میاں کہہ رہے تھے، چلو، دوستوں کو دعوت دے آئیں چل کر!"

"اوہ، میں سمجھ گئی!"

یہ کہہ کر وہ پھر بیساختہ طور پر مسکرا دی، اس نے ملازمہ سے پوچھا، "تجھے معلوم ہے دعوت کاہے کی ہے؟ کیوں ہے؟"

"میں کیا جانوں بی بی! ——— کہہ رہی تھیں آج شام کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا!"

ریحانہ پھر مسکرائی، اس نے کہا،

"مجھے معلوم تو ہے لیکن بتاؤں گی میں بھی نہیں شام ہی کو معلوم ہوگا!"

یہ کہہ کر، وہ مسکراتی ہوئی پھر بالاخانہ پر اپنے کمرہ میں چلی گئی، اور ملازمہ حیرت سے اسکا منہ تکتی رہ گئی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، یہ کیا معمہ ہے؟ کیسا راز ہے؟ اس کا افشا اور انکشاف رات کی دعوت ہی پر کیوں منحصر ہے؟

ریحانہ اپنے کمرہ میں آئی، اور آرام کرسی پر لیٹ کر، ایک ناول پڑھنے لگی، ناول پڑھتے پڑھتے، اس پر غنودگی طاری ہوئی، اور وہ سو گئی، وہ سوئی اور اسکا بخت خفتہ کچھ دیر کیلئے بیدار ہو گیا، اس نے دیکھا، ایک شاندار محفل میں یوسف دولہا بنا بیٹھا ہے، ایک آراستہ

پیراستہ کمرہ میں وہ دلہن بنی بیٹھی ہے، ناہید اس کے بال سنوار رہی ہے اور اسے لبھا رہی ہے اور کہہ رہی ہے،

"کیوں آج تمہاری حسرت پوری ہو گئی"؟

"کیسی حسرت؟"

"یوسف کو پا لیا تم نے؟ وہ ہو گیا تمہارا!"

وہ ابھی کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ قاضی صاحب آئے، اور انہوں نے رسم نکاح پوری کر دی، پھر یوسف آیا، اور اس نے کہا،

"کہو ریحانہ، آخر میں نے تمہیں پا لیا نا! ——— میں نہ کہتا تھا ایک روز تمہیں چھین لونگا!"

"میں تو ہمیشہ سے تمہاری ہوں، چھینی تو وہ چیز جاتی ہے جو کسی غیر کے قبضہ میں ہو ——— لیکن یوسف تمہارے بہروپ کی داد دیتی ہوں، ناہید کو تم نے خوب شیشہ میں اتارا، اگر تم اسے ہموار نہ کر پاتے، تو واقعی اس آسانی سے ہم دونوں ایک نہیں ہو سکتے تھے"

یوسف نے محبت بھرے لہجہ میں کہا،

"اب مشکلوں کا دور ختم ہو گیا، راحتوں کا دور شروع ہو گیا

"———

اتنے میں کسی نے، زور سے اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑا، ریحانہ کی آنکھ کھل گئی، وہ دیکھتی کیا ہے، تیر نظر، اور خنجر ابرو، آراستہ، پیراستہ ناہید سامنے کھڑی ہے، ریحانہ کھڑبھڑا کر آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی

اس نے کہا،

"نیند بھی کیا چیز ہے ——— تم چلی کہاں گئی تھیں"؟

"مہمانوں کو ——— اپنے دوستوں کو ——— مدعو کرنے چل کچھ لوگ آگئے ہیں، کچھ آنے والے ہیں، نیچے بیٹھ!"

"چلتی ہوں ——— اللہ قسم تم تو آج دلہن معلوم ہو رہی ہو، کیسی سج رہی ہو، جی چاہتا ہے، بلائیں لے لوں تمہاری!"

ناہید بیٹھ گئی، اس نے کہا،

"آج جلسہ میں جو اعلان ہوگا، وہ تو ہوگا، لیکن اس سے پہلے میں تجھے ایک خوش خبری سنانا چاہتی ہوں!"

ریحانہ اطمینان سے بیٹھ گئی اس نے کہا،

"سناؤ!"

ناہید نے سنجیدگی کے ساتھ کہا،

"یاد ہے وہ کہانی جو ایک عورت کی میں نے سنائی تھی"؟

"ہاں یاد ہے ——— وہی عورت جو پہلے مرد کو چھوڑ کر ———"

"ہاں ہاں وہی!"

"تو کیا ہوا اسے؟"

"اس نے شادی کر لی"

ریحانہ نے بیساختگی کے ساتھ پوچھا،

"کر لی؟ کس سے؟ پہلے مرد سے؟"

یہ کہتے کہتے ریحانہ کی نظر ناہید کی انگلی پر پڑی، جس پر شادی کی نئی انگوٹھی جگمگا رہی تھی، اس نے جوش مسرت سے بیتاب ہو کر کہا

"آہا، سمجھ گئی ——— تم ہو، وہ عورت"؟

ناہید نے جواب دیا،

"ہاں، ٹھیک سمجھیں تم، میں ہی ہوں وہ عورت!"

ریحانہ نے خوش ہو کر کہا،

"تو تم نے ابا جان سے شادی کر ہی لی، اب بڑے مزے سے ہم سب کی زندگی گزرے گی، میں سمجھ گئی یوسف کو تم نے اسی لئے اپنے ہاں بلا لیا ہے، کہ ان کی ابا جان سے صفائی کرا دو ——— اور پھر ——— ابا جان نے سچ مچ بیچارے پر بڑا ظلم کیا تھا!"

ناہید خاموش تھی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا، ریحانہ نے شکوہ سنج ہو کر کہا،

"لیکن تم نے چپ چپاتے کیوں کر لی شادی! مجھے بھی نہیں بتایا ——— ——— جاؤ ہم نہیں بولتے تم سے!"

ناہید کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ ملازمہ آئی، اور اس نے کہا،

"یوسف میاں نے کہا ہے سب مہمان آگئے ہیں، آپ کا اور ریحانہ بی بی کا انتظار ہو رہا ہے، جلدی آئیے!"

یہ سنتے ہی، ناہید کو گویا ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی

اس نے ریحانہ سے کہا،

"میں چلتی ہوں، تم بھی جلد آؤ"

یہ کہہ کر وہ چلدی، ریحانہ نے کہا،

"ادھر تم پہونچیں ادہر میں آئی"

ریحانہ آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے بال درست کرنے لگی، اس کا دل کہہ رہا تھا، آج کا دن بڑا مبارک ہے، ابا جان کو، ناہید جیسی شریف، تعلیم یافتہ اور سلیقہ شعار، بیوی مل گئی، اور مجھے یوسف سا خوبصورت، اور خوب سیرت شوہر مل گیا، واقعی ناہید بڑی عقلمند عورت ہے، عین ایسے موقع پر اس نے یوسف کو بلایا ہے، اور ایسی دعوت میں میری اس کی نسبت کا سوال چھیڑنے کا ارادہ کیا ہے کہ ابا جان دل میں چاہے پیچ و تاب ہی کیوں نہ کھائیں، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے، قایل ہو گئی، میں تو ناہید کی،

جب وہ کمرہ سے باہر نکلی، تو اس کے دل نے پوچھا،

"یوسف کے سامنے بے حجاب آجاؤ گی؟ اس سے گھل مل کے باتیں کرو گی،"؟

ریحانہ نے کچھ تامل کے بعد اپنے دل کو جواب دیا،

"یوسف کے سامنے بھی آؤں گی، اور اس سے گھل ملکر باتیں بھی کروں گی، میں اپنے دل کا چور ظاہر کیوں کروں، نہ ابا جان نے ابھی تک منظوری دی، نہ ناہید نے مجھ سے باقاعدہ اس نسبت کا ذکر کیا،

میں تو گویا بالکل انجان ہوں، جب یہ کیفیت ہے تو میں خواہ مخواہ اپنے اندر جھجک پیدا کر کے اپنے دل کی کمزوری اور اپنے آرزوؤں کی بیتابی کیوں ظاہر کروں!

ریحانہ، نیچے پہونچی، تو جو چند مخصوص مہمان بلائے گئے تھے، آچکے تھے، ریحانہ یوسف کے داہنے ہاتھ پر بیٹھی اور ناہید بائیں ہاتھ پر، میز پر کھانا چنا جا رہا تھا،

یوسف اور ریحانہ میں باتیں شروع ہو گئیں، یوسف نے کہا،

"تم آخر اوپر کیا کرتی ہو؟ جب بھی میں آیا، میں نے یہی سنا تم اوپر ہو، بہت کم ایسا ہوا ہے کہ تم نیچے اتری ہو، اور ہماری اور ناہید کی مجلسوں میں شریک ہوئی ہو!"

ریحانہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا،

"اب آپکو یہ شکایت نہیں ہوگی، اب اتنا دخل در معقولات کیا کرونگی آپ گھبرا جائیں گے!"

یوسف نے کہا،

"تمہاری یہ خاموشی، اور گوشہ نشینی دیکھ کر، میں تو کبھی کبھی دل ہی دل میں گھبرا اٹھتا تھا، کہ کہیں خفا تو نہیں ہو؟"

ریحانہ نے ویسے ہی مسکراتے ہوئے جواب دیا،

"واہ خفا کیوں ہوتی؟"

یوسف مسکرایا، اور بولا،

"انور صاحب کی لڑکی اگر خواہ مخواہ بھی خفا ہو جائے، تو تعجب نہیں کرنا چاہیئے!"

"بہت بڑھنے لگے ہیں آپ!"

"کیا ہوا؟"

"اباجان کی برائی میں نہیں سن سکتی"

"یہ برائی کہاں ہے یہ تو ذکر خیر ہے!"

ریحانہ نے مفاہمت آمیز لہجہ میں کہا،

"اب بھول جائیے، پچھلی باتیں، وہ ذرا جذباتی آدمی ہیں، ورنہ دل کے برے نہیں ہیں، آپ تو آپ دیکھئے مجھ سے بھی روٹھے ہوئے ہیں!"

"یہ تو میں جانتا ہوں اسی لئے ان سے نفرت نہیں کرتا"

"میرا خیال ہے وہ بھی آپ سے نفرت نہیں کرتے، صرف خفا ہیں _____ لیکن آج یہ خرخشہ بھی ختم ہوا جاتا ہے، اب انہیں صلح کرنی ہی پڑے گی، آپ سے بھی اور مجھ سے بھی _____"

یہ عجیب بات سنکر یوسف کو حیرت ہوئی، وہ اس کا سبب دریافت کرنے ہی والا تھا، کہ شیخ تراب علی صاحب "مرچنٹس ایسوسی ایشن" کے صدر کھڑے ہوئے، اور سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

شیخ صاحب نے پہلے تمہید کے طور پر کھنکھارا پھر تقریر شروع کر دی انہوں نے کہا،

حضرات!

ہم مخصوص دوستوں کا یہ اجتماع ایک بہت ہی اہم اور پرمسرت اجتماع ہے ہم یہاں دو ہستیوں کو ان کے دائمی ارتباط پر مبارکباد دینے کے لئے جمع ہوئے ہیں،

یوسف صاحب کے ذکر خیر کی ضرورت نہیں آپ سب جانتے ہیں، وہ کیسی دلفریب اور اثر انگیز شخصیت کے مالک ہیں، وہ اس شہر میں تنہا اور بے یار و مددگار آئے تھے، لیکن اپنی ذہانت اور صلاحیت کے بل پر آج وہ شہر کے ممتاز ترین سوداگر ہیں، اور میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کا مستقبل حال سے بھی کہیں زیادہ روشن اور تابناک ہے۔"

حاضرین نے تالیاں بجا کر، شیخ صاحب کی تائید کی، انہوں نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:-

"یوسف صاحب کی وجہ سے آپ حضرات محترمہ ناہید بیگم سے بھی واقف ہو چکے ہیں"!

اس موقع پر ناہید کا نام سنکر ریحانہ ذرا چونکی، شیخ صاحب نے فرمایا۔

"موصوفہ، اپنی ذہانت، فراست تعلیم، ہر اعتبار سے ہمارے طبقۂ خواتین کیلئے باعث فخر ہیں، دل کی غنی

ہیں، قومی امور میں دل کھول کر چندہ دیتی ہیں"
حاضرین نے پھر تالی بجائی، شیخ صاحب نے سانس لیکر کہا،
"سمندر نگر کے پر فضا بنگلہ میں آج سے پندرہ روز پہلے
یوسف صاحب اور ناہید کا نکاح ہوا، میں بھی حسن
اتفاق سے وہیں تھا، میں نے وہیں یوسف صاحب
اور ناہید بیگم سے مخصوص احباب کی دعوت کا وعدہ
لیا تھا، اور اس عقد نکاح کے اعلان کو اسی دعوت
پر منحصر رکھا تھا، مجھے خوشی ہے کہ آج وہ وعدہ پورا
ہوا، اور مجھے امید ہے آج آپ میرے ساتھ ہم زبان
ہو کر دعا کریں گے کہ خدا اس محبت کرنے والے جوڑے
کو، اطمینان، عافیت، اور مسرت کی زندگی بسر کرنے
کی توفیق عطا فرمائے"

تقریر ختم ہوئی، اور کمرہ شور مسرت سے گونج اٹھا،!

سب یوسف اور ناہید کو مبارکباد دینے میں لگے تھے، ریحانہ کے
ستے ہوئے اترے ہوئے چہرہ کو کسی نے نہیں دیکھا، یہ اعلان سنکر ریحانہ کو
ایسا معلوم ہوا جیسے زمین دھنس رہی ہے، اور اس کے ساتھ وہ بھی دھنسی
جا رہی ہے، ابتک وہ اس محفل طرب کا نغمۂ جاں فزا بنی ہوئی تھی، لیکن
اب وہ صرف ایک ساز شکستہ تھی، جس سے کوئی نغمہ نہیں نکل سکتا، وہ
سوچ رہی تھی، یہ کیا ہو گیا، کیسے ہو گیا! جس بات کا وہم و گمان بھی

نہیں تھا، وہ کیسے واقع ہو گئی، یوسف نے مجھے چھوڑ دیا، اور ناہید کو لے
لیا، ناہید نے میرے ارمانوں کی تربیہ، اپنی آرزؤں کا قلعہ تعمیر کر لیا، یا اللہ
میں زندہ کیوں ہوں، کیا حرکت قلب بند ہونے کا اس سے بہتر بھی کوئی
موقع ہو سکتا ہے؟

ریحانہ کا جی چاہ رہا تھا، کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے، اور سارے گھر کو
سر پر اٹھالے، نوحہ و شیون کرے، سینہ کوبی اور ماتم زنی سے اس خوشی
کی محفل کو، غمکدہ بنا دے، اتنا روئے اتنا روئے کہ آنسوؤں سے جل تھل
بھر دے، ایک طوفان لے آئے اور رنگ و بو، عیش و طرب، مسرت و
شادمانی کی یہ دنیا اس میں غرق ہو جائے،

یہ سوچتے سوچتے ریحانہ سنبھلی اس نے دل ہی دل میں کہا، لیکن یہ
میری کمزوری ہے میں اگر اس غم کو سہ نہیں سکتی، تو خودکشی کر سکتی ہوں،
لیکن مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ میں رنگ میں بھنگ ڈالوں، اور نغمہ و ترنم
کی اس محفل کو، نوحہ و شیون کا مرکز بنا دوں، میں نے یوسف کو چاہا، یوسف
مجھے نہ چاہ سکا، ناہید نے یوسف کو چاہا، اور اس کی چاہ حاصل کر لی، اس
میں نہ یوسف کا قصور ہے، نہ ناہید کی خطا، جو ہونا تھا ہو چکا، جو ہونے
والا ہے، وہ ہو کر رہے گا، انسان مقدر سے لڑ نہیں سکتا،

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے!

ہم کچھ سوچیں، لیکن ہمارے اور قدرت کے سوچنے میں اگر فرق
ہو، اختلاف ہو، تو ہم ہار جاتے ہیں، اور جیت قدرت ہی کی ہوتی ہے

میری زندگی، اور مجھ جیسے نہ جانے کتنے بدقسمتوں کی زندگی قدرت کی ستم ظریفی کا ہدف بنی ہوئی ہے اور جب تک قدرت ہی نہ چاہے، ہمارا طالع بد ہمارے ساتھ ہی رہے گا،

ریحانہ کو اپنے افسردہ چہرہ اپنی مغموم آنکھوں، اپنی غیر حالت پر شرم آرہی تھی، اس نے سوچا، میری یہ کیفیت اگر کچھ دیر اور قایم رہی تو سب لوگ بھانپ لیں گے، سمجھ جائیں گے، یہ خوش خبری، میرے لئے پیام الم ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیئے، میں اس بھرے مجمع میں ناکامی کی شرم ناکام محبت کی شرم برداشت نہیں کر سکتی، مجھے سنبھلنا چاہیئے، مجھے اپنے اوپر اپنے جذبات پر قابو پانا چاہیئے،

قوت ارادی بڑی چیز ہے، یہ سب سوچ سمجھ کر واقعی ریحانہ نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کر لیا، اپنی آہ گلوگیر کو پی گئی، اپنے اترے ہوئے رنگ کو واپس لے آئی، اپنے مردہ ہونٹوں پر اس نے پھر تبسم کی رونق پیدا کر لی، اپنی غمگین اور پرنم آنکھوں میں پھر وہ شوخی اور شرارت کی چمک لے آئی،

اس نے بڑی گرم جوشی اور تپاک سے ناہید اور یوسف کو مبارکباد دی، آخر تک اس محفل نشاط میں شریک رہی، رات گئے، جب یہ مجلس برخاست ہوئی، تو وہ پورے سکون و اطمینان، اور جذبات نشاط و مسرت کے ساتھ بالاخانہ پر اپنے کمرہ میں گئی، اور وہاں جاتے ہی اپنے قسمت کو رونے لگی، ع

اس کے سیل گریہ میں گردوں کف سیلاب تھا

اس کا دل ہاتھوں اچھل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابل رہے تھے۔ اس کے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور یہ بہتے ہوئے آنسو تیل کا کام کر رہے تھے۔ آگ بھڑک رہی تھی، بھڑکتی جا رہی تھی،

صبح ریحانہ کی آنکھ کھلی تو اسے یکسر اپنی دنیا ہی بدلی ہوئی نظر آئی، زندگی میں ہر شخص شیریں خواب دیکھتا ہے، کچھ خواب اس نے بھی دیکھے تھے، اور ان خوابوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل، خواب وہ تھا، جو اس نے یوسف کا دیکھا تھا، اس خواب کو وہ حاصل حیات سمجھ رہی تھی، لیکن یک بیک اس حاصل زندگی سے اسے دستبردار ہونا پڑا، اپنی سب سے بڑی پونجی اپنی آنکھوں کے سامنے، اسنے لٹتی دیکھی، لیکن کچھ نہ کر سکی،

ناہید کا گھر ریحانہ کو کاٹنے دوڑتا تھا، اس گھر میں اسے کتنا سکھ کتنا چین، کتنا آنند ملا تھا، ؟ اسے وہ عافیت اور اطمینان کا قلعہ سمجھے ہوئے تھی، لیکن اسی گھر میں، اب اس کی تمنائیں پامال ہو رہی تھیں، اُرزوئیں لٹ رہی تھیں، سکھ برباد ہو رہا تھا، جسے وہ اپنا سمجھتی تھی وہ غیر کا ہو چکا تھا، جسے وہ دوست سمجھتی تھی، وہی مار آستین نکلا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نہ گلا کر سکتی تھی، نہ شکوہ، نہ وہ ناہید کی خطا سمجھتی تھی، نہ یوسف کا قصور اسے کھوٹ اپنی ہی قسمت کی نظر آتی تھی،

پھر اب کیا ہو؟ وہ سوچتی تھی، اس گھر سے مجھے فوراً نکل جانا چاہیئے چھوڑ دینا چاہیئے اسے، لیکن جاؤں کہاں! باپ تھا، اور صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں، اس کا دروازہ پہلے ہی بند ہو چکا ہے، ایک ناہید مل گئی تھی، جس نے سہارا دیا تھا، میرے ٹوٹے ہوئے دل کو، میری اجڑی ہوئی زندگی کو، اب اگر اسے بھی چھوڑ دوں تو جاؤں کہاں!

وہ ناہید کے پاس بیٹھتی تھی، لیکن کھوئی کھوئی سی، خاموش خاموش سی، اپنی اس کمزوری پر جھلاتی تھی، غصہ کرتی تھی، لیکن انصاف کی بات ہے، روتی ہوئی آنکھیں ہنس کیسے سکتی ہیں؟ مرجھایا ہوا پھول کھل کیسے سکتا ہے، ؟ اجڑا ہوا باغ آباد کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ کوشش کرتی تھی، کہ اپنا سوز دروں کسی پر منکشف نہ ہونے دے، اپنے دل کی چوٹ کسی کے سامنے ابھرنے نہ دے، لیکن اس مقصد میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہو پاتی تھی، اس نے سوچ لیا تھا، جب تک وہ اس گھر میں ہے، نہ سوز دروں کم ہو سکتا ہے نہ اس کی تجلی جب تک یہاں قیام ہے، غم اور ناکامی کی یہ مصیبتیں برداشت کرنا ہی پڑیں گی،

وہ یوسف کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچاتی بھی تھی، اور یوسف کے سامنے اسے آنا بھی پڑتا تھا، وہ بھی ملول اور افسردہ حالت میں نہیں شادماں اور مسرور بنکر، ناہید کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے وہ شرماتی تھی، لیکن اس کا فرض تھا، کہ وہ ناہید سے دن میں کئی بار

ملے، اور جب بھی ملے، اس کے سامنے سراپا النشاط و طرب بنکر جائے یا تنا بڑا ابتلا تھا، جسے آسانی کے ساتھ سر کر لے جانا آسان نہیں تھا وہ تو کہئے وہ بدقسمت ماں کی بدقسمت لڑکی تھی، ماں کی آغوش میں اس نے غم کے جھیلنے اور دکھ کے سہنے کی تربیت حاصل کی تھی، اسلئے چار و ناچار، یہ سب کچھ وہ سہ لیتی تھی، لیکن اگر اس کے بجائے کوئی اور ہوتا تو وہ یقیناً ان صدموں کی تاب نہیں لا سکتا تھا،

وہ زیادہ وقت بالاخانہ پر اپنے کمرہ میں بسر کرتی تھی، اور بسر کرنا چاہتی تھی، لیکن ناہید کی طلبی، اور یوسف کا ذوق بزم آرائی اس کوشش میں برابر مخل ہوتا رہتا تھا، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن، والا معاملہ تھا،

نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے

دل گرفتگی کے عالم میں ریحانہ ایک روز گھر سے باہر نکلی، ماں کی قبر پر آج جاکر وہ پھر بہت روئی، جب اسے کوئی نیا غم پہونچتا تھا، جب کسی خلاف توقع صدمہ سے وہ دوچار ہوتی تھی، ملاّ کی دوڑ مسجد، سیدھی ماں کی قبر پر پہنچتی تھی، اور وہاں جی بھر کے روتی تھی، اور جب ذرا جی ہلکا ہو جاتا تھا، تو واپس چلی آتی تھی، آج جب وہ وہاں سے واپس آرہی تھی، تو اس سرا کے سامنے سے گزری جہاں پہلے پہل وہ اپنی ماں کے ساتھ آکر ٹھہری تھی، جہاں پہلے پہل یوسف سے اس کی ملاقات ہوئی تھی، یہاں پہونچکر وہ ذرا کے ذرا رکی اور ٹھٹکی، وہ آگے بڑھ رہی

تھی کہ روشن اس کی سابق ملازمہ سامنے آتی ہوئی دکھادی، اس نے ریحانہ کو جو دیکھا، تو بہت خوش ہوئی، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اسے آنکھوں میں بٹھالے، ریحانہ اور روشن تقریباً ہم عمر تھیں اسی لئے فریدہ نے اسے صرف، ریحانہ کی دیکھ بھال، اور مصاحبت کیلئے معقول تنخواہ پر نوکر رکھ لیا تھا۔ پھر جب انور کے دل آزار طرز عمل کے سبب ریحانہ نے وہ گھر چھوڑ دیا، تو روشن کا بھی وہاں جی نہ لگا، اور اس نے بھی وہاں کی ملازمت ترک کر دی، پھر دونوں میں کوئی ملاقات نہیں ہوئی، آج ایک عرصہ کے بعد خلاف توقع اور اچانک ملاقات ہوئی، دونوں کے دل خوش ہوئے اور ایک مسرت کی لہر سی دوڑ گئی دونوں کے چہرہ پر،

روشن نے کہا،

"آج تو میرے لئے، عید کا دن ہے!"

ریحانہ نے افسردگی کیساتھ کہا،

"محرّم کو دیکھ کر عید مناتے تمہیں کو دیکھا روشن!"

وہ بولی،

"اے واہ خدا نہ کرے، یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"ہاں روشن یہی بات ہے!"

"میں بالکل نہیں سمجھی!"

"تم سمجھ کر کیا کروگی، ------ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں دوسروں کو پناہ دیتی تھی، اور ایک یہ زمانہ ہے کہ دوسروں کی پناہ مجھے ڈھونڈنا

پڑتی ہے!"

"ہوا کیا آخر میں بھی تو سنوں!"

"کچھ نہیں، باپ نے گھر سے نکال دیا، ایک سہیلی کے ہاں ٹھہری ہوئی تھی، اب وہاں کا دروازہ بھی بند ہوتا جا رہا ہے میرے لئے!"

یہ کہتے کہتے، ریحانہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور روشن تو باقاعدہ رونے لگی، ریحانہ نے اپنے آنسو ضبط کرتے اور روشن کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

"تو روتی کیوں ہے؟ مجھے دیکھ سہہ رہی ہوں ہر غم، میں تو روتی نہیں، اور تو صرف میری بپتا سنکر رونے لگی!"

"جس کا نمک کھایا ہے، جس کے قدموں میں زندگی بسر کی ہے، اس کی بپتا سنکر اگر رونا نہ آئیگا، تو کیا ہنسی آئے گی!"

یہ کہہ کر روشن پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائی، اور بولی،

"ایک بات کہوں مان لوگی؟"

"کیا بات ہے؟"

"پھر تم (سرا کی طرف اشارہ کرکے) یہاں کیوں نہیں اٹھ آتیں؟"

ریحانہ نے پھیکی ہنسی ہنسکر کہا،

"یہاں کس بہتے پر اٹھ آؤں، یہاں تو کوٹھری کا کرایہ بھی دینا پڑتا ہے، اور کھانے کے دام بھی!"

"تم کچھ نہ دینا اٹھ آؤ یہاں!"

"یہ تو تو ایسے کہہ رہی ہے، جیسے یہ سرا تیری ہی ہو!"

روشن مسکرائی، اور بولی،

"ہاں میری ہی ہے!"

"اس کی مالک تو ایک بڑھیا تھی وہ کیا ہوئی؟"

"مر گئی؟"

"وہ تیری کون تھی؟"

"مرنے سے کچھ دن پہلے میری ساس بن گئی تھی"!

"اوہ یہ معاملہ ہے!"

روشن کی ترغیب سے ریحانہ اس پر راضی ہو گئی، کہ سرا میں اٹھ آئے روشن نے وعدہ کر لیا تھا کہ کشیدہ کاری اور سلائی کا کام اسے لاکر دیتی رہے گی، تاکہ وہ خود اپنے مصارف کی کفیل ہو سکے، کیونکہ ریحانہ نے یہ کہدیا تھا، کہ میں تمہارے کہنے سے اس سرا میں چلی تو آؤنگی لیکن کرایہ بھی دونگی، اور کھانے کے دام بھی، وہ اس پر راضی ہو گئی تھی،

یہاں سے فارغ ہو کر، ریحانہ گھر پہنچی، اور، راستہ بھر یہ سوچتی رہی کہ ترک اقامت کا عذر ناہید کے سامنے کیا پیش کرے گی؟ اگر اس نے اصرار کیا تو اس سے ضد کیسے کرے گی؟ اگر آمنا سامنا ہوتے وقت اس نے میری آنکھیں پڑھ لیں، تو میں کیا کرونگی؟ اور اگر کہیں یوسف سے ملاقات ہو گئی، اور اس کے کانوں تک میرے دل کی دھڑکن پہونچ گئی

تو پھر کیا ہوگا۔؟

لیکن دروازہ کے اندر قدم رکھتے ہی، یہ ساری، پریشانیاں دور ہو گئیں، وہ ہمت کر کے سیدھی ناہید کے کمرہ میں گئی لیکن وہ وہاں نہیں تھی، باہر نکلی تو ملازمہ ملی، اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یوسف میاں کے ساتھ پکنک کو گئی ہیں، شام تک آئیں گی، یہ سنکر ریحانہ خوش ہوئی اس نے کہا،

"میں باہر جا رہی ہوں وہ آئیں تو بتا دینا!"

"باہر؟ کہاں؟"

"تجھے ان باتوں سے کیا مطلب؟ ——— اچھا میں تجھے خط لکھ کر دے دوں گی، وہ ناہید کو دیدینا!"

ملازمہ باہر چلی گئی، اور ریحانہ اپنے کمرہ میں جا کر اپنا سامان درست کرنے لگی، سامان ہی کیا تھا، چند جوڑے کپڑے ایک کہنہ صندوق، پھر خود باہر جا کر، ایک قلی ڈھونڈ لائی اور اس کے سر پر یہ مختصر سا سامان رکھوا کر چل پڑی، ملازمہ پھر سامنے آ گئی، اس نے کہا،

"اگر وہ خفا ہوئیں کہ کیوں جانے دیا تو نے تو؟"

"واہ، خفا کیوں ہوں گی، کوئی میں بچہ ہوں، اور یہ خط جو دیئے جا رہی ہوں!"

یہ کہہ کر ریحانہ نے، ایک خط ملازمہ کے ہاتھ پر رکھ دیا اور چلی گئی روشن اس کی منتظر ہی تھی: اس نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور

سات نمبر کی کوٹھری میں پہونچا دیا، اس کوٹھری میں قدم رکھتے ہوئے، ریحانہ کا دل لرز رہا تھا، یہ وہی کوٹھری تھی جس میں یوسف رہتا تھا یہیں سب سے پہلی بار اس نے یوسف کو دیکھا تھا، اور اسے اپنا دل دے بیٹھی تھی، کتنی خوشگوار یادیں اس کوٹھری سے وابستہ تھیں اس نے گھبرا کر روشن سے کہا،

"کوئی اور کوٹھری نہیں خالی ہے؟"

"کیوں؟"

"میں اس میں نہیں رہنا چاہتی"

"ابی تو ہوادار ہے!"

"ہے تو لیکن مجھے اچھی نہیں لگتی!"

"اچھا دو چار دن تو کاٹ لو کسی طرح، پھر کوئی دوسری کوٹھری خالی ہو جائے تو وہاں چلی جانا!"

ریحانہ خاموش ہو گئی، اور روشن اس کا سامان ٹھیک کرنے لگی ریحانہ نے اس کا ہاتھ بٹانا چاہا، لیکن اس نے جھٹک دیا، بولی:

"یہ نہیں ہو سکتا، میں تمہارے مکان میں بھی تمہاری خادمہ تھی، اور اپنے مکان میں بھی رہوں گی، زمانہ بدل جائے، دنیا بدل جائے لیکن میرا دل نہیں بدل سکتا، میں اپنی اوقات نہیں بھول سکتی!"

"یہ نہ کہو روشن، آج سے تم میری بہن ہو! پچھلی باتیں بھول جاؤ، اب ان کا کبھی ذکر بھی نہ کرنا!"

ریحانہ صبر و قناعت کے ساتھ اس کوٹھری میں رہنے لگی، روشن دن میں کئی کئی بار اس کی خبر گیری اور مزاج پرسی کیلئے بھانک جاتی تھی، شام ہوتے ہوتے وہ تیسری مرتبہ آئی، اور اس مرتبہ اپنے ساتھ کشیدہ اور سلائی کا کچھ کام بھی لے آئی، جس کے لئے ہر بار ریحانہ اس سے تقاضہ کرتی تھی،

کوئی ۱۰ بجے رات کے قریب ناہید اور یوسف، پکنک سے واپس آئے اور آتے ہی سونے کے کمرے میں چلے گئے، صبح ناشتہ کی میز پر یوسف اور ناہید بیٹھے ہوئے تھے، ریحانہ ابتک نہیں آئی تھی، ناہید نے ملازم سے کہا،

"جا ریحانہ کو بلا لا"

وہ بولا،

"وہ تو گئیں؟"

ناہید نے حیرت کے ساتھ پوچھا،

"کہاں"؟

اتنے میں ملازمہ آچکی تھی، اس نے کہا،

"یہ تو نہیں معلوم کہاں گئی ہیں، ہاں یہ خط دے گئی ہیں"

ناہید نے خط اس کے ہاتھ سے لے لیا، اور پڑھ کر یوسف کی طرف بڑھا دیا،

خط میں لکھا تھا،

"میں اب جاتی ہوں ——— بہن کے گھر بھی کوئی ہمیشہ نہیں رہتا، یہی دنیا کی ریت ہے، کبھی کبھی آتی رہوں گی، اور اپنی پیاری بہن ناہید کے درشن کر لیا کروں گی اگر برا نہ ماننا، یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے!

تمہاری بہن

ریحانہ"

ریحانہ حسب معمول ماں کی قبر سے فاتحہ پڑھ کے واپس آ رہی ہے راستہ میں وہ چند لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے سنتی ہے،

ایک آدمی کہتا ہے،

"ارے یار کچھ اور بھی سنا؟"

دوسرا بولا۔

"کیا ہوا بھئی!"

"ایک بڑے مزے کی خبر"

"ابے ہٹ، تیرے پاس چانڈو خانہ کی گپ کے سوا کیا ہوگا!"

"جانی قسم بڑے مزے کی خبر ہے"

"تو کہہ ڈال پھر جلدی سے!"

"انور سیٹھ دیوالیہ ہو گئے!"

یہ سنکر ریحانہ سن سے ہو گئی، اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، کہ پھر اس کے کان میں آواز آئی۔

"اماں سچ"؟

"ہاں ہاں بھئی بالکل سچ"

"اتنا بڑا سیٹھ دیوالیہ ہو گیا"؟

"تو بھی نرا یا گل ہے یا گل!"

"یہ کیوں بھئی؟"

"اور نئیں تو کیا، ——— ابے اِتے بڑے سیٹھ نئیں دیوالیہ ہوں گے تو کیا ہمارے تمہارے جیسے" دھنہ سیٹھ" دیوالیہ ہونگے؟ ——— ارے ہاں نئیں تو!"

دونوں نے ایک قہقہہ لگایا، اور ہنستے ہوئے انور کا مذاق اڑاتے ہوئے چلے گئے، جب کوئی سرمایہ دار غربت کے جھونپڑے میں پہونچتا ہے تو غریبی اسی طرح ہنس ہنس کر اس کا خیر مقدم کرتی ہے،

ریحانہ نے حیرت اور اضطراب کے ساتھ یہ باتیں سنیں، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس کا باپ اس سے نفرت کرتا ہے، لیکن وہ اپنے باپ سے محبت ہی کرتی تھی،

وہ سرا واپس جا رہی تھی، لیکن یہ سنکر ٹوہ لینے اور صحیح حالات معلوم کرنے کیلئے وہ تیز تیز قدم رکھتی ہوئی، انور کے گھر پہنچتی ہے دیوان خانہ کے دروازہ پر پہنچکر وہ رک جاتی ہے، انور کو قرض خواہ گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور وہ کھڑا ہوا ایک تقریر کر رہا ہے،

دوستو!

میں اب دیوالیہ ہوں، میرے پاس اب کچھ نہیں رہا،
جو کچھ تھا وہ آپ کے پاس پہونچ گیا ——— یہ
ایک سونے کی گھڑی ہے، یہ اب مجھے زیب نہیں دیتی
یہ لیجئے!"

یہ کہہ کر وہ گھڑی ہاتھ سے اتار کر میز پر رکھ دیتا ہے، اور کہتا ہے،

"اور ہاں یہ منی بیگ ہے اس میں کچھ روپے ہیں اب
یہ بھی میرے نہیں رہے!"

یہ کہہ کر وہ منی بیگ میز پر الٹ دیتا ہے، کچھ روپے کچھ ریزگاریاں
کچھ نوٹ ڈھیر ہو جاتے ہیں میز پر، پھر وہ کہتا ہے،

"کاش میرے پاس کچھ اور ہوتا، تو وہ بھی آپ کے
سامنے میں رکھ دیتا!"

انور کی اس عالی ظرفی اور اولوالعزمی سے تمام قرض خواہ متاثر ہوئے، ان میں سے ایک بولا،

"ہمیں آپ کی یہ چیزیں نہیں چاہئیں انہیں آپ اپنے ہی پاس رکھئے"

دوسرا بولا،

"ہاں انور صاحب یہ گھڑی آپ ہی کو مبارک، ہم اتنے نیچ نہیں
ہیں، کہ اس پر بھی قبضہ کر لیں، اٹھائیے اسے!"

تیسرے نے کہا،

"یہ منی بیگ بھی ہم نہیں لے سکتے، ہمارا یہ مطلب کب ہے کہ تمہیں

لنگوٹی بندھوا دیں، اور بھیک منگوا کر چھوڑیں تم سے، ہم بھی آدمی ہیں
اور دل رکھتے ہیں اپنے سینے میں اٹھا لو بھائی یہ اپنا منی بیگ کچھ روز
تو کام چلے گا، اس سے!"

چوتھا بولا،

"انور میاں دیوالیہ ہوتے ہم نے بہتوں کو دیکھا ہے، لیکن جس ایمانداری
سے تم نے اپنی ساری چیزیں اپنے قرض خواہوں کو سونپ دیں، یہ ہم نے
کہیں نہیں دیکھا، کبھی نہیں دیکھا، ایسے ہی موقع پر شریف اور دل والا
آدمی پہچانا جاتا ہے، تم مٹ گئے لیکن تم نے اپنا حساب کتاب دکھانے
میں کوئی دھوکہ نہیں کیا، بے ایمانی نہیں کی۔!"

انور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا،

"میں آپ کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن جو چیز میری
نہیں ہے اسے میں لے بھی نہیں سکتا، نہ میں یہ گھڑی واپس لوں گا،
نہ یہ منی بیگ ——— ایک دوست نے لنگوٹی اور بھیک کا
ذکر کیا تھا، میں لنگوٹی باندھنے میں تو کوئی عیب نہیں سمجھتا، زمانہ بدلتا رہتا
ہے اور زمانہ کے ساتھ حالات بھی بدلتے رہتے ہیں، میں آج تک زرق
برق لباس پہنتا تھا، اس لئے کہ میرے پاس دولت تھی، لیکن اب سے
اگر میں اپنی غربت کے باعث لنگوٹی باندھوں گا، تو مجھے ذرا بھی شرم
نہیں آئے گی، ہاں بھیک مانگتے ضرور شرما دوں گا، بھیک مانگنے کے مقابلہ
میں میں مرجانا پسند کروں گا، لیکن جب تک میں ڈھو سکتا ہوں مزدوری

کر سکتا ہوں، بوجھ اٹھا سکتا ہوں، اس وقت تک بھیک مانگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!'

تمام قرض خواہ حیرت سے انور کا منہ دیکھ رہے تھے، اور اس کی یہ باتیں سن رہے تھے،

آخر جب وہ کسی طرح، اپنی گھڑی اور منی بیگ واپس لینے پر راضی نہیں ہوا تو اس پر بھی قبضہ کر لیا، اور یہ لوگ دیوان خانہ سے باہر نکل گئے، ریحانہ جیسی ہوئی یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، اور خون کے آنسو رو رہی تھی، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ جائے، اور باپ کے قدموں پر سر رکھ دے، لیکن اپنے باپ کی افتادِ طبع سے وہ واقف تھی، خاموشی کے ساتھ روتی ہوئی واپس چلی گئی۔

اب انور اس شہر میں، ایک ایسا شخص ہے، جس کا کوئی ٹھور ٹھکانا نہیں، کوئی دوست اور غم گسار نہیں، کوئی ہمدرد اور مددگار نہیں، کل تک وہ اس شہر کا امیر ورئیس تھا، آج وہ کنگال ہے۔ کل تک ایک عالی شان مکان میں رہتا تھا، آج سر چھپانے کو جھونپڑا بھی میسر نہیں، کل تک درجنوں آدمی اس کے نوکر تھے، آج اس کے نوکر بھی اسے آنکھیں دکھا رہے ہیں کل تک اس کے دسترخوان پر ہمہ قسم کے الوان نعمت موجود رہتے تھے آج اسے نان جویں بھی میسر نہیں، کل تک اس کی جیب میں روپیوں کی ریل پیل تھی، آج پھوٹی کوڑی بھی اس کے قبضۂ قدرت میں نہیں،

انور اپنی ہر چیز قرض خواہوں کو سونپ کر باہر نکلا، تو کھڑا ہو کر سوچنے لگا، کیا کرے؟ کدھر جائے؟ کہاں ٹھہرے؟ اتنے میں احمد اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا، یہ اس کا پرانا نوکر تھا، اور بڑی وفاداری سے اب تک نباہتا چلا آرہا تھا، اسے دیکھ کر انور نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا،

"میاں احمد، آج سے تم بھی ہمارے نہیں رہے"!

احمد کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اسنے بھرائی ہوئی آواز میں کہا،

"میں نے جس کا نمک کھایا ہے، ہمیشہ اسی کا رہوں گا!"

"تم بڑے اچھے آدمی ہو، صرف ایک تم ہو جسے چھوڑتے ہوئے مجھے دکھ ہو رہا ہے"!

"لیکن آپ جا کہاں رہے ہیں؟"

"جدہر منہ اٹھ جائے"

"پھر بھی"؟

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا، سوچ رہا ہوں، اس شہر میں رہوں، یا باہر چلا جاؤں، اور اگر یہاں رہوں، تو بوریہ بستر کہاں جاؤں"؟

"میرا گھر حاضر ہے"!

"تمہارا گھر؟ ——— لیکن میں تمہیں تکلیف دینا نہیں چاہتا"

"مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوگی، آپ کو مہمان بنا کر مجھے وہ خوشی ہوگی جو آج تک نہیں ملی"!

"نہیں احمد یہ نہیں ہو سکتا، میں اپنا بار تم پر نہیں ڈال سکتا"!

"آپ کچھ روز تو میرے پاس رہیئے، پھر خدا چاہے، کوئی سبیل نکل آئے تو اپنا الگ بندوبست کر لیجئے گا"!

انور نے سوچا اگر احمد کے ہاں نہ جاؤں تو آخر جاؤں کہاں؟ ٹھیک تو کہتا ہے، چند روز وہاں ٹھہر جانے میں حرج ہی کیا ہے یہ سوچ کر اس نے کہا،

"اچھا، تم نہیں مانتے تو چلو"

احمد خوش ہو گیا، اس نے بڑے مسرت بھرے لہجہ میں کہا،

"چلئے"!

اور انور واقعی احمد کا مہمان بن گیا، اسی احمد کا جو کل تک اس کا ایک حقیر اور ناقابل التفات نوکر تھا،

احمد نے پہلے تو انور کے لئے بستر ٹھیک ٹھاک کیا، جس چارپائی پر خود سوتا تھا، اسی پر بستر جما دیا، پھر بیٹھ کر اس کیلئے کھانا پکانے لگا،

انور نے کہا،

"ایک بات کا تمہیں خاص طور پر خیال رکھنا ہوگا"!

"فرمایئے"؟

"میں ریحانہ کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا، وہ ہرگز یہاں نہ آنے پائے سمجھے"؟

"جی سمجھ گیا"!

ریحانہ کا جب رد ہو کر جی ہلکا ہوا، تو اس نے سوچا، جاؤں ابا جان سے مل آؤں، اسوقت وہ بہت غم زدہ ہوں گے، ان کی دل جوئی اور خدمت جو کچھ کر سکتی ہوں کروں، یہ سوچ کر وہ سیدھی احمد کے مکان پر پہونچی، اس کا خیال تھا اگر انور کے قیام کا پتہ مل سکتا ہے اسی سے، وہ جانتی تھی، احمد بڑا وفادار اور شریف طبیعت نوکر ہے،

احمد ایک مختصر سے مکان میں رہتا تھا، وہ دروازہ پر بیٹھا ہوا

بیڑی پی رہا تھا کہ ریحانہ پہونچی، اور اس نے آتے ہی پوچھا،

"اباجان کہاں ہیں؟"

"کیا کروگی پوچھ کر وہ تو تم سے خفا ہیں"

"یہ میں جانتی ہوں ——— لیکن میں اپنا فرض بہرحال ادا کروں گی، اگر تم ان کا پتہ جانتے ہو تو بتاؤ"

"یہیں ہیں!"

"کہاں؟"

"اندر!"

"تو میں ان سے ملنے جاتی ہوں!"

"لیکن ان سے ملنے کی کسیکو اجازت نہیں ہے!"

"بیٹی بھی اپنے باپ سے نہیں مل سکتی!"

"نہیں!"

"یہ ان کا حکم ہے"؟

"ہاں!"

ریحانہ مایوس و ملول ہو کر واپس ہوئی، راستہ میں وہ گھر پڑا جس میں وہ ایک عرصہ تک عیش و تنعم کی زندگی بسر کر چکی تھی، اور جو اب انور کے ہاتھ سے چھن چکا تھا،

ریحانہ نے دیکھا، مکان میں پہلے سے زیادہ چہل پہل ہے آبادی اور رونق میں کوئی کمی نہیں ہے، دروازہ پر دربان بھی

وہی پرانا موجود ہے، ریحانہ نے اس سے پوچھا،

"اب کون رہتا ہے اس گھر میں"!

دربان نے مسکرا کر جواب دیا،

"جو اس گھر کا مالک ہے"!

"اس کے ہاتھ سے تو یہ چھن گیا ہے!"

"جس نے چھینا ہے وہ!"

"کون ہے وہ؟"

"یوسف میاں اور کون، اور کون ہو سکتا ہے؟"

یہ سنکر ریحانہ کو ایک دھچکا سا لگا، اس نے اپنے دل میں سوچا یہ سچ ہے کہ یہ مکان، یہ ساری جائداد اباجان کے ہاتھ سے نکل گئی یہ بھی سچ ہے، کہ یوسف اب کوئی غریب آدمی نہیں ہے، امیر اور دولت مند ہے، لیکن کیا دولت مندی کی شان یہی تھی کہ وہ اپنے محسن اور سابق آقا کا مکان خرید کر اپنی دولت مندی کا مظاہرہ کرتا، مانا کہ اس کے پاس روپیہ ہے اور بہت زیادہ ہے، لیکن کیا اس کا مصرف اس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا، یوسف اگر یہ مکان نہ خریدتا تو اس کی دولت کم نہ ہو جاتی، لیکن اباجان کو ایک نیا صدمہ نہ پہونچتا، کیا یوسف اب اس حد تک اس اخلاقی زوال تک پہونچ چکا ہے، کہ اسے کمزوروں اور بے بسوں کے دل دکھانے میں مزہ آنے لگا ہے؟

ریحانہ نے دل ہی دل میں کہا میرے ساتھ یوسف نے بے وفائی

کی، میرے تباہ حال باپ کا اس نے دل دکھایا، پھر بھی میرے دل پر اس کی حکومت ہے، میں اسے اب بھی اتنا ہی چاہتی ہوں جتنا پہلے چاہتی تھی یہ بھی قسمت کی خوبی ہے کہ جسے دل دیکھئے، جسے جان و دل سے چاہیئے وہی جان کا گاہک ہو جائے، وہی دل توڑنے پر آمادہ ہو جائے وہی دل دکھانے میں لذت محسوس کرے، خیر جہاں بہت سے غم جھیلے ہیں وہاں ایک غم یہ بھی سہی، اب تو غم، غم معلوم بھی نہیں ہوتا،

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

یوسف کی ان باتوں کے بعد بھی دل اس سے نفرت نہیں کرتا، شاید محبت اسی کو کہتے ہیں، ہائے محبت بھی کتنی جان لیوا مصیبت ہے۔

سخت کافر تھا جن نے پہلے میر
مذہب عشق اختیار کیا!

دل ہی دل میں روتی، اور یہی باتیں سوچتی ہوئی وہ سرائے پہنچی روشن اس کا اترا ہوا چہرہ اور پرنم آنکھیں دیکھ کر، اس کے پاس پہونچ گئی، اس نے بڑی محبت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا،

"حوصلہ سے کام لو ——— میں سب کچھ سن چکی ہوں مجھے سب کچھ معلوم ہے، اس دنیا میں روز یہ تماشا ہوتا رہتا ہے، کبھی آدمی امیر ہے کبھی غریب ——— لیکن بہن آدمی وہی ہے جو امیری میں حد سے نہ بڑھے، اور غریبی میں ہمت نہ ہارے۔

ریحانہ بولی،

"ہاں روشن تم سچ کہتی ہو، کون ان باتوں کو نہیں جانتا اور نہیں مانتا، لیکن سب کچھ جاننے اور ماننے کے باوجود، جب پڑتی ہے تو آنکھوں میں آنسو ہی آجاتے ہیں اور روکے نہیں رکتے!"

یہ کہہ کر، ریحانہ واقعی رونے لگی، اور اسے صبر و شکر کا مشورہ دینے والی روشن کی آنکھیں بھی پرآب ہو گئیں،

بڑی دیر تک دونوں پاس بیٹھی آنسو بہاتی رہیں، نہ ریحانہ میں یہ حوصلہ تھا، کہ وہ روشن کی اشک شوئی کرے، نہ روشن میں سکت تھی کہ وہ ریحانہ کو رونے سے منع کرے، بڑی دیر کے بعد روشن اٹھی اور اس نے کہا،

"بہن، اپنے اوپر رحم کرو، زیادہ جی ہلکان نہ کرو!"

اور کمرہ سے باہر چلی گئی!

انور، اب احمد کے گھر میں رہ رہا ہے، ابتک وہ فیصلہ نہیں کر پایا ہے کہ کیا مشغلہ اختیار کرے، اور کس طرح زندگی بسر کرے، احمد اس کی خاطر داشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا، اپنے امکان واستطاعت کے مطابق اسے اچھے سے اچھّا کھلاتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ آرام سے رکھتا ہے خود تکلیف اٹھا لیتا ہے، مگر اسے برداشت نہیں کرتا، کہ انور کو ذراسی تکلیف بھی پہونچ جائے،

انور کا زیادہ وقت گھر میں ہی گزرتا ہے، بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے نہ جانے کیا کیا سوچا کرتا ہے، ؟ شاید ماضی کی تصویریں اس کے سامنے آتی رہتی ہیں، ؟ شاید حال کی جگر فگار تکلیفیں اس کا دل برماتی رہتی ہیں، ؟ شاید مستقبل کی رنگین اور دل آویز بہاریں اس کا دامن دل اپنی طرف کھینچتی ہیں، سوچتے سوچتے، وہ کبھی مسکرانے لگتا ہے کبھی اس کی آنکھیں نم آلود ہو جاتی ہیں، جب زیادہ جی گھبراتا ہے تو وہ دریا کے کنارے یا کسی باغ میں ٹہلنے چلا جاتا ہے، اور اس طرح اپنا وقت

کاٹتا ہے،

آج بھی وہ شام کو ٹہل کر واپس آ رہا تھا، اس کا رخ احمد کے گھر کی طرف تھا، کہ راستہ میں معصوم سے ملاقات ہوگئی، یہ پہلے انور کا نوکر تھا، اور اب یوسف کے خدام بارگاہ میں شامل تھا،

معصوم نے انور کو دیکھ کر کہا،

" اور بھی کچھ سنا "؟

" کیا ہے بھئی کوئی نئی خبر!"

" ہاں ہے تو نئی خبر"

" تو سنا ڈالو"

" وہ دونوں اپنے گھر میں آباد ہوگئے!"

" کون دونوں!"

" یوسف میاں اور ناہید——"

" ہاں ہاں میں سمجھ گیا——! اور گھر کیسا؟"

معصوم خاموش رہا، انور نے اسے خاموش دیکھ کر کہا،

" ٹھیک ہے وہ گھر میرا ہوگا "!

" ہاں آپ ہی کا گھر—— لیکن آپ کو کیا، جو چیز آپ سے گئی، وہ جگ سے گئی، چاہے وہاں یوسف میاں رہیں یا کوئی "

" سچ کہتے ہو!"

یہ کہہ کر انور آگے بڑھا تھا کہ معصوم نے کہا،

"انہوں نے آپ کا سارا اسباب اور فرنیچر بھی خرید لیا ہے!"

یہ سنکر انور جاتے جاتے رک گیا، اس نے کہا،

"یہ بات ہے؟ اس نے میرا گھر بھی خرید لیا، میرا سامان و اسباب بھی خرید لیا، پھر میرا کارخانہ، میری جائداد، میری دکانیں بھی یوسف نے خرید لی ہوں گی؟"

"جی ہاں، سب کچھ انہوں نے خرید لیا ہے!"

انور کے چہرہ پر غصہ اور برہمی کے آثار طاری ہوئے، اس نے کہا،

"تو وہ مجھے بھی کیوں نہیں خرید لیتا؟ میری روح کو بھی کیوں نہیں مول لے لیتا!"

معصوم مسکراتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے اور جاتے جاتے کہتا ہے۔

"کہیں روح اور انا بھی بکتی ہے! اسے بھی بیچا ہے کسی نے؟"

انور، اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیتا، اور احمد کے گھر کی طرف روانہ ہوتا ہے، وہ اپنی پریشانیوں کے عالم میں یوسف کو بھول چلا تھا، آج پھر یوسف اسے یاد آیا، اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ یاد بڑی تلخ، جاں گداز اور ناقابل برداشت تھی، اس کے سینہ میں غصہ، نفرت اور انتقام، کا طوفان ابل رہا تھا، اسے رہ رہ کر یوسف پر غصہ آرہا تھا، وہ سوچ رہا تھا، یوسف نے، دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بولی دے کر میری چیزیں خریدی ہوں گی؟ تاکہ وہ مجھے جلا سکے مجھے بتا سکے کہ تو اب کچھ نہیں ہے، اور میں سب کچھ ہوں، جو کچھ تیرا تھا، وہ اب میرا ہے

اور جو کچھ میرا ہے، اس پر تیرا ذرا بھی داعیہ نہیں ہے،

یہ سوچتا ہوا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ہوا انور آگے بڑھا چلا جا رہا تھا ابھی منزل ختم نہیں ہوئی تھی کہ یوسف اسے آتا ہوا مل گیا،

یوسف نے انور کو سلام کیا، بڑھ کر مصافحہ کیا، اور اخلاق و تپاک اور تعلق خاطر کا مظاہرہ کرتے ہوئے، انور سے مخاطب ہوا،

"میں نے سنا ہے، آپ یہاں سے کہیں باہر جا رہے ہیں؟ یہ شہر چھوڑے دے رہے ہیں؟"

انور نے ایک تاثر کے ساتھ جواب دیا،

"ہاں ایک روز تم یہاں مسافر کی طرح آئے تھے، اور آج میں یہاں سے ایک مسافر کی طرح واپس جا رہا ہوں"

یوسف نے اسے تسکین دیتے ہوئے کہا،

"یہی دنیا کی ریت ہے، پرانی پتیاں جھڑتی ہیں، نئی کونپلیں نکلتی ہیں، کوئی آتا ہے، کوئی جاتا ہے، کوئی بنتا ہے کوئی بگڑتا ہے ——"

انور نے ایک زہر خند کے ساتھ کہا،

"سچ کہتے ہو میاں صاحبزادے —— کوئی بگڑتا ہے کوئی بنتا ہے، کوئی جاتا ہے، کوئی آتا ہے، پرانی پتیاں جھڑتی ہیں، نئی کونپلیں نکلتی ہیں،"

یوسف نے کہا،

"لیکن شہر کیوں چھوڑے دے رہے ہیں! —— اپنے

گھر میں رہیئے، میں اور ناہید بڑی خوشی سے آپکو اپنا مہمان بنائیں گے، اور خدمت کریں گے"!

انور نے جواب دیا،

"شکریہ ——— لیکن میں نہیں گوارا کر سکتا!"

"کیوں اس میں کیا قباحت ہے"؟

"میرا دل اسے قبول نہیں کرتا!"

"اچھا تو اپنے سامان میں سے جتنا چاہیئے لے جایئے"!

"وہ سامان اب میرا نہیں رہا"

"اچھا تو ایک بات کیجئے!"

"وہ کیا!"

"آپ بیکار تو ہی ہیں!"

"ہاں بیکار تو ہوں!"

"تو میرے ہاں کوئی کام سنبھال لیجئے، اور اس کا معاوضہ باقاعدہ لیتے رہیئے!"

"ہاں یہ ہو سکتا ہے ——— روزی کمانا، محنت کرنا، کوئی شرم کی بات نہیں ہے، میں نے جہاں سے پہلی دفعہ زندگی کا آغاز کیا تھا اب پھر وہیں سے ابتدا کر دوں گا، یہ ہو سکتا ہے، اس کے لئے میں تیار ہوں!

"تو کل آپ دفتر آئیں گے"؟

"ضرور آؤں گا!"

یوسف اپنے راستہ چلا گیا، اور انور اپنے راستہ،

انور نے یوسف کے ہاں نوکری کرنے کا وعدہ کر لیا تھا، وعدہ اس لئے کر لیا تھا کہ زندگی بسر کرنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں تھی، لیکن اسے اپنے اوپر غصہ بھی آ رہا تھا، اپنی بے بسی پر وہ برہم بھی بہت تھا، اس کا دل اس کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوتا تھا کہ وہ نوکری کرے، اور وہ بھی یوسف کے ہاں لیکن احمد کے کمزور کاندھوں پر اپنا بوجھ ڈالنے کے مقابلہ میں یوسف کا ملازم بنکر زندگی بسر کرنے کی ذلت اس کے لئے آسان تھی،

وہ گھر آیا، اور پڑ رہا، اسی فکر اور صدمہ میں اسے بخار آ گیا احمد کو ان واقعات کا ذرا بھی علم نہیں تھا، اس نے انور کو بخار میں مبتلا دیکھا تو دوا لینے چلا گیا،

راستہ میں اسے ریحانہ ملی، ریحانہ نے پوچھا،

"ابا جان کیسے ہیں"؟

"اچھے ہیں ——— ذرا بخار آ رہا ہے!"

یہ کہہ کر احمد تو دوا لینے کیلئے آگے بڑھ گیا، اور ریحانہ نے سوچا باپ سے ملنے اور اس کی حالت دیکھنے کا اس سے بہتر موقعہ نہیں مل سکتا، وہ سیدھی احمد کے گھر پہونچی، آج کسی نے روک ٹوک نہ کی، احمد تو تھا نہیں،

انور نے جیسے ہی ریحانہ کو دیکھا، بپھر کر بولا،

"تم یہاں کیوں آگئیں، تمہیں کس نے بلایا تھا؟"

"کسی نے نہیں!"

"جاؤ فوراً چلی جاؤ"!

"نہیں جاؤں گی!"

"میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا!"

"لیکن ابا جان"

"کچھ نہیں، میں کچھ نہیں سننا چاہتا، تم فوراً چلی جاؤ میرے پاس سے نکلو!"

ریحانہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا،

"کہہ تو رہی ہوں نہیں جاؤں گی!"

یہ کہہ کر وہ پورے اطمینان سے کمرہ کے اندر داخل ہوئی، اور کام میں لگ گئی، سب سے پہلے اس نے کمرہ میں جھاڑو دی، اور آئینہ کی طرح اسے صاف کر دیا، پھر اس نے بستر ٹھیک کیا، چارپائی ڈھیلی ہو گئی تھی، اس کی ادوائن کسی، چادر بہت میلی تھی، صابن لیکر نل کے نیچے بیٹھ گئی، اسے دھو کر دودھ کی طرح سفید کر دیا، اور الگنی پر ڈال دیا احمد چولھے پر ادھ پکا کھانا چھوڑ کر دوا لینے چلا گیا تھا، وہ چولھے کے سامنے آکر بیٹھ گئی، اور کھانا پکانے لگی، کھانا پکا کر فارغ ہوئی تو سارے برتن اپنے ہاتھ سے دھو ڈالے، پھر بڑے سلیقہ اور اہتمام سے ایک کشتی میں کھانا لا کر اس نے انور کے سامنے رکھ دیا، اور کہا

"کھا لیجئے!"

انور بڑے غور اور توجہ سے ریحانہ کی یہ حرکتیں دیکھ رہا تھا، ابتک اس نے ریحانہ کو ایک الھڑ نازنین، ایک پروردۂ عیش و نعم دوشیزہ ایک رنگین مزاج، اور عیش کوش لڑکی کی حیثیت سے دیکھا تھا لیکن اب اس نے ریحانہ کا خدمت گار روپ دیکھ لیا، دل کا دروازہ عرصے بند تھا، اور جس پر قفل پڑے پڑے زنگ لگ گیا تھا، خود بخود، نہ جانے کس طاقت نے اس قفل کو گرا دیا، زنگ کو صاف کر دیا، اور دروازہ کو کھول دیا، اور ریحانہ پھر اسی آن بان سے اس گھر میں داخل ہو گئی

انور نے سوچا، انسان اولاد سے خدمت کے سوا، اور توقع کیا رکھتا ہے؟ میں نے ریحانہ سے اگر نفرت کی تھی، تو اس لئے کہ یہ میری اولاد نہیں ہے، میری خدمت نہیں کر سکے گی، میرا خیال نہیں رکھے گی، میری کبھی نہیں بن سکے گی، لیکن اولاد اس سے زیادہ کیا خدمت کر سکتی ہے، جو ریحانہ کر رہی ہے، میں نے اسے دھتکارا، ڈانٹا، ڈپٹا، اس سے نفرت کی، اسے ذلیل کیا، اسے اپنے گھر سے نکالدیا، اسے تکلیفیں دیں، اسے دکھ پہونچائے، اس کے زخموں پہ نمک چھڑکا، اور اس وسیع دنیا میں اسے یکہ و تنہا بے یار و مددگار چھوڑ دیا، لیکن کیا اس نے بھی مجھے چھوڑ دیا؟ آج جب میں یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار ہوں، جب میرا کوئی پرسان حال نہیں ہے جب دوستوں نے آنکھیں چرا لی ہیں، اور دشمن مذاق اڑا رہے ہیں میرے

جو روستم کی روندی ہوئی یہ لڑکی آئی، اور اسے کچھ نہ یاد رہا سوا اس کے کہ میری خدمت کرے، اور اولاد کی سی محبت سے میری بن جائے،

آج تک بے اولادی کے غم نے دنیا میری آنکھوں میں تاریک کر رکھی تھی، اور اس مجردی کو میں اپنی بدقسمتی سے تعبیر کرتا تھا، لیکن آج سے میں اپنے تئیں خوش قسمت سمجھتا ہوں، آج مجھے بلی بلائی اولاد مل گئی اور اولاد بھی وہ جو لاکھوں میں ایک ہوتی ہے، اب میں کہیں نہیں جاؤں گا، یوسف کی نوکری کروں گا، اور ریحانہ کی زندگی سنواروں گا، اس کی شادی مجھے کرنی ہے، اسے سکھ پہنچانے کیلئے میں ذلت بھی برداشت کرلوں گا، یہ آج سے میری بیٹی ہے، میرے جگر کا ٹکڑا، میری آنکھوں کا تارا، میرے دل کا سہارا، یہ میری بیٹی ہے میں اس کا باپ ہوں،

یہ سوچ کر اس نے محبت بھری نظر سے ریحانہ کو دیکھا اور کہا،

"تو نے پکایا ہے اس لئے کھائے لیتا ہوں، ورنہ بھوک تو نہیں تھی!"

ریحانہ اتنی خوش ہوئی، جیسے اسے بہت بڑی دولت مل گئی، وہ اس کے پاس کھڑی ہو کر پنکھا جھل جھل کے مکھیاں اڑانے لگی،

انور نے کھانے سے ہاتھ روک لیا، اور پوچھا،

"بیٹی تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو؟"

ریحانہ بولی،

"یہ آپ کیا کہتے ہیں، کہیں بیٹی بھی باپ سے خفا ہو سکتی ہے!

"میرے غصہ اور طرز عمل سے تمہیں صدمہ نہیں پہونچا!"

"اگر پہنچا تو بھی گوشت سے ناخن جدا نہیں ہو سکتا ابا جان، باپ بیٹی کا رشتہ ایسا ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت توڑ نہیں سکتی! — میں تو ایک دفعہ اور بھی آئی تھی!"

"اور مجھ سے بے ملے چلی گئیں کیوں؟"

"احمد جو دروازہ پر بیٹھا تھا"

"تو؟"

"اس نے مجھے الٹے پاؤں واپس کر دیا، کہنے لگا ملنے کا حکم نہیں ہے"

"پھر کیا ہوا؟"

"میں روتی ہوئی چلی گئی ——— آج میدان خالی دیکھ کر چلی آئی میں!"

ریحانہ کی یہ باتیں سنکر انور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے کہا،

"بیٹی۔ کیا اپنے بچے اور پاپی باپ کو معاف نہیں کر دیگی؟"

اتنے میں احمد آ گیا، اس نے جو باپ بیٹی کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو ملتا دیکھا، تو وہ بھی بہت خوش ہوا اور کہنے لگا،

"ہو گیا میل باپ بیٹی میں؟ یہ بہت اچھا ہوا"

انور نے کافی غور و خوض کے بعد، بالآخر یوسف کے ہاں ملازمت اختیار کر لی، اب اسے صرف ایک فکر تھی کہ زیادہ سے زیادہ محنت کر کے زیادہ سے زیادہ روپیہ کمائے، اور ریحانہ کی کسی بھلے آدمی سے شادی کر کے حج کرنے چلا جائے، اور پھر کبھی اس دیس میں واپس نہ آئے ریحانہ اس کے پاؤں کی زنجیر بنی ہوئی تھی، اسے چھوڑ کر وہ کہیں نہیں جا سکتا تھا، اسے سکھ پہنچانے کے لئے خود دکھ اٹھانے میں وہ ذرا بھی عار نہیں محسوس کرتا تھا،

یوسف نے انور کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور وسط شہر میں جو اس کی دکان تھی، اس کا ہیڈ سیلس مین" بنا دیا، تنخواہ بھی معقول مقرر کر دی انور نے کچھ رقم پیشگی طلب کی، فوراً مل گئی، اس رقم سے اس نے ایک مختصر سا مکان کرایہ پہ لے لیا، اور ریحانہ سمیت اس میں اٹھ آیا،

کچھ روز بعد، ریحانہ نے کہا،

" ابا جان میری ایک بات مان لیجئے"

"ایک نہیں دس باتیں مانوں گا بیٹی، کہہ کے تو دیکھ!"

"میرا جی یہاں بیکار بیٹھے بیٹھے گھبرایا کرتا ہے، نہ کوئی کام نہ کاج"

"پھر تو کیا چاہتی ہے،"؟

"میں چاہتی ہوں، مجھے بھی نوکر رکھا دو، تمہارا ہاتھ بٹایا کرونگی، اور کچھ تمہارا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا،!"

دوسرے حالات میں انور ہرگز یہ درخواست نہ قبول کرتا، لیکن اب تو اسے ایک ہی دھن سوار تھی، یہ کہ زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کر کے اور جلد سے جلد، ریحانہ کی شادی اپنے حوصلہ کے مطابق کر سکے، انور نے سوچا، لڑکی ٹھیک کہتی ہے، اس طرح سے آسانی کچھ اور بڑھ جائے گی، اور میرا مقصد جلد حاصل ہو جائے گا، یہ سوچ کر اس نے کہا،

"کوئی حرج نہیں بیٹی اس کا انتظام بھی ہو جائے گا!"

"ریحانہ خوش ہو گئی، بولی،

"کب"؟

انور نے کہا،

"بس آج ہی کل میں!"

شام کو انور نے منیجر صاحب سے کہا، اس رقم میں میرا گذارہ نہیں ہوتا، میں چاہتا ہوں، میری لڑکی ریحانہ بھی میرے ماتحت ملازمت میں دے دی جائے، منیجر بھی انور کا پرانا آدمی تھا اسے رحم آیا اور اس نے ریحانہ کو بھی ملازم رکھ لیا،

اب انور بہت خوش تھا اسکی خوشی قیاس وخیال سے زیادہ تھی، اسے اپنی ذرا بھی فکر نہیں تھی، وہ ریحانہ کے ساتھ اپنی تمام بدسلوکیوں کی تلافی کرنا چاہتا تھا، اور اس کی اس نے یہی صورت سوچی تھی، کہ زیادہ سے زیادہ شان کے ساتھ اس کی شادی کسی شریف اور نیک آدمی سے کردے،

دوسرے روز سے ریحانہ بھی کام پر آنے لگی، اور اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے لگی، پہلی تنخواہ جب ملی تو انور نے، اس کا بڑا حصہ ریحانہ کے کپڑوں اور زیبائشوں پر اس کے انکار اور انکار پر اصرار کے باوجود صرف کردیا، ریحانہ کو پہاڑی مینا سے بہت دلچسپی تھی، دس روپیہ کی ایک پہاڑی مینا بھی اس کے لئے خرید لایا، اس نے کہا،

"ابا جان یہ کیوں لے آئے؟"

انور بولا،

"اپنی بیٹی کے لئے!"

"میں اتنی کم آمدنی میں یہ فضول خرچیاں کرنا نہیں چاہتی ابا!"

"بیٹی، جب تک میں زندہ ہوں، تجھے فکر کاہے کی ہے ——— بول تجھے مینا کا شوق ہے یا نہیں؟"

ریحانہ بچوں کی طرح اٹھلا کر بولی،

"ہے تو"!

انور نے پیار سے کہا،

"پھر اگر میں تیرے شوق کی ایک چیز لے آیا تو کیا گناہ کیا؟"

"ابا میں تو یہ کہتی ہوں کہ ہمیں چادر دیکھ کے پاؤں پھیلانے چاہئیے!"

"ارے لڑکی تو چپ بھی رہ، میں جانتا ہوں میری چادر کتنی بڑی اور کتنی مضبوط ہے، تو نہیں جانتی ہاتھی لاکھ لٹا جب بھی سوا لاکھ ٹکے کا!"

یہ کہہ کر وہ زور سے ہنسا، اور ریحانہ بھی مسکرا دی،

اب انور اور ریحانہ کی زندگی بڑے سکھ اور آنند سے گزر رہی ہے، دونوں بہت خوش ہیں، اور بڑی بے فکری سے دن گذار رہے ہیں

آج دکان میں انور کو خبر ملی کہ یوسف "مرچنٹس ایسوسی ایشن" کا صدر بنایا گیا ہے، کبھی انور بھی اس انجمن کا صدر رہ چکا تھا، اور شہر کے تمام سود اگر اس کے ہاتھ میں تھے، یہ خبر سنکر انور کا اطمینان بھر کافور ہوگیا، اس کے غصہ اور برہمی کی کوئی انتہا نہ رہی، اس نے زیر لب بڑبڑانا شروع کیا،

وہ میرے کارخانہ کا مالک بن گیا، اس نے میری دکان پر قبضہ کرلیا اس نے میرا مکان خرید لیا، اس نے اُس عورت سے شادی کرلی جو میری بیوی ہونیوالی تھی، اب وہ انجمن کا صدر بھی بن گیا، میری ہر چیز اس کی ہوگئی ——— پہلے وہ میرا نوکر تھا، میں اس کا مالک تھا، اب میں اس کا نوکر ہوں، وہ میرا مالک ہے،!

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بڑبڑایا،

لیکن دنیا ایک سی نہیں رہتی، بدلتی رہتی ہے، یوسف کی دنیا بھی بدلے گی، وہ بھی اوپر سے نیچے گرے گا، میں گراؤں گا اسے، اور اگر گرا نہ سکا، تو خود دھنستا چلا جاؤں گا، زمین کے اندر، یہ کمینہ شخص شاید قسم کھا چکا ہے کہ جو جو کام میں کر چکا ہوں، وہ یہ بھی کرے گا، جن جن چیزوں کو میں برت چکا ہوں، انہیں یہ بھی برتے گا، جو جو عزتیں اور سربلندیاں میں نے حاصل کی تھیں، انہیں یہ بھی حاصل کر کے رہیگا، لیکن اسے معلوم ہونا چاہیئے، کہ جو جتنا اونچا اڑتا ہے، اتنی ہی تیزی سے گرتا ہے، وہ آج کل بہت اونچا اڑ رہا ہے، اور اسی تیزی سے ایک روز منہ کے بل زمین پر آ رہے گا، جیسے پکا پھل درخت کی شاخ سے دفعتہً زمین پر آ رہتا ہے،

آج انور دکان بند ہونے کے بعد ریحانہ کے ساتھ جب باہر نکلا تو اس نے کہا،

"بیٹی تو گھر چل، میں ذرا دیر سے آؤں گا!"

"کہاں جا رہے ہو آبا! کوئی کام ہے کیا؟"

"ہاں بیٹی بڑا ضروری کام"

"لیکن جلدی آنا، میں کھانا نہیں کھاؤنگی، جب تک تم نہیں آؤگے ———"

انور نے کہا،

"کھانے پر میرا انتظار نہ کرنا، ایک دعوت ہی میں تو جا رہا ہوں لیکن جلدی آنے کی کوشش کروں گا"

ریحانہ اور انور کا راستہ جدا جدا ہو گیا، ریحانہ اپنی منزل پر چل کھڑی ہوئی، اور انور اپنی منزل پر،

ریحانہ نے کھانا تو کھا لیا، لیکن سوئی نہیں، انور کے آئے بغیر وہ کیسے سو سکتی تھی؟ کوئی گیارہ بجے رات کے قریب انور آیا، لیکن ریحانہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی، کہ آج انور کی عجیب حالت ہے، پاؤں رکھتا کہیں ہے پڑتا کہیں ہے کچھ عجیب نشہ کی سی حالت چھائی ہوئی ہے،

ریحانہ دروازہ اندر سے بند کر کے انور کے قریب آئی، وہ بڑے مست لہجے میں آج گانے کی کوشش بھی کر رہا تھا، گا رہا تھا اور بار بار ایک ہی مصرعہ کو دہرا رہا تھا،

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

وہ اس طرح چڑھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ انگلیاں اٹھا اٹھا کر گا رہا تھا، جیسے کسی کو چڑا رہا ہو، کسی کا مذاق اڑا رہا ہو،

ریحانہ نے کہا،

"ابا جان"

انور قریب آ گیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے بولا،

"ہاں بیٹی!"

اس کے منہ سے شراب کی بدبو کا بھبکا نکلا، اور وہ چکرا گئی، اس نے بڑی مشکل سے ضبط کر کے اور اپنی حالت پر قابو پا کے کہا،

"ارے یہ کیا؟"

"کیا ہوا؟"

"کیا تم پھر شراب پینے لگے؟"

انور نے لڑکھڑاتے ہوئے جواب دیا،

"ہاں!"

ریحانہ گھبرا کر بولی،

"یہ کیوں؟ تم تو چھوڑ چکے تھے شراب ——— ؟"

انور نے مست الست لہجہ میں بل کھا کھا کر جواب دیا،

"تو مجھ سے پوچھتی ہے میں شراب کیوں پینے لگا؟"

"ہاں ابا جان!"

"ارے پگلی اگر میں شراب نہ پیتا، تو تجھے پوچھنا چاہیئے تھا ابا جان تم شراب کیوں نہیں پیتے! ——— میں اپنے آپ کو بھول جانا چاہتا ہوں، سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں، ہائے میرے مولا میں اندھا کیوں نہیں ہو گیا؟ پاگل کیوں نہیں ہو گیا، مر کیوں نہیں گیا ——؟"

ریحانہ نے بیتاب ہو کر پوچھا،

"آخر ہوا کیا؟ کوئی نیا صدمہ کوئی نیا غم پہنچا ہے تمہیں؟"

"بیٹی تو کچھ نہیں جانتی، یہ میرا دل ہے جو پھٹ نہیں گیا!"

"آخر ہوا کیا، کچھ کہو تو، میں بھی تو سنوں!"

"تو اگر میری بیٹی ہے تو میرے کہے بغیر سب کچھ سمجھ لینا اور جان لینا چاہیئے تھا!"

"میں نہیں جانتی کچھ ——— لیکن اب شراب نہ پینا کبھی!"

"لیکن اگر تو نہیں جانتی، تو میں تجھے سب کچھ بتا دوں گا، اور پھر تو مجھ سے یہ نہیں کہے گی، کہ شراب چھوڑ دو، تو خود مجھے جام بھر بھر کے پلائے گی، میری بیٹی ہے نا! میری ہمدرد!"

یہ کہہ کر انور نے ایک زور کا قہقہہ لگایا، ریحانہ رونے لگی، انور نے اس کے شانے پر ہاتھ تھپتھپاتے کہا،

"بیٹی اب میں غلام ہوں، اور میرا غلام میرا مالک ہے، میرے پاس سب کچھ تھا، اب کچھ نہیں ہے، میں لکھ لٹ تھا اب فقیر ہوں!"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"اسی سے سب کچھ ہوتا ہے، وہ ایک ایک کر کے میری ہر چیز پر قابض ہو گیا، میں ایک ایک کر کے اپنی ہر چیز سے محروم ہو گیا"

"تو اس کا کیا غم، جو ہونا تھا ہو گیا"!

"لیکن جو ہو گیا، وہ مجھے یاد کیوں آتا ہے؟ رہ رہ کے میرے دل میں چٹکیاں کیوں لیتا ہے؟ میں اسے اگر یوں نہیں بھول سکتا، تو شراب پی کر بھلاؤں گا، ایک جام، ایک بوتل، ایک قرابہ کا قرابہ، اتنی ساری پی لوں گا، کہ میرا پیٹ پھٹ جائے، میری آنکھیں ابل پڑیں!"

ریحانہ چپ چاپ خاموش کھڑی تھی، اور انور کہہ رہا تھا،

"پھر اور تو سب کچھ سہہ لوں، لیکن مجھ سے احمد کی وہ رحم بھری آنکھیں بھی تو نہیں دیکھی جاتیں، وہ آنکھوں آنکھوں میں مجھ سے کہتا ہے کبھی تو

یہاں کا سردار تھا اب نوکر ہے، کبھی میں تیرا خادم تھا، اب دوسرے کا ہوں، جب اس کی آنکھوں سے یہ باتیں میں سنتا ہوں، تو پورا شراب خانہ پیٹ میں انڈیل لینے کا جی چاہتا ہے، ——— وہ پگلا ہے، نہیں بھولتا میں کیا تھا اور کیا ہوں! لیکن شراب کی بوتل چڑھا کر میں سب کچھ بھول جاتا ہوں"

ریحانہ بولی،

"تو تم اس کے ساتھ کام کیوں کرتے ہو؟"

"یہ لو، یہ میرے ہاتھ میں ہے؟ مالک جس کے ساتھ جوڑی سی لگا دے گا کام کرنا ہی پڑیگا، ——— تو اپنے باپ کو نہ جانے اب تک کیا سمجھے جا رہی ہے، ارسی دیوانی، وہ اب نوکر ہے نوکر، اپنے نوکر کا نوکر!"

یہ کہہ کر پھر اس نے ایک قہقہہ لگایا، اور لڑکھڑاتا ہوا، اپنے کمرہ کی طرف بڑھا، ریحانہ نے بڑھ کر اسے سہارا دیا، کمرہ میں لاکر چارپائی پر آرام سے لٹا دیا، اور بڑی ہمدردی اور محبت کے ساتھ بولی،

"اب سو جاؤ ابا تم؟"

اس نے کہا،

"میں سو جاؤں گا، تو بھی سو جا بیٹی"

ریحانہ اپنے کمرہ میں اپنے بستر پر آکر پڑ رہی، وہ سوچ رہی تھی میرا باپ اس غم اور صدمہ کی تاب نہیں لا سکے گا، اگر کہیں خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا، تو میں کہاں جاؤں گی؟ کس کا سہارا لونگی؟"

صبح ہوئی، ریحانہ نے جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا، انور بھی منہ ہاتھ دھو کر بیٹھ گیا آکر، ریحانہ نے پوچھا،

"اب کیسی طبیعت ہے!"

"اچھا ہوں بیٹی"

"دکان چلو گے؟"

"ضرور چلوں گا!"

"لیکن ———"

"لیکن ویکن کچھ نہیں تو فکر نہ کر، شراب میں نے دوا کے طور پر شروع کی ہے، تجھ سے وعدہ کرتا ہوں، جس دن میرا مرض دور ہو جائے گا، شراب بھی چھوڑ دوں گا"

ریحانہ جواب کیا دیتی خاموش ہو رہی، اور دونوں ساتھ ساتھ دکان پر روانہ ہو گئے،

دکان پر پہونچنے کے بعد سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے، ریحانہ اپنے سیکشن میں چلی گئی، انور نے اپنا شعبہ سنبھال لیا،

تھوڑی دیر کے بعد یوسف آیا، آج اس کے ساتھ ناہید بھی تھی، ان دونوں کو آتا دیکھ کر، تمام ملازم مؤدب ہو کر کھڑے ہو گئے اور باری باری سے سلام کرنے لگے، یوسف گردن کے اشارہ سے سلام کا جواب دیتا ہوا آگے بڑھنے لگا، انور نے نہ سلام کیا، نہ کھڑا ہوا، بدستور اپنے کام میں لگا رہا۔

یوسف آگے بڑھ گیا، لیکن ناہید انور کے پاس آکر ٹھٹک گئی، اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ انور نے تباہ و برباد ہونا اور دیوالیہ ہونا گوارا کر لیا، لیکن اس کی مالی امداد نہیں قبول کی، اور آج اس کے شوہر کی دکان میں ایک نوکر کی طرح کام کر رہا ہے،

ناہید اس لئے ٹھٹکی تھی، کہ انور سے اخلاق اور تسکین کی باتیں کرے گی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کہے! کس طرح شروع کرے، بات کیونکر چھیڑے، الفاظ لب تک آ آکر واپس چلے جاتے تھے،

دونوں کی نظریں چار ہوئیں، لیکن ناہید ویسی ہی گم سم کھڑی رہی، انور نے کہا،

"آداب عرض ہے سرکار"

یہ الفاظ تیر کی طرح ناہید کے دل میں چبھے، لیکن وہ ضبط کر گئی اس نے آہستہ سے کہا،

"آداب عرض"

انور نے پھر طنز کرتے ہوئے کہا،

"ہم غریب لوگوں کی اس سے بڑھ کر عزت اور سرخ روئی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ جیسی دھنوان دیویاں ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو جائیں، اور ہمارا حال زار توجہ سے ملاحظہ فرمائیں زہے قسمت!"

یہ ٹیڑھی بیڑھی باتیں سنکر ناہید کا چہرہ سفید پڑ گیا، وہ ڈر رہی تھی، کہیں انور جوش جنوں میں ایسی باتیں کرنے لگے، جو اس کی پچھلی

زندگی سے تعلق رکھتی ہوں، اور اس بھرے مجمع میں، اپنے خدام اور ملازمین کے سامنے اسے ذلیل ہونا پڑے، اس نے بڑے اخلاق اور متانت کے ساتھ کہا،

"آپ یہاں کام کرتے ہیں، یہ تو مجھے آج معلوم ہوا"

"لیکن اس کی ضرورت بھی کیا تھی کہ آپ کو معلوم ہو میں کہاں ہوں اور کیا کرتا ہوں، ہم جیسے غریب اور مزدور آپ کے خیال میں کیوں آنے لگے،

تم کو آشفتہ نصیبوں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا!

ناہید نے بڑی لجاجت سے کہا،

"میں آپ سے پھر ملوں گی!"

اور یہ کہہ کر تیزی سے وہ یوسف کے کمرہ میں چلی گئی، اتفاق سے اس وقت انور کے پاس نہ کوئی گاہک تھا، نہ ملازم، ورنہ شاید اپنی اس توہین پر وہ رو دی ہوتی جاتی، اس کے جانے کے بعد انور نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا، جیب سے بیڑی نکالی، اسے سلگایا، اور ایک لمبا کش لگا کر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا،!

دکان کی پہلی منزل پر ایک کھڑکی سے بالکل ملا ہوا، یوسف کھڑا ہے وہ اسوقت کسی گہرے خیال میں ہے، وہ سوچ رہا ہے، میری ترقی، انور کے زوال کا سبب بن گئی، حالانکہ اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے، میں نے اسے کبھی نقصان نہیں پہونچایا، میں نے اس کا کبھی برا نہیں چاہا لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ وہ تباہ ہوگیا، میں نے اس سے کافی فائدہ اٹھایا، وہی تھا جس نے مجھ جیسے ایک اجنبی مسافر کو، محض اپنے اعتماد کی بنا پر، منیجر بنالیا، اور پھر اپنی ہر چیز مجھہ پر چھوڑ دی، میں مالک و مختار بن گیا، وہ خود میرا محتاج ہوگیا، پھر حالات نے پلٹا کھایا، وہ کچھہ نہ رہا، میں سب کچھہ بن گیا، کیا میرا فرض صرف یہی ہے، کہ میں اپنی دکان پر اسے ایک اچھی سی ملازمت دے دوں، نہیں یہ احسان فراموشی ہے، مجھے کچھہ اس سے زیادہ کرنا چاہیئے، مجھے کوشش کرنی چاہیئے، کہ اس کی زندگی پھر سے سنور جائے، وہ پھر اپنی حالت سنبھال لے، وہ ایک ملازم کی طرح زندگی بسر نہ کرے، بلکہ خود تجارت کرے، اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکے

تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے، اور نقصان بھی، اگر اس غریب کو نقصان پہونچا تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسے ناکارہ اور نااہل سمجھہ لیا جائے میں اس کے لئے ضرور کچھہ کروں گا، آج ہی اپنی ایسوسی ایشن میں اس سوال کو اٹھاؤں گا، وہ مزاج کا چاہے کتنا چڑچڑا ہو، لیکن طبیعت کا برا نہیں، بھلا آدمی ہے، اور میری شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس کیساتھ جتنی بھی بھلائی اور نیکی کرسکتا ہوں کروں،

وہ یہی باتیں سوچ رہا تھا کہ انور کسی کام سے اوپر آیا، اور یوسف کو تنہا دیکھہ کر وہ اس کے پاس چلا گیا، اور اس سے باتیں کرنے لگا، یوسف حسب معمول اخلاق و تپاک سے ملا، اور خوش دلی کیساتھ اس سے باتیں کرنے لگا، باتوں باتوں میں اس نے یہ بھی پوچھ لیا کہ اس دکان پر اس کا جی لگتا ہے یا نہیں، انور تو پہلے ہی سے بدظن تھا، وہ سمجھا یوسف مجھہ پر طنز کر رہا ہے، اور گویا مجھہ سے پوچھ رہا ہے، کہئے، میرے سابق آقا صاحب، آپ اپنے سابق ملازم کی ملازمت سے خوش اور مطمئن ہیں یا نہیں؟

یہ سوچ کر انور کے دل میں آتش انتقام بھڑکنے لگی، اس نے بظاہر بڑی شفقت سے یوسف کے شانے پر ہاتھ رکھدیا، اگر وہ ایک ہلکا سا دھکا بھی یوسف کو دیدیتا تو کوئی شبہ نہیں یوسف دھڑام سے نیچے گرتا، اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا، اور کوئی شبہ نہیں انور کا ارادہ یہی تھا اور وہ یہی فیصلہ کر چکا تھا،

انور یوسف کو دھکا دینے ہی والا تھا کہ ریحانہ گاہکوں کے ہجوم سے تنگ آکر، اوپر اسے بلانے آئی، وہ دیکھتے ہی سمجھ گئی، چند لمحوں کے اندر کیا ہونے والا ہے؟ وہ ایک عرصہ سے انور کی تبدیلی دیکھ رہی تھی، محسوس کر رہی تھی، کہ انور یوسف کے خلاف کتنا زیادہ مشتعل ہوتا جا رہا ہے، اس وقت بھی، یوسف اپنی سادہ لوحی کے سبب نہ دیکھ سکا لیکن ریحانہ نے دیکھ لیا، انور کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں، اور وہ اس وقت ہر حرکت کر سکتا ہے، وہ یوسف سے محروم ہو چکی تھی، لیکن اس کے دل میں اب تک یوسف کی محبت اپنا نشیمن بنائے ہوئے تھی، یہ دیکھ کر وہ سہم گئی، لرز گئی اور لپک کر یوسف کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی، اور بڑی گھبراہٹ کے عالم میں اس نے انور سے کہا،

"آپ نیچے چلئے، گاہک ٹوٹے پڑ رہے ہیں، اور میرے اکیلے کے کچھ بھی نہیں ہوتا!"

انور نے دیکھا موقعہ ہاتھ سے نکل گیا، اس نے آہستہ سے کہا،

"چل!"

اور خود بھی اس کے ساتھ نیچے چلا آیا، یوسف نے ان دونوں کی کیفیت ذرا بھی محسوس نہ کی، وہ تو اسی فکر میں تھا، کہ کسی طرح، انور کے لئے کوئی مستقل بندوبست کر دے تاکہ وہ اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکے،

انور کے نیچے جانے کے بعد، یوسف بھی نیچے اترا، اور دکان کا

ایک گشت لگاتا ہوا، باہر چلا گیا اسنے ایسوسی ایشن کی مجلس عاملہ کا جلسہ میں یہ تجویز پیش کی کہ ۱۵ ہزار روپے تک کے صرف سے، انور کو کوئی دکان کھولدی جائے، تاکہ وہ آزادانہ کاروبار کر کے اپنی زندگی سنبھال سکے یوسف نے تقریر کرتے ہوئے کہا، یہ رقم میں اپنے پاس سے دے سکتا تھا لیکن میں چاہتا ہوں یہ کام ایسوسی ایشن کے فنڈ سے ہو، ایک تو اس لئے کہ انور، اس ایسوسی ایشن کا کئی برس تک صدر رہ چکا ہے، اور اس نے اپنی صدارت کے زمانہ میں انجمن کی بڑی گراں بہا خدمتیں انجام دی ہیں اور ہزاروں روپیہ اس انجمن کی تشکیل اور تعمیر پر اپنی جیب سے خرچ کیا ہے، اب کہ وہ مصیبت میں گرفتار ہے، انجمن کو اپنے سابق صدر اور محسن کی امکانی مدد ضرور کرنی چاہیئے، دوسرے اس لئے کہ میں اگر ۵۰ ہزار روپیہ بھی اپنی جیب سے دوں، تو وہ ہرگز قبول نہیں کرے گا، وہ تباہ و برباد ہو چکا ہے، لیکن آن کا وہی عالم ہے، جو پہلے تھا، وہ اپنے برابر والوں کی مدد تو شاید قبول بھی کر لے لیکن ایک ایسے شخص کی مدد نہیں قبول کر سکتا، جو اس کا ملازم اور ماتحت رہ چکا ہے،

یوسف کی تجویز بالاتفاق منظور ہو گئی، اور طے پا گیا کہ انجمن کے فنڈ سے ۱۵ ہزار تک سرمایہ لگا کر، انور کو کوئی دکان کھولدی جائے، اس فیصلہ سے یوسف بہت خوش ہوا، اور اس نے ممبران مجلس عاملہ کو ان کی اس فرض شناسی پر مبارکباد دی،

دوسرے روز یوسف نے اپنے مہتہ سے کہا،

"سنتے ہو جی کالی چرن!"

"جی فرمائیے!"

"میں نے سنا ہے شرما کی دکان بک رہی ہے؟"

"جی ہاں بک تو رہی ہے!"

"میں چاہتا ہوں وہ خرید لی جائے، میری بھی یہ رائے ہے اور انجمن کے ممبروں کی بھی یہ رائے ہے کہ اسے خرید کر انور میاں کے حوالہ کر دیا جائے، تاکہ وہ پھر سے اپنی نئی زندگی شروع کر سکیں۔"

کالی چرن نے یوسف کی یہ بات سنی، اور خاموش رہا،

یوسف نے کہا

"کیا بات ہے تم چپ ہو گئے! یہ رائے ٹھیک ہے نا؟"

کالی چرن نے جواب دیا،

"جی ٹھیک تو ہے لیکن ——————"

"کہو کہو، لیکن کیا!"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایسے آدمی پر احسان کیوں کیا جائے، جو اپنا دشمن ہو؟"

یوسف نے حیرت کے ساتھ کہا،

"دشمن؟"

"جی!"

"کون ہے میرا دشمن؟ میں تو کسی کا بھی دشمن نہیں ہوں!"

"آپ نہیں ہیں، لیکن وہ ہیں"

"تم کسے کہہ رہے ہو؟ انور صاحب کو!"

کالی چرن نے بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ جواب دیا،

"جی ہاں! انہی کے بارے میں کہہ رہا ہوں!"

یوسف نے پوچھا،

"تمہیں کیسے معلوم!"

"میرے کان ہیں، اور میں سنتا رہتا ہوں، وہ برابر آپ کو برا بھلا کہتے رہتے ہیں!"

"سچ کہتے ہو؟"

"جس کا نمک کھاؤں گا، اس سے جھوٹ بولنا میں نے نہیں سیکھا ہے"

"تمہیں کیا کیا معلوم ہے؟"

"وہ ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں، جنہیں میں دہرا نہیں سکتا!"

"لیکن آخر میں نے ان کا بگاڑا کیا ہے؟"

"یہ تو بھگوان جانیں —————— میری رائے میں تو ایسے آدمی کا نوکر رکھنا بھی ٹھیک نہیں ہے!"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں انور کو نوکری سے برطرف کر دوں!"

"میری رائے تو یہی ہے"

"یہ نہیں ہو سکتا، اب کبھی ایسا نہ کہنا!"

"کوئی مصلحت ہو گی آپ کی!"

"میں اس آدمی کو نوکری سے نہیں برطرف کر سکتا، جس کے مجھ پہ احسانات ہیں، ——— جب میرا کوئی سہارا نہیں تھا، اس نے مجھے سہارا دیا، جب میرا کہیں ٹھکانہ نہیں تھا، اس نے مجھے پناہ دی، جب میں بے روزگار تھا، اس نے مجھے نوکر رکھا ——— ایسے آدمی کو نوکری سے برطرف کر دوں، کچھ پاگل ہوئے ہو کالی چرن؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے حضور!"

اس گفتگو کے بعد کالی چرن چلا گیا، اس کے جانے کے بعد یوسف نے اپنے اور انور کے مراسم کا جائزہ لیا، اور فیصلہ کر لیا کہ سر دست دکان کا معاملہ ملتوی رکھنا چاہیئے، جب انور کے طرز عمل کے بارے میں پورا پورا اطمینان ہو جائے گا، تب اس سلسلہ میں کوئی اقدام کیا جائے گا، اگر انور واقعی میرا دشمن ہے، تو مجھے اتنا عالی حوصلہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ پھر بھی، میں اسے از سر نو زندگی شروع کرنے کا موقع دے کر اپنے ہاتھوں اپنے زوال کا سبب بنوں، اور اگر ثابت ہو گیا کہ وہ دوست ہے، تو پھر اس کی ترقی کو میں اپنی ترقی سمجھوں گا، اور کوئی دقیقہ اس کی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں فروگذاشت نہ کروں گا،

وہ یہی سوچ رہا تھا، کہ خود شرما، نمودار ہو گیا، اس نے یوسف سے کہا،

"کہئے میری دکان آپ کب لے رہے ہیں۔ جلدی سے یہ سودا ہو جائے۔ تو میں گھر چلا جاؤں ——— اب دہلی کاروبار شروع کرنے

کا ارادہ رکھتا ہوں!"

یوسف نے قدرے بے رخی اور استغنا کے ساتھ کہا،

"ہاں بھئی لینے والے تو تھے ہم، لیکن انجمن کے ممبروں کی رائے ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس معاملہ کو سوچا جائے گا، لہٰذا ابھی تو سودا نہیں ہو گا!"

شرما نے یہ سنا، اور خاموشی کے ساتھ بغیر کچھ کہے سنے چلا گیا اور سیدھا انور کے پاس پہونچا، اس سے کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کر کے اس نے کہا،

"دیکھ لیا یار تمہارے یوسف میاں کو بھی!"

انور نے پوچھا،

"کیا ہوا"؟

"سارا کام بگاڑ دیا اس آدمی نے!"

"کیسا کام"؟

"ارے یار انجمن والے میری دکان خرید کر تمہیں تحفہ کے طور پہ دے رہے تھے، لیکن یوسف میاں ٹھہرے صدر، انہوں نے اڑنگا لگا کے معاملہ ختم کر دیا!"

یہ سنکر انور کے چہرہ پر غصہ کے آثار پیدا ہوئے، وہ کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس نے دانت پیستے ہوئے کہا،

"نمک حراموں سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے؟ مجھے تو یہ

باتیں سنکر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی !"

شرما نے کہا

"بھیا تمہیں نہ ہو حیرت ، اپن کو تو ہے ، یہ تو رام قسم آدمی نہیں شیطان ہے !"

"ہاں ہے تو شیطان ، لیکن وہ وقت آ رہا ہے کہ میں اس کے لئے لاحول بن جاؤں گا "!

شرما نے ایک زور دار قہقہہ لگایا ، اور چلدیا ،

شرما کے جانے کے بعد ، انور پر غور و فکر کی ایک کیفیت طاری ہو گئی ، ابتک اس کے دل میں یوسف کے خلاف ، بغض و عداوت نفرت اور دشمنی ، انتقام ، اور عناد کا ایک آتش فشاں پروان چڑھ رہا تھا ، لیکن اب وہ پروان چڑھ چکا تھا ، اور اب وہ پھٹنے والا تھا اور پھٹنے کا ، باہر نکلنے کا مشتعل ہونے اور جھلسا دینے کا راستہ ڈھونڈھ رہا تھا ، ابتک اس نے ، یوسف کو زک دینے کی بارہا اسکیمیں بنائیں ، اور انہیں خود ہی نظر انداز کر دیا ، لیکن اب وہ چاہتا تھا ، اس نے طے کر لیا تھا ، جس طرح بھی ہو ، اس بدنفس ، احسان فراموش اور کمینہ شخص کا مقابلہ کیا جائے ، اور اس مقابلہ میں دو میں سے کسی ایک کو بہر حال ختم ہو جانا چاہیئے ، تا کہ یہ اے دن کی فکریں اور پریشانیاں ختم ہوں ،

گھر سے وہ اٹھا ، اور سیدھا شراب خانہ پہونچ گیا ، اور جام پر جام

لنڈھانے لگا ، وہ بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا کہ سامنے سے ایک دفعہ یوسف جاتا ہو گزرا ، انور نے اسے دیکھا ، اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں ، اور اس نے اسے دیکھ کر ، اور حقارت سے منہ پھیر کر پھر گلاس پر گلاس چڑھانا شروع کر دیئے ،

یوسف گھر پہونچا ، ناہید نے حسب معمول بڑھکر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ، مسکراتی ہوئی ، پیشوائی کے لئے بڑھی ، روز یوسف بھی اسی گرم جوشی اور سرگرمی سے ملاقات کرتا تھا ، اسے مسکراتا ہوا دیکھ کر ناہید خود بھی مسرت سے بے خود ہو جاتی تھی ، لیکن آج اس نے دیکھا یوسف کے روشن اور تابناک چہرے پر فکر اور پریشانی کے بادل چھائے ہوئے ہیں ، وہ فکر مند اور پریشان نظر آ رہا تھا ،

جب یوسف بیٹھ گیا ، تو ناہید نے اسے فکر مند نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا ،

"کیا بات ہے چپ چپ کیوں ہو ؟"

"کچھ نہیں !"

"کوئی بات ضرور ہے تم چھپا رہے ہو !"

"یونہی ——— سوچ رہا تھا"

"سمجھ میں نہیں آتا ، وہ مجھ سے نفرت کیوں کرتا ہے ؟ وہ میرا دشمن کیوں ہے ؟ میں نے اس کا بگاڑا کیا ہے ؟"

"توبہ الہی ——— کون ؟"

یوسف نے ناہید کے چہرہ کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا،

"انور، اور کون!۔۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی میں اس کی جورو بھگا لے گیا ہوں، نہ جانے اتنا کیوں جلتا ہے مجھ سے!"

یہ سنکر ناہید کا چہرہ سفید پڑ گیا، جیسے اس کے کسی بڑے جرم کا انکشاف ہو گیا ہو، وہ پھر خاموش ہو گئی، پھر اس نے یوسف سے کچھ نہیں پوچھا!

رات ختم ہوئی تو یوسف کے چہرے کے وہ اثرات بھی ختم ہو گئے، جنہوں نے کل ناہید کو پریشان اور دل گرفتہ کر دیا تھا، وہ اب پھر خوش اور مطمئن تھی، اس لئے کہ اب یوسف بھی خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا،

ناہید نے، اپنے تئیں یوسف کا پرتو بنا لیا تھا، وہ ایک ایسا آئینہ بن گئی تھی، جس میں یوسف کا عکس ہر وقت دیکھا جا سکتا تھا، یوسف اگر فکرمند اور پریشان ہے، تو ناہید کے چہرے پر بھی افسردگی اور اضمحلال کی شکنیں پڑی ہوئی ہیں، یوسف اگر مسرور اور مخمور ہے تو ناہید کا چہرہ بھی گلستاں بوستاں بنا ہوا ہے، یوسف کو اگر حرارت بھی آ گئی ہے تو ناہید کا دل شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا ہے، یوسف اگر بے بات کی بات پر بھی کبھی مسکرا دیا، تو ناہید کے دل کی کلی کھل کر پھول بن گئی ہے، ایک جان اور دو قالب کی مثل بغیر کسی مبالغہ کے صادق آ سکتی تھی تو ناہید پر، اس نے اپنے خیالات کو، اپنی ہستی کو، اپنے وجود کو، یوسف کے خیالات اور وجود میں گم کر دیا تھا، قطرۂ ناچیز سمندر میں مل کر سمندر

بن جاتا ہے، ناہید کا قلب ناتواں بھی یوسف سے مل کر یوسف بن گیا تھا، اور اب اس میں توانائی اور شکیب کے سوا کچھ نہ تھا،

آج شام کے کھانے پر کل کی سی افسردگی اور خاموشی نہیں تھی، بلکہ ہنسی خوشی اور چہل پہل کا دور دورہ تھا، یوسف ہنس ہنس کر ناہید سے باتیں کر رہا تھا، اور وہ مسکرا مسکرا کر اس کی باتوں کا جواب دے رہی تھی خوشی کی ساعت میں آدمی غم کی گھڑیاں بھول جاتا ہے، اب ناہید کو یہ یاد بھی نہیں تھا کہ کل یوسف ملول اور رنجور کیوں نظر آرہا تھا، اس کا اندیشہ بھی نہیں تھا، کہ پھر کوئی ایسی بات رونما ہو سکتی ہے، جو رنجوری اور غمگینی کا سبب بن جائے گی،

جب رات کے گیارہ بج گئے، تو ناہید نے جمائی لیتے ہوئے کہا،

"ہمیں تو اب نیند آرہی ہے بھئی!"

یوسف نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا،

"تم سو رہو جا کے، مجھے آج چند ضروری کاغذات کو مرتب کرنا ہے، میں ذرا دیر میں سوؤں گا آج!"

ناہید اپنے کمرہ میں چلی گئی، جو بالکل اس کمرہ سے ملحق تھا، یہاں کی آواز صاف وہاں سنائی دے سکتی تھی، وہ اپنے بستر پر، لائٹ آف کر کے دراز ہو گئی، اور نیند کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگی، نیند نے اس کی پلکوں کے دروازہ پر دستک دی ہی تھی کہ اس کے کان میں باتیں کرنے کی آواز آئی، معلوم ہوا، یوسف کسی شخص سے باتیں کر رہا

ہے، جس شخص سے باتیں کر رہا تھا، اس کی آواز انور سے ملتی جلتی تھی، یہ محسوس کر کے اس کے کان کھڑے ہوئے اور وہ جلدی سے لپک کر دروازہ کے پاس آئی، اور اوٹ میں کھڑی ہو کر دونوں کی باتیں سننے لگی،

انور یوسف سے کہہ رہا تھا،

"اب اس گھر پر میرا کوئی داعیہ نہیں ہے، لیکن یہاں میری کچھ ایسی چیزیں ہیں، جو صرف میرے کام آسکتی ہیں، کسی دوسرے کے کام نہیں آسکتیں، کیا میں انہیں لے سکتا ہوں؟"

یوسف نے بڑی خندہ جبینی اور عالی حوصلگی کے ساتھ کہا،

"شوق سے ایسی چیزیں لے جائیے، بلکہ میں تو کہتا ہوں، جو چاہیے لے جائیے، آپ ان چیزوں کو اپنا نہیں سمجھتے، لیکن میں یہاں کی ہر چیز آپ کی سمجھتا ہوں، آپ جو کچھ بھی لے جائیں گے، مجھے خوشی ہوگی، قطعاً کسی قسم کا اعتراض نہ ہوگا!"

انور نے کہا،

"شکریہ!"

پھر وہ دیوار کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا، اس دیوار میں ایک الماری جمی ہوئی تھی، کچھ دیر تک وہ اس الماری کو دیکھتا رہا، پھر اس نے یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

"یہ الماری آپ نے کھولی تھی کبھی؟"

یوسف نے جواب دیا۔

"کبھی اسے کھولنے کا خیال بھی نہیں آیا،
انور نے کہا،

"اس بچوری میں میرے کچھ خطوط اور کاغذات ہیں، انہی کو میں لینے آیا ہوں!"

"یوسف نے کہا،

"اس میں جو کچھ ہے وہ بڑی خوشی سے لیجائیے"

انور نے بچوری کھولی، کاغذات کا ایک بلندا، اسنے نکالا، اسے سنبھالا، اور یوسف کے پاس آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا، اور ان کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا، پھر وہ خود بخود مسکرایا، اور یوسف کو مخاطب کرکے گویا ہوا،

"کہئے ناہید بیگم کا مزاج کیسا ہے، اچھی تو ہیں"؟

یوسف نے جواب دیا،

"خدا کا شکر ہے، بالکل اچھی ہیں!"

یہ سنکر انور خاموش ہوگیا، اور پھر وہ کاغذات الٹنے پلٹنے لگا، پھر اس نے چند کاغذات اپنے ہاتھ میں لئے اور کہا،

"یہ خط ہیں!"

یوسف خاموش رہا، لیکن انور نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"یہ اس عورت کے خط ہیں جو مجھ سے شادی کرنے پر تلی ہوئی تھی

لیکن جس نے مجھے دھوکہ دیا، اور ایک دوسرے آدمی سے شادی کرلی!"

یوسف نے تعجب اور حیرت کے ساتھ کہا،

"اچھا"!

"ہاں اور کیا!"

یوسف پھر اپنے کام میں لگ گیا، اور انور اپنے کاغذات کا مطالعہ کرنے لگا، مطالعہ کرتے کرتے اس نے کہا،

"واللہ بڑے دلچسپ خط ہیں ایک خط میں لکھتی ہیں"

"میں اب زندگی کے وہ شیریں خواب نہیں دیکھ سکتی جنہیں میں نے حاصل حیات بنا رکھا تھا، جو میرے حاصل زندگی بن چکے تھے، میں نے تمہیں پالینے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوسکی، میں تمہاری خادمہ اور کنیز بنکر بھی تمہارے قدموں میں اپنی زندگی بسر کرنے کی تمنا بھی پوری نہ کرسکی، میری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ زندہ رہوں، اور اس دنیا میں جہنم کے مزے لوٹوں"

اتنا پڑھ کر، انور نے ایک زور کا قہقہہ لگایا، یوسف کی طرف ایک نگاہ غلط انداز سے دیکھا، اور کہا،

"شکر ہے اب وہ جنت میں ہے اس کے دوزخ کا داروغہ مرچکا ہے"

یوسف دلچسپی کے ساتھ انور کی باتیں سن رہا تھا، انور نے قہقہہ لگانے کے بعد خط کا باقی حصہ پڑھنا شروع کیا،

"تم مجھ سے بچھڑ گئے، اب میں کسی کی نہیں ہو سکتی کسی کو اپنا نہیں بنا سکتی"

انور نے لکھنے والی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا،

"جو میرے غم میں کسی کی نہیں بن سکتی تھی، اسی نے ہاں اسی نے مجھے چھوڑ دیا، اور میرا ایک رقیب پیدا کر کے اس کی بن گئی، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ——— واللہ یہ عورت ذات بھی کتنی مکار ہوتی ہے!"

یوسف کچھ کہنے والا تھا، کہ انور نے اسے بات کرنے کا موقعہ نہ دے کر کہا، اور سنئیے فرماتی ہیں، جنابۂ موصوفہ و محترمہ،

"اب تمہاری پہلی بیوی مر چکی ہے کیا اب بھی تم مجھ سے بھاگتے رہو گے، ؟ کیا اب بھی تم مجھے اپنا نہ بنا سکو گے، ؟ میری طرف دیکھو، میرے حال پر رحم کرو، دیکھو میں کس مصیبت میں گرفتار ہوں کس طرح زندگی سے عاجز آ چکی ہوں،

آہ معلوم ہوتا ہے تمہارے سینہ میں دل نہیں پتھر ہے، ورنہ ایک تباہ حال اور مظلوم عورت کی بپتا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تم منہ پھیر لیتے انور!"

انور نے پھر ایک زہر میں بجھا ہوا قہقہہ لگایا، اور کہا،

"دیکھ لیا عورتیں ایسی ہوتی ہیں!"

یوسف نے کہا،

"ایسی نہیں، ایسی بھی ——— لیکن کون ہے یہ عورت؟"

"ہے ایک عورت ؟ ——— میں اسے اپنی بیوی نہ بنا سکا لیکن اس نے اپنے لئے ایک اچھا شوہر ڈھونڈ لیا!"

"لیکن آپ سے مایوس ہو کر"!

"جی نہیں مجھے ٹھکرا کر!"

"تعجب ہے! ——— لیکن شاید پہلے آپنے اسے ٹھکرا دیا پھر اس نے آپ کو ٹھکرایا، ہے نا یہی بات ؟"

"بات صرف یہ ہے کہ جب میں اس سے شادی کرنے پر تیار ہوا تو وہ مکر گئی ——— پچھلی التجائیں اور گزارشیں بھول گئی ——— اس لئے کہ اب اس نے ایک اور مرد کو تاک لیا تھا ——— ہا ہا، ہا ہا،

انور کے قہقہہ کا یہ بھیانک رنگ دیکھ کر یوسف گھبرا گیا، اس نے بڑی ملائمت کے ساتھ کہا،

"بتائیے بھی اس قصہ کو ——— میں ہوتا آپ کی جگہ، تو پہاڑ کے رکھ دیتا ان خطوں کو، یہ اب ردی کے پرزے ہیں، ان میں اب رکھا کیا ہے ؟"

انور نے دفعتہً سنجیدہ ہو کر جواب دیا،

"اپنی اپنی رائے ہے"

"آپ کے نزدیک یہ خطوط بڑے اہم ہیں؟"

"ہاں بھئی میری رائے تو یہی ہے!"

"ٹھیک ہے اپنی اپنی رائے ہے!"

یہ کہہ کر یوسف مسکرایا، اسے مسکراتا دیکھ کر انور دفعتہً بھڑک اٹھا اس نے ایک جذبہ کے عالم میں کہنا شروع کیا،

"یہ ردی کے ٹکڑے نہیں ہیں، یہ بڑی اہم اور یادگار دستاویز ہیں میں ان سے کام لے سکتا ہوں، ——— فائدہ اٹھا سکتا ہوں، نقصان پہونچا سکتا ہوں، بے نقاب کر سکتا ہوں، رسوا کر سکتا ہوں، مزہ چکھا سکتا ہوں!"

یوسف نے کہا،

"پھر انتظار کاہے کا ہے؟"

انور نے جواب دیا،

"وقت کا، ابھی وقت نہیں آیا، لیکن شاید جلد آ جائے!"

یہ کہہ کر انور تیزی کے ساتھ یوسف کے کمرہ سے باہر نکل گیا، ناہید، دروازہ سے لگی، انور کی ایک ایک بات سن رہی تھی اور ہر ہر بات اس کے لئے ایٹم بم ثابت ہو رہی تھی، انور کے جانے کے بعد، وہ ایک فالج زدہ کی طرح لڑکھتی اور گھسٹتی ہوئی، اپنے بستر

پر آ کر گر گئی، اگر انور کچھ دیر اور اپنی باتوں کا سلسلہ جاری رکھتا تو اسے افشائے راز کی ضرورت ہی نہ پڑتی، ناہید خود ہی بے ہوش ہو کر گر گئی اور اس طرح اپنی زبان ہلائے بغیر افشائے راز کر دیتی،

وہ چارپائی پر لیٹی ہوئی، بے حس و حرکت پڑی تھی، پھر یوسف آیا، اس نے خیال کیا، ناہید سو چکی ہے، رات زیادہ آ چکی تھی، وہ بھی خاموشی سے بستر پر لیٹا اور خراٹے لینے لگا، لیکن ناہید اب تک جاگ رہی تھی، اور شاید رات بھر جاگتی رہی!

"ایں تم کچھ بیمار ہو؟"

ناہید نے جواب دیا"

"بیمار بھی کیسی؟ مایوس العلاج، لب گور!"

انور نے ذرا پریشانی کے ساتھ کہا،

"سچ ہے، ہر دولت کی طرح، دولت حسن بھی فانی ہے، میں دیوالیہ ہو گیا، اور اب تم بھی اس منزل پر پہونچتی جا رہی ہو ——— تمہارے پھول سے چہرے کو کملایا ہوا دیکھ کر مجھے بڑا دکھ ہو رہا ہے!"

ناہید اب تک خاموش تھی، اب اس نے ایک طنزیہ تبسم کیساتھ کہا

"دکھ ہوتا ہے تمہیں میری یہ حالت دیکھ کر! ———

"ہاں بھئی بات تو یہی ہے!"

"لیکن میری یہ حالت بنائی کس نے ہے؟"

"میں کیا جانوں؟"

"خوب جانتے ہو، خوب سمجھتے ہو!"

"خدا کی قسم ذرا بھی نہیں!"

ناہید نے ذرا بلند لیکن گریہ آلود آواز سے کہا،

"تم ہو جس نے مجھے ہلکان کر رکھا ہے، میری رات کی نیند اور دن کا چین برباد کر ڈالا ہے ——— ہاں میں ایک پھول کی طرح تھی، لیکن اب ایک سوکھی ہوئی بیتی رہ گئی ہوں، میں جوان تھی لیکن بڑھاپا نہایت تیزی کیساتھ، میری طرف لپکا چلا آ رہا ہے!"

رات کا وقت ہے، اور وہی کھنڈر ہے جہاں آج سے کئی برس پہلے ایک عرصہ کی جدائی کے بعد، انور اور فریدہ میں ملاقات ہوئی تھی اور نئی زندگی کا نیا دور شروع ہوا تھا، اس وقت انور کے سامنے فریدہ نہیں ہے، ناہید ہے وہ اس کے سامنے ایک مجرم کی طرح کھڑی ہوئی ہے، پاؤں لرز رہے ہیں، آواز بھرائی ہوئی ہے، چہرہ پر خوف اور دہشت کے آثار ہویدا ہیں، انور نے بڑے اطمینان سے اس کی یہ کیفیت دیکھی، پھر بڑی بے فکری سے کہا،

"زہے قسمت کہ حضور نے یاد فرمایا اپنے اس سابق طالب ناکام کو!"

ناہید خاموش کھڑی لرزتی رہی، اس نے کچھ بھی نہ کہا، انور نے کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس نے کہا،

"کہئے کیوں یاد فرمایا ہے سرکار نے اس خادم کو!"

ناہید اب بھی خاموش تھی، انور نے ناہید کے چہرہ کو بغور دیکھتے ہوئے کسی قدر حیرت کے ساتھ کہا،

یہ باتیں ناہید کی سنکر انور کا مسکراتا ہوا چہرہ افسردہ ہو گیا اس نے بڑی بیقراری اور گھبراہٹ کے ساتھ کہا،

"کیا کہہ رہی ہو ناہید"؟

"کیا غلط کہہ رہی ہوں"؟

"یہ میں ہوں، جس نے تمہارا یہ حال کر رکھا ہے؟"

ناہید نے روتے روتے کہا،

"ہاں تم، صرف تم، تمہی!"

انور نے سنجیدگی کے ساتھ کہا،

"کیسے؟"

ناہید پھر رونے لگی، اس نے روتے روتے کہا،

"تم ہو جو گھن کی طرح چاٹے جا رہے ہو، تم تلوار کی طرح میرے سر پہ لٹک رہے ہو، گر بھی تو نہیں پڑتی یہ تلوار، میرے سر پہ کہ چھٹکارا مل جائے مجھے اس دکھی زندگی سے تم نے میری خوشی چھین لی ہے میرا سکھ برباد کر دیا ہے، میری دنیا لوٹ لی ہے، مجھے کہیں کا بھی نہ رکھا ——"

یہ کہہ کر ناہید سسکیاں لے لیکر رونے لگی، انور بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا، ناہید نے کہا،

"تمہاری دھمکیاں تمہاری باتیں، تمہاری یہ رس بھری چوٹیں مجھے مارے ڈال رہی ہیں انور —— اب تو مجھ پہ رحم کرو

اب انور کی آنکھوں میں بھی آنسو آ چکے تھے، وہ بے حس و حرکت بیٹھا ناہید کی باتیں سن رہا تھا، اور وہ پورے جوش کے ساتھ کہہ رہی تھی،

"اگر تم مجھ پہ رحم نہیں کرتے، تو اس معصوم پر تو رحم کرو، جو ابھی دنیا میں آنے کیلئے، میرے پیٹ میں کروٹیں لے رہا ہے، اس نے کیا بگاڑا ہے تمہارا، ؟ تم بہت کچھ کر چکے، کیا اب بھی جی نہیں بھرا تمہارا ——؟"

انور نے ایک تاثر کے عالم میں جواب دیا،

"یہ بات ہے ——؟"

وہ کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس نے کہا،

"اچھا تم چاہتی کیا ہو؟"

ناہید بدستور سسکیاں لے لیکر رو رہی تھی، انور نے کہا،

"میں وعدہ کرتا ہوں، اور یہ وعدہ انور کا وعدہ ہے، جو تم کہو گی وہی میں کروں گا —— بتاؤ تمہیں خوش اور مطمئن رکھنے کے لئے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

ناہید بدستور روئے چلی جا رہی تھی، انور نے کہا،

"بتاؤ جواب دو ناہید!"

ناہید نے کہا،

"اپنی زبان پہ قابو رکھو!"

انور نے کہا،

"یہ زبان اب تمہارے بارے میں کبھی نہیں کھلے گی ——— اور؟"

ناہید بولی،

"دھمکیاں دینا بند کر دو!"

انور نے جواب دیا،

"اس زبان پر اب کوئی دھمکی کا لفظ نہیں آنے پائے گا ——— کچھ اور؟"

ناہید نے کہا،

"مجھے بھول جاؤ!"

انور نے کہا،

"بھول گیا میں تمہیں ——— بس؟"

ناہید بولی،

"مجھے معاف کر دو، میری غلطیاں بخش دو،"

انور نے بڑی فراخدلی اور اولوالعزمی کے ساتھ کہا،

"یہ بھی منظور ——— اب تو تم خوش اور مطمئن ہو؟"

ناہید نے کہا،

"ایک بات اور ———؟"

انور بولا،

"ہاں ہاں وہ بھی کہہ ڈالو ناہید اس وقت دریائے سخاوت

اور جذبۂ رحمت جوش پر ہے، جو مانگو گی وہ پاؤ گی!"

ناہید نے کہا،

"میرے خط مجھے واپس کر دو!"

انور نے کچھ سوچا، پھر کہا،

"یہی ہوگا ——— تمہارے ہاتھ کا لکھا ہوا، ہر پرزہ ہر رقعہ، ہر خط، میں کل صبح ہوتے ہی تمہیں واپس کر دونگا"

ناہید نے شکر مند آنکھوں کے ساتھ انور کو دیکھا اور نظریں جھکا لیں، انور نے ایک تبسم کے ساتھ کہا،

"اب تو تم خوش ہوئیں؟ ابتو ایک سوکھی ہوئی بیتی سے تم پھر ایک کھلا ہوا پھول بن جاؤ گی،؟ اب تو پھر بڑھاپا بھاگ جائے گا، اور جوانی کے جھولے خوشی اور چین کے ساتھ جھولو گی،؟"

ناہید نے پھر شکر گزار آنکھوں سے انور کو دیکھا، اور کہا،

"میں شکریہ ادا کرتی ہوں تمہاری اس انسانیت کا، میں تمہیں پتھر بلکہ لوہا سمجھتی تھی، لیکن تم تو موم نکلے، موم، شریف مرد، شریف انسان ایسے ہی ہوتے ہیں، تمہارا یہ روپ اس سے پہلے میں نے کبھی نہ دیکھا تھا،!"

انور نے کہا،

"اب آپ مجھے بنانے کی کوشش نہ فرمایئے، من آنم کہ من دانم، رات زیادہ آ گئی ہے ——— اب تمہیں گھر جانا چاہیئے"

انور نے کہا،

"یہ زبان اب تمہارے بارے میں کبھی نہیں کھلے گی ——— اور؟"

ناہید بولی،

"دھمکیاں دینا بند کر دو!"

انور نے جواب دیا،

"اس زبان پر اب کوئی دھمکی کا لفظ نہیں آنے پائے گا ——— کچھ اور؟"

ناہید نے کہا،

"مجھے بھول جاؤ!"

انور نے کہا،

"بھول گیا میں تمہیں ——— بس؟"

ناہید بولی،

"مجھے معاف کر دو، میری غلطیاں بخش دو!"

انور نے بڑی فراخدلی اور اولوالعزمی کے ساتھ کہا،

"یہ بھی منظور ——— اب تو تم خوش اور مطمئن ہو؟"

ناہید نے کہا،

"ایک بات اور ———؟"

انور بولا،

"ہاں ہاں وہ بھی کہہ ڈالو ناہید اس وقت دریائے سخاوت

اور جذبۂ رحمت جوش پر ہے، جو مانگو گی وہ پاؤ گی!"

ناہید نے کہا،

"میرے خط مجھے واپس کر دو!"

انور نے کچھ سوچا، پھر کہا،

"یہی ہوگا ——— تمہارے ہاتھ کا لکھا ہوا، ہر پرزہ ہر رقعہ، ہر خط، میں کل صبح ہوتے ہی تمہیں واپس کر دونگا"

ناہید نے شکر مند آنکھوں کے ساتھ انور کو دیکھا اور نظریں جھکا لیں، انور نے ایک تبسم کے ساتھ کہا،

"اب تو تم خوش ہوئیں! ابتو ایک سوکھی ہوئی بیتی سے تم پھر ایک کھلا ہوا پھول بن جاؤ گی،؟ اب تو پھر بڑھاپا بھاگ جائے گا، اور جوانی کے جھولے خوشی اور چین کے ساتھ جھولو گی،؟"

ناہید نے پھر شکر گزار آنکھوں سے انور کو دیکھا، اور کہا،

"میں شکریہ ادا کرتی ہوں تمہاری اس انسانیت کا، میں تمہیں پتھر بلکہ لوہا سمجھتی تھی لیکن تم تو موم نکلے، موم، شریف مرد، شریف انسان ایسے ہی ہوتے ہیں، تمہارا یہ روپ اس سے پہلے میں نے کبھی نہ دیکھا تھا،!"

انور نے کہا،

"اب آپ مجھے بنانے کی کوشش نہ فرمایئے، من آنم کہ من دانم، رات زیادہ آگئی ہے ——— اب تمہیں گھر جانا چاہیئے"

ناہید نے کہا،

"ہاں بہت دیر ہو گئی، اب جاتی ہوں، اور اپنے دلمیں تمہاری عزت، لیکر جاتی ہوں، یہ عزت اس سے پہلے کوئی آدمی بھی مجھ سے نہ حاصل کر سکا تھا!"

انور نے ہنسکر کہا،

"بہت بنا رہی ہو ناہید، مجھے مغالطہ میں مبتلا کرنے کی کوشش نہ کرو میں ایک پاپی ہوں، شرابی ہوں، میں کسی عزت کا مستحق نہیں، یہ تمہاری شرافت ہے، کہ تم مجھ جیسے ننگ انسانیت کے بارے میں اتنا اچھا خیال رکھتی ہو، ——— اچھا خدا حافظ،

جاتے جاتے ناہید نے کہا،

"کل صبح میں انتظار کروں گی اپنے خطوں کا!"

انور نے کہا،

"تم کیوں پریشان ہوتی ہو، میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں، یہ وعدہ ایک مرد کا وعدہ ہے، انور کا وعدہ ہے!"

یہ کہہ کر انور ناہید کو دیکھنے لگا، ناہید نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا،

"کتنے اچھے آدمی ہو تم انور!"

ناہید چلی گئی، اور انور اپنے گھر واپس آ گیا،

انور سے رخصت ہو کر، جب ناہید واپس آئی، اور اپنے گھر کے

دروازہ پر پہونچی، تو احمد دروازہ پر کھڑا ہوا اسے ملا، ناہید نے اس سے پوچھا،

"کوئی کام ہے مجھ سے؟"

احمد نے کہا،

"جی ——— چھوٹی دکان پر منیجر کی جگہ خالی ہوئی ہے"

ناہید نے کہا،

"ہاں تو؟"

احمد نے لجاجت کے ساتھ کہا،

"اگر آپ صاحب (یوسف) سے دو بول بول دیں، تو یہ جگہ مجھے مل سکتی ہے!"

ناہید نے جواب دیا،

"لیکن ان کے معاملات میں میں کوئی دخل نہیں دیتی، تم جانو وہ جانیں!"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے لگی، احمد کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن وہ گھر میں داخل ہو چکی تھی!

احمد کو توقع تھی کام بن جائے گا، اور بڑے مزے سے وہ چھوٹی دکان کا منیجر مقرر ہو جائے گا، لیکن ناہید نے اس کی آس توڑ دی، اور وہ مایوس و مغموم ہو کر واپس چلا،

اب تک ناہید اس کی نظر میں ایک معزز عورت تھی، اور اب وہ اس کی "سسری" بن چکی تھی، جس سے انتقام لینے کے لئے مچل رہا تھا، اس کا بس چلتا تو وہ ناہید کی چوٹیا پکڑ کر گھسیٹ لیتا، وہ ہمیشہ سے اول جلول آدمی تھا، لیکن انور کو اپنا مہمان رکھ کر وہ شراب کا رسیا بھی بن چکا تھا، اور جب سے شرابی ہوا تھا، رفتہ رفتہ اپنی تمام اچھی عادتیں چھوڑتا چلا جا رہا تھا، صرف انور سے اس کی غیر متزلزل وفاداری قائم تھی .... یوسف سے بھی اس کا دل صاف نہیں تھا، البتہ ناہید کو وہ اچھا سمجھتا تھا، مگر آج اس کی بھی عقیدت کا قلعہ منہدم ہو گیا،

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی کے بارے میں حسن ظن قایم کرتا ہے، تو چاہتا ہے، وہ وہی کہے، وہی کرے، وہی سوچے، جو

اس کا عقیدت کیش چاہتا ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو جذبات عقیدت کو ٹھیس پہونچتی ہے، اور وہ متزلزل ہونے لگتی ہے، عام طور پر لوگ صرف رائے بدل لینے پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن احمد کی فطرت یہ تھی کہ وہ حسن ظن اور خوش عقیدگی میں اتنے غلو سے کام نہیں لیتا تھا، جتنے غلو کا وہ بدظنی اور مخالفت میں اظہار کرتا تھا، چنانچہ یہاں سے وہ ناہید کا بدترین دشمن اور بدترین مخالف بنکر روانہ ہوا،

انور کا نیا مکان، احمد کے مکان سے بالکل قریب ہی تھا، انور تو احمد کے ہاں بہت کم شاذ و نادر ہی جاتا تھا، لیکن خود احمد فرصت کے اکثر اوقات و لمحات انور کے گھر پر اپنی دیرینہ وفاداری اور محبت کے مظاہرہ میں صرف کیا کرتا تھا، ریحانہ کو احمد کی اس روش سے بہت فائدہ پہونچتا تھا، وہ خانگی ضروریات کے سلسلہ میں بہت کم باہر نکلتی تھی، احمد خود تمام باتوں کا خیال رکھتا، اور ضروری سامان اور سودا خود پوچھ پوچھ کے لا دیا کرتا تھا،

اب رات کے دس بج چکے تھے، ریحانہ اپنے کمرہ میں پڑی غافل سو رہی تھی، اور، انور ایک پلنگڑی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا، حقہ کے کش لگاتا جاتا تھا، اور کچھ سوچتا جاتا تھا، معلوم ہوتا تھا، اس وقت وہ کسی بڑی گہری فکر میں ڈوبا ہوا ہے،

اسی حالت میں احمد پہونچ گیا، اور ایک کونہ پر وہ بھی جا کر بیٹھ گیا، انور اس سے مخاطب نہیں ہوا، اور چپ چاپ بیٹھا ہوا حقہ

بیتا رہا،

پھر وہ احمد سے مخاطب ہوا، اس نے کہا،

"میرا ایک کام کر دوگے احمد؟"

"ایک نہیں، دس، کہہ کے تو دیکھو!"

انور دوسرے کمرہ میں گیا، وہاں سے کاغذات کا ایک پلندا لیکر واپس ہوا، اسے ایک بڑے لفافہ میں بند کیا، پھر اس نے احمد سے کہا،

"صبح ہوتے ہی تم یوسف کے ہاں چلے جانا!"

"وہاں جاکر کیا کروں!"

"یہ لفافہ ناہید کو دیدینا!"

احمد نے حیرت اور تعجب کے ساتھ کہا،

"کسے"؟

"ناہید کو ——— یوسف کی بیوی کو ——— تم پہچانتے ہونا؟"

احمد نے ایک غیر محسوس طنز کے ساتھ کہا،

"ہاں! ہاں خوب پہچانتا ہوں، ——— اچھی طرح سے!"

کچھ دیر خاموشی سی رہی، پھر احمد نے انور سے پوچھا،

"لیکن مجھے کیوں بھیج رہے ہو، خود کیوں نہیں دے آتے؟"

انور نے کہا،

"ہے ایک وجہ!"

احمد نے کہا،

"مجھے بھی نہیں بتاؤ گے! ——— کوئی اس طرح کی وجہ ہے!"

انور نے کہا،

"کوئی خاص بات تو نہیں ہے، لیکن تم یہ باتیں پوچھ کر کیا کروگے ——— اصل بات یہ ہے کہ میں ناہید کا سامنا کرنا نہیں چاہتا، ——— تم یہ لفافہ کسی اور کے ہاتھ میں نہ دینا، سیدھے ناہید کے پاس چلے جانا، اور کہنا یہ لفافہ انور نے دیا ہے، بس وہ لے لیگی!"

احمد نے بے پروائی سے کہا،

"وے آؤں گا لاؤ!"

انور نے لفافہ احمد کے ہاتھ میں دیدیا، اور احمد نے لفافہ لے کر کہا

"اچھا، اب چلتا ہوں"!

"جاؤ خدا حافظ!"

احمد جب دروازہ پر پہونچ گیا، تو انور نے اسے پھر آواز دی

"احمد"

وہ لوٹ آیا، سامنے آکر کھڑا ہو گیا، اس نے پوچھا،

"کیا ہے! کوئی نئی بات؟"

"کوئی نئی بات تو نہیں ہے، میں کہہ رہا تھا کہ ذرا خیال رکھنا!"

"کاہے کا خیال!"

"یہی کہ یہ لفافہ صرف ناہید کے ہاتھ میں پڑے، کسی اور کے ہاتھ میں نہ پڑنے پائے!"

احمد نے کہا،

"ہاں ہاں سمجھ گیا، میں کوئی بچہ ہوں؟"

یہ کہہ کر احمد رخصت ہوا، اور انور اطمینان سے اپنے کمرہ میں آکر سونے کیلئے لیٹ گیا،

احمد بھی اپنے گھر واپس آکر سونے کی تیاریاں کرنے لگا، وہ لفافہ اپنے سرہانے رکھ کر سونے کیلئے آنکھیں بند کر چکا تھا کہ خیالات پریشان نے اسے پریشان کرنا شروع کر دیا، وہ سوچ رہا تھا، انور نے جب یوسف کی نوکری تک اختیار کر لی، اور اس کی دکان میں کام کرنے لگا، پھر وہ ناہید کا سامنا کرتے ہوئے کیوں ہچکچاتا ہے؟ کوئی راز ہے اس میں؟ آخر انور میں اور ناہید میں کیا تعلق ہو سکتا ہے، اگر کچھ جان پہچان تھی بھی، تو اس کا یہ نتیجہ کیسے نکلا کہ وہ اس کی صورت سے بھاگنے لگے،

اس گتھی کو حل کرنے کی بڑی دیر تک احمد نے کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا، پھر اس نے ادھر سے اپنی توجہ ہٹا لی، اب وہ سوچنے لگا، اس لفافہ میں کیا ہے، کیا ہو سکتا ہے؟ آخر ہے کیا؟ کوئی امانت ہے؟ کوئی راز؟

یہ سوچتے ہی وہ کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، اس نے لالٹین کی بتی اونچی کی، اور سرہانے سے لفافہ اٹھا کر، اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، لفافہ کی پشت پر ناہید کا نام بھی نہیں تھا، انور نے اتنی احتیاط

کیوں کی ہے، ؟ اور لفافہ خاصا وزنی معلوم ہوتا ہے، اس میں بہت سے کاغذات معلوم ہوتے ہیں، دیکھنا چاہیئے، یہ معاملہ کیا ہے؟ لفافہ کھولنا مشکل ہی کیا ہے؟ ابھی کھل جائے سارا بھید، کھولوں؟

یہ سوچ کر اس نے لفافہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن فوراً انور کی ——— اس کے سابق آقا اور محسن کی ——— تصویر اسکے سامنے آکر کھڑی ہو گئی، وہ بولی،

"یہ امانت میں خیانت ہے احمد"

احمد شرمندہ سا ہو گیا، اسنے لفافہ چپکے سے اٹھا کر پھر سرہانے رکھ دیا، روشنی دھیمی کی پھر چارپائی پر لیٹ رہا،

لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی، وہ کروٹ پر کروٹ بدل رہا تھا، مگر نیند کا کہیں کوسوں پتہ نہیں تھا، اب اس کے سامنے ناہید کی تصویر موجود تھی، جو بے پروائی، استغنا اور شاید حقارت کے ساتھ کہہ رہی تھی،

"لیکن ان کے معاملات میں، میں کوئی دخل نہیں دیتی، تم جانو وہ جانیں!"

ناہید کی یہ تصویر، احمد کے دبے ہوئے جذبات ابھارنے میں کامیاب ہو گئی، وہ پھر کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، اس نے لالٹین کی بتی اوپر کی، بڑی احتیاط سے لفافہ کھولا،

لفافہ کے اندر بہت سے خط تھے کسی عورت کے لکھے ہوئے کسی

مرد کے نام، اوہو، وہ عورت بھی ناہید تو ہے، اور وہ مرد احمد، ہمارے انور میاں!

احمد نے ایک ایک خط بڑے شوق کے عالم میں پڑھ ڈالا، بعض بعض خط تو اس نے کئی کئی دفعہ پڑھے۔ وہ کبھی مسکراتا، کبھی ہنستا تھا، کبھی کچھ سوچنے لگتا تھا، لفافہ کھلا ہوا، اس کے سامنے پڑا تھا، خطوط بکھرے ہوئے اس کی نظر کے سامنے پڑے تھے، وہ ان پڑھے ہوئے خطوں میں سے ایک آدھ خط پھر اٹھا لیتا تھا، اور پھر پڑھنے لگتا تھا، رات کو بڑی دیر تک اس کا یہی مشغل رہا، پھر اس نے آپ ہی آپ ذرا بلند آواز سے کہا،

"آ گئی جال میں چڑیا، اب کہاں جائے گی بچکر!——— مزہ نہ چکھا دیا ہو، بیگم صاحبہ کو تب کی بات!"

اب اس نے لفافہ میں خطوط پھر سے بند کر دیئے، لیکن دو تین خط اپنی جیب میں رہنے دیئے، یلندا، اپنے سرہانے رکھا، اور خود، اس چھوٹے سے شراب خانہ کی طرف روانہ ہوا، جس میں مزدور طبقہ کے چند افراد آیا کرتے تھے، اور رات گئے تک شراب و کباب کی لذت اٹھایا کرتے تھے، یہاں احمد اس لئے آتا رہتا تھا، کہ اندھوں میں کانا راجہ بننے کا اسے پورا پورا موقع حاصل تھا، یہ مزدور اسے اپنا سردار اور ہیرو مانتے تھے، ان کے آپس کے جھگڑے بھی وہ یہاں فیصل کیا کرتا تھا،

جاتے جاتے اس نے سوچا، کہ جاؤں یا نہ جاؤں، لیکن، ایک بہت بڑا راز اس کے ہاتھ آ گیا تھا، ایک بہت بڑا پروگرام اس کے پیش نظر تھا، ایک بہت بڑی اسکیم اس کے زیر غور تھی، وہ اکیلا اپنے کمرہ میں بیٹھ کر کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ سکتا تھا، اسے یہ سارا معاملہ اپنی رازدار اور وفادار پنچایت کے سامنے رکھنا تھا، لہذا وہ زیادہ دیر تک کشمکش خیال میں مبتلا نہیں رہا، اور ایک ہی جھونک میں شراب خانہ پہونچ گیا،

وہ پہونچا تو یار لوگوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی، ہاتھوں ہاتھ لیا، اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں،

احمد نے کہا،

"یارو اور بھی کچھ سنا!"

ایک ساتھی بولا،

"نہیں تو——— کوئی مزے کی بات ہو تو سنا ڈالو!"

احمد نے جیب سے خط نکالا، اور رازدارانہ طور پر سنانا شروع کر دیا، پھر دوسرا، پھر تیسرا، اسی طرح کئی خط سنا ڈالے، پھر اس نے زور سے ایک قہقہہ لگایا، اور کہا،

"پکڑ لیا بھید!"

ساتھی بولا،

"ہاں بھئی پکڑ تو لیا، پھر اب؟"

احمد نے کہا،

"اب ؟ ——— اب میری باری ہے!"

ساتھی نے پوچھا،

"کیا کروگے "؟

احمد نے بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ جواب دیا،

"دیکھ لوں گا، یوسف میاں کو، ناہید بیگم کو ——— دیکھ لوں گا کتنے پانی میں ہیں، یہ بڑے لوگ!"

ساتھی نے طنز کے ساتھ کہا،

"ہونھ ——— بڑے لوگ!"

احمد بولا:

"ابے دیکھے جا، آگے آگے کیا ہوتا ہے؟"

ساتھی نے پوچھا،

"ہمیں بھی تو بتاؤ!"

احمد نے کہا،

"تم سے کون چھپا سکتا ہے، ؟ تمہارے بغیر تو، بات ہی ادھوری رہے گی، ؟"

پھر دونوں میں رازدارانہ باتیں ہوئیں، اور رات کو ۲ بجے کے قریب، احمد اپنے گھر واپس پہونچا، اور چارپائی پر لیٹتے ہی خراٹے لینے لگا،

ناہید کی جب سے یوسف سے شادی ہوئی تھی، وہ معمول

اور پریشان رہتی تھی، اس نے شادی اس لئے کی تھی کہ پھولوں کی سیج پر زندگی بسر کرے گی، جیسے وہ دل سے چاہتی ہے، اسے اپنا لے گی، اور خود اس کی ہو جائے گی، غم اور فکر کا دور ختم ہو جائے گا، خوشی اور مسرت کے ترانے زندگی کے چمنستان میں گونجنے لگیں گے، لیکن شادی کے بعد ہوا کیا، ؟ بے شک وہ یوسف کی ہو گئی، اور یوسف اس کا ہو گیا، یوسف نے اپنی محبت کے پھول اس پر نچھاور کئے، اور اس کے لئے واقعی پھولوں کی سیج بچھا دی، لیکن انور نے اسے کانٹوں کی سیج بنا دیا، ہر وقت اسے یہ دھڑکا رہتا تھا، کہیں انور، افشائے راز نہ کر دے، اور اس کی محبت کا قلعہ، واقعی کہیں منہدم نہ ہو جائے، لیکن آج رات کو اس نے، انور کا ایک نیا روپ دیکھا تھا اور وہ تھا ایک انسان کا، ایک شریف انسان کا روپ، اب اس کے دل کا بوجھ اتر گیا تھا، اور وہ سکھ اور اطمینان محسوس کر رہی تھی جو غم اسے گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا، وہ دور ہو گیا تھا، وہ بڑے اطمینان سے خوشی کے جھولے جھولتی ہوئی سوئی،

صبح اٹھی، تو پھول کی طرح اس کا چہرہ شگفتہ تھا، وہ منتظر تھی کہ اب حسب وعدہ انور آتا ہوگا، اور خطوط کا پلندا اسے لاکر واپس کر دے گا، وہ بیقراری کے ساتھ کچھ دیر تک گیلری میں ٹہلتی رہی، پھر باغیچہ میں آ گئی، وہ پھولوں کے پودے اور گملے دیکھ رہی تھی لیکن دل انور میں اٹکا ہوا تھا، اوہ وہ ابتک کیوں نہیں آیا

کیا اسنے رات مجھے دھوکہ دیا، غلط وعدہ کیا؟ بے وقوف بنایا یہ سوچتے سوچتے اس کے کانوں میں انور کی آواز گونجنے لگی،

"یہ وعدہ ایک مرد کا وعدہ ہے، انور کا وعدہ ہے؟"

وہ پھر مطمئن ہوگئی،

وہ باغیچہ میں ٹہل رہی تھی، اتنے میں احمد اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا، وہ سمجھی یہ پھر پریشان کرنے اور سفارش کرانے آیا ہے اس نے تیوری چڑھا کے کہا،

"پھر آگئے تم؟"

یہ الفاظ تیر کی طرح احمد کے سینے پر لگے، لیکن اس نے اپنے دل کی کیفیت چھپائی اور کہا،

"یہ انور میاں نے دیا ہے!"

ناہید نے خوشی خوشی وہ لفافہ لے لیا، اور گھر کے اندر چلی گئی اپنے کمرہ میں پہونچی، دروازہ اندر سے بند کیا، لفافہ کھولا، انگیٹھی سلگائی سرسری طور پر خطوط پر ایک نظر ڈالی، اور انہیں نذر آتش کر دیا،

بہت دن بیت گئے، لیکن ریحانہ اور ناہید میں ملاقات نہو سکی ناہید اکثر اسے یاد کیا کرتی تھی، اکثر اس کے دل میں ریحانہ سے ملنے کا جذبہ پیدا ہوا کرتا تھا لیکن وہ اس کے ہاں جا نہیں سکتی تھی، اس لئے کہ انور کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچاتی تھی، اسے اپنے پاس بلا بھی نہیں سکتی تھی، اس لئے کہ اس کا دل ڈرتا تھا کہیں انور اسے منع نہ کر دے، اور منع کرتے کرتے کچھ ناگفتنی اور ناگفتنی باتیں نہ کہہ گزرے وہ چاہتی تھی، ریحانہ اسے بھول جائے اور انور کے سامنے کبھی بھولے سے بھی اس کا ذکر نہ آنے پائے، اسی میں عافیت تھی، یہی مناسب صورت تھی،

شام کا وقت تھا، ناہید اپنے باغیچہ میں ایک آرام کرسی پر دراز تھی، سامنے سڑک پر لوگ آ.... جا رہے تھے، اور وہ اپنے باغیچہ میں بیٹھی ہوئی.... آئندو روند کے مناظر دیکھ رہی تھی اتنے میں اس کی نظر ریحانہ پر پڑی، وہ اس طرف سے غالباً اپنے گھر جا رہی تھی

حسن اب بھی تھا، لیکن افسردہ، ناک نقشہ اب بھی ویسا ہی تھا، لیکن بے رنگ چہرے پر وہی شرافت اور معصومیت، اب بھی کھیل رہی تھی جو ہمیشہ کھیلا کرتی تھی، آنکھیں جھکی ہوئی، اور وہ کچھ سوچتی ہوئی چلی جا رہی تھی،

ریحانہ کو دیکھ کر ناہید کا دل زور زور سے اچھلنے لگا، یہ اس کی کتنی پیاری اور وفادار سہیلی تھی، لیکن اب اس سے بچھڑ چکی تھی، اور زمانہ کے مصائب جھیل رہی تھی، ابتک وہ انور کے سبب اس سے ملتے ہوئے یا اسے بلاتے ہوئے جھجکتی اور ڈرتی تھی، لیکن اب تو انور کا کانٹا نکل چکا تھا، اب تو وہ پتھر سے موم بن چکا تھا، اب تو وہ ایک دہشت انگیز غنڈے کے بجائے ایک شریف انسان ثابت ہو چکا تھا، اب ریحانہ سے ملنے میں اس کے ہاں جانے میں، اسے اپنے پاس بلانے میں کیا حرج ہے!

یہ سوچ کر وہ خوش خوش اٹھی، باغیچے سے باہر نکل کر اس نے آواز دی،

"ریحانہ"!

ریحانہ نے مڑ کر اسے دیکھا، ناہید اسے پکار رہی تھی، وہ اپنی جگہ کھڑی ہو گئی، ناہید نے کہا،

"یہاں تو آؤ"!

وہ آکر سامنے کھڑی ہو گئی، ناہید بولی،

"کب تک خفا رہو گی"؟

ریحانہ نے جواب دیا،

"خفا؟ ——— میں تو بالکل خفا نہیں ہوں تم سے!"

"پھر ملتیں کیوں نہیں؟"

"اب ہمارا تمہارا میل کیا؟ سنگت کیسی؟"

"یہ کیوں"؟

"پہلے میں ایک امیر باپ کی بیٹی تھی، اب ایک غریب باپ کی غریب لڑکی ہوں، پہلے میں تمہارے پاس اٹھ بیٹھ سکتی تھی، اب میں اور میرا باپ دونوں تمہارے ملازم ———"

ناہید نے ریحانہ کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا، اور بولی،

"بس کرو، ریحانہ!"

ریحانہ نے کہا،

"تم ہی نے چھیڑا تھا، اب تم کہتی ہو تو چپ ہوئی جاتی ہوں"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی، ناہید نے اس کی طرف پرنم آنکھوں سے دیکھا، اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی،

"ریحانہ"

ریحانہ بولی،

"سن رہی ہوں کہو!"

ناہید نے کہا،

"تم تو بڑی پیاری لڑکی تھیں، یہ جلی کٹی باتیں کہاں سے سیکھ لیں تم نے؟"

ریحانہ نے کہا،

"زمانہ کے ساتھ آدمی بھی بدل جاتا ہے اور آدمی جب بدلتا ہے، تو اس کا لب ولہجہ بھی بدل جاتا ہے!"

یہ کہہ کر ریحانہ نے ایک نظر ناہید کے چہرے پر ڈالی، پھر بولی

"اب اجازت ہے جاؤں؟"

ناہید نے کہا،

"تم نہیں جا سکتیں ابھی ——— اُٹھو چلو میرے ساتھ!"

یہ کہہ کر ناہید نے ریحانہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لیکر چلی،

ریحانہ نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا،

"میں وہاں نہیں جاؤں گی!"

ناہید نے پوچھا،

"کیوں"؟

ریحانہ بولی،

"اب اس گھر میں قدم رکھنے کا میرا جی نہیں چاہتا"

ناہید نے کہا،

"ریحانہ اگر ایسی باتیں کرو گی، تو میں رونے لگونگی!"

اور واقعی وہ رونے لگی، اس نے اسی گلوگیر آواز میں کہا،

"دنیا بدل جائے، مگر میں نہیں بدل سکتی، میرا دل نہیں بدل سکتا میرے دل سے تمہاری محبت نہیں کم ہو سکتی!"

ریحانہ کو ناہید اپنے ساتھ لے آئی، اپنے پاس صوفے پر اسے بٹھا کر ناہید بولی،

"سچ کہنا، تم نے کبھی یاد نہیں کیا اس عرصہ میں مجھے؟"

ریحانہ مسکرائی اور بولی،

"اور تم نے"؟

"قسم لے لو ——— اکثر تمہیں یاد کرتی رہی ہوں!"

"پھر آج سے پہلے یہ مہربانی کیوں نہیں کی جس طرح آج مجھے گھسیٹ لائیں، اس سے پہلے بھی تو ایسا کر سکتی تھیں!"

ناہید نے کہا،

"ریحانہ تم نے چوٹ تو بڑی بھاری کی ہے، لیکن، سچ کہتی ہوں مجبور تھی!"

"یوسف نے منع کیا تھا؟"

"ایسا نہ کہو ریحانہ، وہ بڑے اچھے آدمی ہیں، وہ مجھے کسی کام سے منع نہیں کرتے؟"

"پھر کیا بات تھی"؟

"تھی ——— بتا دیں گے پھر کبھی!"

کچھ دیر تک خاموشی سی رہی، ناہید محسوس کر رہی تھی، آج ریحانہ

وہ ریحانہ نہیں ہے، جو پہلے تھی، پہلے وہ گھل مل کے ملتی تھی، آج وہ کچھ رکی رکی سی، کھنچی کھنچی سی نظر آ رہی ہے، اس نے کہا

"ریحانہ ایک بات تو بتاؤ!"

"پوچھو!"

"واقعی تم مجھ سے خفا نہیں ہو!"

"بالکل نہیں!"

"پھر یہ تکلف کیوں آگیا ہے تم میں؟ تم مجھے غیر کیوں سمجھنے لگی ہو؟ میں وہی ہوں، میرا دل وہی ہے، لیکن تم وہ نہیں ہو، تمہارا دل کچھ بدل گیا ہے!"

"یہ بات نہیں ہے ناہید!"

"پھر؟ پھر کیا بات ہے؟"

"میرا دل بجھا بجھا سا ہے!"

"یہی تو پوچھتی ہوں کیوں"؟

"یہ تو پوچھے بغیر تمہیں معلوم ہونا چاہیئے تھا!"

"میں بے وقوف سہی کچھ بتاؤ تو سہی!"

"مجھ سے ابا جان کی بے بسی نہیں دیکھی جاتی، ان کی غربت دیکھ دیکھ کر میرا دل روتا ہے، ——— کل تک وہ سب کچھ تھے، آج کچھ نہیں ہیں، کل تک وہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار تھے اور آج؟ ایک مزدور!"

یہ کہتے کہتے، ریحانہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ناہید نے بڑے پیار سے اس کے آنسو پونچھے، اور بولی،

"سچ کہتی ہو، ریحانہ، لیکن وہ نہیں مانتے تو تم ہی مان لو ایک بات میری!"

"کیا!"

"میں روپیہ دیتی ہوں، وہ لے لو!"

"کیا کروں اسے لیکر؟"

"انور سے کہو، پھر سے تجارت شروع کر دیں!"

"یہ نہیں ہو سکتا ناہید"!

"کیوں! اسی لئے نا کہ تم مجھے غیر سمجھتی ہو؟"

"یہ بات تو نہیں ہے!"

"پھر کیا بات ہے بتاؤ؟"

"ابا جان نہیں لیں گے!"

"تو انہیں یہ کیوں بتاؤ کہ میں نے دیا ہے!"

"پھر کیا کہوں؟ ——— وہ پوچھیں گے ضرور اور مجھے بتانا ہی پڑیگا!"

"تم انہیں راضی نہیں کر سکتیں؟"

"کاہے کے لئے؟"

"یہی کہ وہ میرا روپیہ قبول کر لیں، اور کاروبار شروع کر دیں!"

"نہیں ——— میں کیا انہیں کوئی بھی راضی نہیں کر سکتا ——— تم تو جانتی ہو ان کا مزاج!"

ناہید نے کہا،

"پھر آخر کیسے چلے گی یہ ناؤ؟"

ریحانہ نے کہا،

"جب تک چل رہی ہے، چل رہی ہے! کسی دن ٹکرا جائے گی کسی چٹان سے، اور ———"

ناہید نے کہا،

"خدا کے لئے اب کچھ نہ کہو، مجھ سے نہیں سنا جائے گا!"

ریحانہ پھر کچھ کہنے والی تھی، کہ یوسف آ گیا، اسے دیکھ کر ریحانہ گھبرا گئی، یوسف بڑے تپاک اور اخلاق سے ملا، وہ ریحانہ کو اس وقت یہاں دیکھ کر، اور ناہید سے باتیں کرتے دیکھ کر، بہت متاثر ہوا، اس کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ وہ ریحانہ کی دلی کیفیت محسوس کر رہا ہے، اور دل ہی دل میں کڑھ بھی رہا ہے، ریحانہ نے ایک تبہ اس کی طرف دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں، اور ناہید سے مخاطب ہو کر گویا ہوئی،

"بڑی دیر ہو گئی اب جاتی ہوں!"

ناہید نے کہا،

"ابھی سے! کچھ دیر اور بیٹھو"

"اب نہیں ——— اب تو دروازہ دیکھ لیا ہے، آتی رہا کروں گی!"

یہ کہہ کر وہ مسکرائی، وہی مغموم، اور افسردہ تبسم!

یوسف نے ناہید سے کہا،

"جانتی ہو یہ کیوں جا رہی ہیں؟"

"تم کیا جانتے ہو بتاؤ!"

"بتا دوں!"

"ہاں ہاں بتاؤ!"

"آب آمد تیمم برخاست!"

"کیا مطلب؟"

"یہ تمہاری ریحانہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں، میں آیا اور یہ اٹھ چلیں!"

ریحانہ کا دل اب تک یوسف کی محبت سے سرشار تھا، لیکن زبان خاموش تھی، اس نے صرف یہ کہا،

"تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ——— میں نفرت کرتی ہوں، تو آپ بھی ضرور نفرت کرتے ہوں گے مجھ سے!"

یوسف جھینپ سا گیا، اس نے بات بناتے ہوئے کہا،

"میں بھلا نفرت کر سکتا ہوں، اور وہ بھی کسی اور سے نہیں تم سے ——— ریحانہ تم نہیں جانتیں میرے دل میں تمہاری

کتنی محبت اور عزت ہے ـــــــــــــــ تم ایک شریف اور پاک نہاد لڑکی ہو تم سے نفرت کوئی شیطان ہی کرسکتا ہے!"

ناہید بولی،

"سچ کہتے ہو یوسف، ریحانہ جیسی شریف لڑکی آجتک میری نظروں سے تو گزری نہیں!"

ریحانہ مسکرائی، اور بولی،

"تم دونوں میاں بیوی نے آج تہیہ کر لیا ہے کہ مجھے خوب بناؤگے"

تھوڑی دیر تک ریحانہ اور وہاں بیٹھی، پھر ناہید سے باربار آتے رہنے کا وعدہ کر کے وہ اپنے گھر چلی گئی،

راستہ میں وہ برابر یوسف کی باتوں پر غور کرتی رہی، وہ دل ہی دل میں سوچتی رہی، یوسف میرا تھا لیکن کسی اور ہو گیا لیکن میں اسی کی ہوں، اور زندگی بھر اسی کی رہوں گی، جب تک میں سے دیکھ نہیں لیتی، سب کچھ بھولی رہتی ہوں، اور جب اسے دیکھ لیتی ہوں تو اس کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں رہتا!

ریحانہ نے یہ بھی سوچا کہ اب ناہید سے ٹوٹا ہوا رشتہ جڑ چکا ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں وعدہ خلافی کر دوں، اور اس کے ہاں نہ جاؤں، لیکن میں مرجانا گوارا کر لوں گی، مگر ایک ملازمہ کی حیثیت سے اس کے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی، غریب ہونا عیب نہیں ہے

لیکن اپنے باپ کے سابق ملازم کے گھر میں اس کی ملازمہ بنکر جانا کم از کم میں تو عیب سمجھتی ہوں، ناہید مجھ سے جب باتیں کرتی ہے تو احساس کمتری کا جذبہ میرے اندر پیدا ہو جاتا ہے، اور میں برابر سے بات کرنے میں، پاس بیٹھنے میں یہ کمتری کا جذبہ محسوس کرتی رہتی ہوں یوسف کے سامنے بھی میری آنکھیں چار نہیں ہوتیں، کیا سوچتا ہوگا یہی نا کہ پہلے یہ میرے آقا کی لڑکی تھی، اور اب میرے ملازم کی، ابا جان، محنت مزدوری کر کے بسر کریں، فاقے بھی کر لیں گے ہم باپ بیٹی، لیکن اب نہ میں یوسف کی دکان پر کام کروں گی نہ ابا کو کرنے دوں گی،

یہی سوچتی ہوئی، وہ گھر میں داخل ہوئی، اتفاق سے انور اس وقت موجود تھا، ریحانہ نے کہا،

"ابا آپ کو میری ایک بات ضرور ماننی پڑے گی!"

"میں اپنی بیٹی کی ہر بات مان لوں گا کہو کیا کہتی ہے؟"

"یوسف کی دکان کی نوکری چھوڑ دیجئے"

"کیوں؟"

"مجھے وہاں کام کرتے ہوئے شرم آتی ہے!"

انور مسکرایا، اور بولا،

"کب سے بیٹی!"

ریحانہ نے صفائی کے ساتھ کہا،

"آج سے!"

"کیوں! آخر وجہ؟"

ریحانہ نے اپنی اور ناہید کی ملاقات کا حال بتایا، اپنی ذہنی کش مکش کی تفصیل بتائی، اور پھر بولی،

"کہیں بھی نوکری کر لیجئے، مگر وہاں نہیں ——— میرے ابا نہیں؟"

انور نے اسے اپنے سینہ سے لگا لیا، اور کہا،

"بیٹی، اطمینان رکھ ——— ہم نے سمجھ لے کہ استعفا دے دیا، اب ہم کبھی نہیں جائیں گے، وہاں!"

پھر انور نے بتایا کہ اس نے ملازمت کے دوران میں پانچسو روپے جمع کر لئے ہیں، اس پونجی سے کوئی دوسرا کام، مختصر پیمانہ پر آسانی سے شروع کیا جا سکتا ہے، اس نے ریحانہ کو اطمینان دیتے ہوئے کہا،

"کل ہی ڈھونڈھتا ہوں کوئی ننھی منی سی دکان!"

ریحانہ یہ سنکر بہت خوش ہوئی، اور محبت بھری نظروں سے اپنے سنکی باپ کو دیکھنے لگی!

آج چھٹی کا دن تھا، لیکن انور آج بھی دکان جا رہا تھا، اس کا خیال تھا کہ آج وہاں جا کر اطمینان سے حساب کتاب مرتب کر لے اور کل سے کام چھوڑ دے، وہ جا رہا تھا کہ راستہ میں شرما ملا، اس نے پوچھا،

"کہاں چلے انور میاں!"

"دکان جا رہا ہوں ذرا"

"آج بھی؟ آج تو چھٹی ہے!"

"جس کی ہو گی، ہو گی! مجھے تو آج بھی کام کرنا ہے جا کر!"

شرما نے افسوس کرتے ہوئے کہا،

"ہائے زمانہ بھی کیا چیز ہے؟ ——— آدمی کو بنتے بگڑتے کچھ دیر لگتی ہے ——— کل تم کیا تھے، اور آج کیا ہو؟"

انور نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا،

"ارے بھئی یہ تو اس دنیا کی پرانی ریت ہے ——— کہو

تمہاری دکان کا کیا ہوا؟"

"اجی میں نے تو رائے بدلدی ——— سچ کہتا ہوں اگر کہیں بیچ دی ہوتی میں نے دکان تو بڑے ٹوٹے میں رہتا!"

"کیوں بھئی!"

"دیکھتے نہیں ہو، چیزوں کے دام کتنے بڑھ گئے ہیں! تمہارے یوسف نے پانچ ہزار لگائے تھے، میری دکان کے ——— کہو ہاں!"

"ہاں لگائے ہوں گے"!

"اور آج پانچہزار مہینہ کا بیوپار کر رہا ہوں، سوچ لو نفع کتنا ملتا ہو گا؟ اب مزے ہیں یاروں کے ——— وہ تو تمہاری قسمت خراب تھی، یوسف نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا، ورنہ میں آج رو رہا ہوتا، اور تم ہنس رہے ہوتے!"

شرما تو یہ کہکر آگے بڑھ گیا، لیکن انور کچھ سوچنے لگا، وہ سوچ رہا تھا، اگر یوسف نے محسن کشی کر کے بھاں جی نہ ماری ہوتی، تو آج میری زندگی سنور چکی ہوتی، یہ شرما جو جانتا بھی نہیں تجارت کسے کہتے ہیں، آج روپیہ سے کھیل رہا ہے، اگر کہیں اس کی دکان میرے ہاتھ میں ہوتی، تو واقعی میں پھر سے سنبھل گیا ہوتا، لیکن میں سنبھل کس طرح سکتا تھا، میرا سب سے بڑا دشمن یوسف بھلا مجھے سنبھلنے کا موقع کس طرح دیتا؟ دشمن سے دوستی کی امید کرنا حماقت

ہے حماقت، وہ میرا پرانا دشمن ہے، وہ بھلا میرے ساتھ کس طرح بھلائی کر سکتا تھا!"

یہی سب سوچتا ہوا، انور دکان پہونچا، اور حساب کتاب کے درست کرنے میں لگ گیا، وہ دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا لیکن بار بار اسے شرما کی باتیں یاد آ رہی تھیں، بار بار اس کے ذہن میں یہی خیال آ رہا تھا، کہ یوسف نے زندگی سنوارنے کا ایک بہترین موقع چھین لیا مجھ سے، اگر وہ آڑے نہ آ گیا ہوتا، اور انجمن کے فیصلہ کے مطابق شرما کی دکان لے کر اس نے مجھے دیدی ہوتی، تو آج شاید میں پھر وہی پہلا سا انور ہوتا، جس کے دروازے پر ہاتھی جھول رہے ہوتے اور جو روپیہ سے کھیل رہا ہوتا،

وہ اسی ذہنی اور روحانی کشمکش میں گرفتار تھا کہ سامنے سے یوسف آتا ہوا دکھائی دیا، یوسف کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا، اس نے دل میں فیصلہ کیا، آج مزہ چکھائے دیتا ہوں اس بدمعاش کو، یہ لونڈا لاکھ نوجوان ہو لیکن مجھ سے تگڑا تو ہے نہیں، پنجہ مروڑ دوں تو اونٹ کی طرح بلبلانے لگے، سارا کس بل نکل جائے بٹیا کا،

اتنے میں یوسف قریب آ گیا، اس نے حیرت سے دیکھا، انور آج بھی چھٹی منانے کے بجائے کام کر رہا ہے، اس نے بڑی ہمدردی کے لب و لہجہ میں انور کو مخاطب کیا،

"ارے یہ کیا؟ آج بھی کام؟"
انور نے کہا،

"بہت ضروری کام ہے!"
یوسف نے پھر سوال کیا،

"لیکن دوسرے چھٹی منا رہے ہیں، آپ کیوں نہیں مناتے یہ کام آج کے بجائے کل بھی ہو سکتا ہے،!"

انور نے رجسٹر بند کئے، اور اٹھتے اٹھتے کہا،

"ابھی بتاتا ہوں!"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا، لپک کر دروازہ اندر سے بند کیا، اور یوسف کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا، یوسف کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، کہ ماجرا کیا ہے، وہ حیرت سے انور کا منہ دیکھتا رہا، آج بھی اتفاق سے یوسف وہیں کھڑا تھا، جہاں ایک روز اور کھڑا ہوا تھا، اور انور اسے نیچے ڈھکیلنے کا فیصلہ کر چکا تھا، کہ ریحانہ آگئی تھی، اور غیر محسوس طور پر وہ موت کے منہ سے صحیح سلامت نکل آیا تھا،

انور نے یوسف سے کہا،

"ہاں بھئی اب ہم تم آمنے سامنے کھڑے ہیں، یہ چھپ چپاتے کی دشمنی ٹھیک نہیں، آؤ آج فیصلہ ہی کر ڈالیں، یا تم نہیں یا ہم نہیں، ہم دونوں میں سے جو ہارے گا، وہ اس کھڑکی سے نیچے زمین پر مرا

مرا ہوا پڑا ہو گا، جو جیت جائے گا، وہ آسانی سے بھاگ سکتا ہے! اپنی جان بچا لے جا سکتا ہے کیونکہ آج یہاں کوئی اور موجود نہیں ہے جو ہماری نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہو،!"

یوسف بدستور حیرت کے ساتھ انور کو دیکھ رہا تھا، اور انور ایک جذبہ کے ماتحت کہے چلا جا رہا تھا،

"خوب آدمی ہو میاں یوسف تم بھی، میں نے تمہاری زندگی بنائی، تم نے میری زندگی برباد.... کر دی، میں نے تمہیں سنبھالا تم نے مجھے تباہ کر دیا، میں نے تمہاری عزت کی، تم نے مجھے ذلیل کیا اب میں یہ باتیں برداشت نہیں کر سکتا، آؤ ہو جائیں دو دو ہاتھ ہمارے تمہارے ——"

یوسف اب بھی خاموش کھڑا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، انور کیا کہہ رہا ہے، اور وہ ان باتوں کا جواب کیا دے؟

انور آگے بڑھا، اور پوری طاقت سے اس نے یوسف کا کالر پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا، یوسف ابھی سنبھل نہ پایا تھا، کہ انور نے اس کے منہ پر ایک گھونسہ رسید کیا، اور پھر اسے مغلوب اور بے بس کر کے وہ کھڑکی سے نیچے ڈھکیلنے کی کوشش کرنے لگا، اب یوسف کو بھی ہوش آیا، اور حفاظت خود اختیاری کے جذبہ کے ماتحت اس نے بھی مزاحمت اور مقاومت شروع کر دی لیکن کہاں انور کہاں وہ؟ جب صرف ذرا سے دھکے میں یوسف نیچے گر سکتا تھا

انور نے اسے اپنی گرفت میں لئے لئے کہا،

"یہ ہے انجام تمہاری بدمعاشیوں کا، تمہاری زندگی میری مٹھی میں ہے کہو کیا کہتے ہو"؟

یوسف نے انور کی گرفت میں جکڑے جکڑے کہا،

"سچ کہتے ہو، میں تمہاری مٹھی میں ہوں، میری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے، لیکن تم سوچ کیا رہے ہو؟ میرا قصہ تمام کیوں نہیں کر دیتے؟ مجھے نیچے ڈھکیل دو، میری جان لیکر اپنے دل کا ارمان اور حوصلہ پورا کر لو، میں خوشی سے تمہیں اجازت دیتا ہوں،!"

انور کے مضبوط ہاتھ ذرا ڈھیلے پڑ گئے، لیکن اس نے یوسف کی گردن پکڑے پکڑے کہا،

"یوسف یہ تم سچ نہیں کہتے ہو، ——— خدا کی قسم دنیا میں کسی آدمی نے کسی دوسرے سے اتنی محبت نہیں کی ہوگی، جتنی میں نے تم سے کی تھی، یاد کرو، یاد کرو میں نے اپنا سب کچھ تمہیں سونپ دیا تھا، تم میرے نوکر تھے، لیکن میں نے تمہیں اپنا مالک بنا لیا تھا!"

یہ کہہ کر انور نے ذرا کے ذرا یوسف کی طرف دیکھا اور پھر کہا

"میں نے تمہیں بے یار و مددگار پایا تھا.... اپنے ہاں نوکر رکھا تھا، اور آج پھر میں تمہیں بے یار و مددگار پا رہا ہوں، میرے دل میں تمہاری مری ہوئی محبت پھر جھلکیاں لے رہی ہے، مجھے تم پر

پھر ترس آ رہا ہے، ——— آج میں تمہیں مار ڈالنے کا ارادہ کر چکا تھا، لیکن جاؤ تمہیں چھوڑے دیتا ہوں، ——— جاؤ، نیچے جاؤ، اپنے نوکروں کو ڈھونڈو، اور انہیں لے کر اوپر آؤ، میں یہیں بیٹھکر تمہارا اور تمہارے آدمیوں کا انتظار کروں گا، ——— مجھے مارو، مجھے مار ڈالو، مجھے دھکیل دو، تمہارے بجائے میں مستحق ہوں مرنے کا، جان سے ہاتھ دھونے کا!"

انور نے یوسف کا گریبان چھوڑ دیا، اور الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا، یوسف نے انور کو دیکھا، اور کہا،

"آخر کیوں تم میری جان لینے پر تل گئے تھے،؟"

"اس لئے کہ میں دشمن کا دشمن ہی بن جاتا ہوں"

"لیکن میں نے کوئی دشمنی نہیں کی، تمہارے ساتھ کیا کسی کے ساتھ بھی نہیں!"

"یوسف میں اب بحث کرنا نہیں چاہتا، اگر تم مجھے سزا دینا اور بدلہ لینا چاہتے ہو، تو میں تیار ہوں ——— اطمینان رکھو میں تمہارے آنے تک کہیں نہیں جاؤں گا، یہیں بیٹھا رہوں گا" یوسف نے کہا

"میں ایسا کر سکتا تھا، لیکن کروں گا نہیں!"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں پاگل اور سنکی نہیں ہوں"!

یہ کہہ کر یوسف تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا، کمرہ سے باہر نکل گیا، اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھا، اور نہ جانے کہاں چلا گیا،

انور نے اطمینان سے کاغذات مرتب کئے، حساب کتاب درست کیا، پھر ایک خط یوسف کے نام لکھا،

"میں پہلے سے فیصلہ کر چکا تھا، کہ اب کہیں کی ملازمت نہیں کروں گا، یہی سوچ کر میں آج چھٹی کے باوجود حساب کتاب درست کرنے آیا تھا، لیکن آج جو واقعہ میرے اور تمہارے مابین ہوا، اس نے اور مجھے اپنے فیصلہ میں مستحکم کر دیا ہے، لہٰذا میری اس تحریر کو استعفا سمجھا جائے، میں نے حسابات اور کاغذات مکمل و مرتب کر لئے ہیں، رجسٹروں کا معائنہ کر کے اطمینان کر لیا جا سکتا ہے!

انور!"

انور نے یہ استعفا میز پر رکھا، اور چلا گیا،

ریحانہ اور ناہید میں باتیں ہو رہی ہیں، آج کئی دن کے بعد ریحانہ ناہید کے پاس آئی ہے، ناہید اس کے آنے سے اتنی مسرور ہوتی ہے کہ اس کے چہرہ پر غم نہاں، اور سوز دروں کی جو کیفیتیں نمایاں ہوتی ہیں انہیں بھی نہیں محسوس کر پاتی، خود ریحانہ بھی اپنی قلبی شورش کو دبانے میں کوئی فروگذاشت نہیں کرتی، وہ چاہتی ہے، اسے جو غم ہے وہ اسی تک محدود رہے اسے عام بنا دینے سے وہ چڑتی تھی،

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری!

شام ہوئی، تو ریحانہ نے جانے کی اجازت طلب کی لیکن ناہید نے اس کا دامن پکڑ لیا، کہنے لگی،

"تم میں سب باتیں اچھی ہیں، بس یہی ایک بات بری ہے!"

"کون سی بات"!

"یہی جانے آنے کی، آیا کرو، تو جانے کا نام نہ لیا کرو"

ریحانہ نے مسکراتے ہوئے کہا،

"لیکن گھر کا کام کون دیکھے گا"؟
ایک دن اگر انور فاقہ بھی کر لیں گے، تو کیا غضب ہو جائیگا
——— آؤ چلو ادھر بیٹھیں"

یہ کہہ کر ناہید، ریحانہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرہ کے کنارے، کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی، باہر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ شاید وہ یوسف کا انتظار کر رہی تھی کہ ابتک وہ کیوں نہیں آیا،

اتنے میں نیچے سے شور کی آواز آئی، ریحانہ اور ناہید دونوں گردن نکال کر جھانکنے لگیں کہ کیا معاملہ ہے،؟ دوسرے کمرہ کی کھڑکی سے گھر کی خادمائیں، اور مامائیں بھی، تجسس کے ساتھ نیچے دیکھنے لگتی ہیں،

احمد کی سرکردگی میں سوانگ رچائے ہوئے، ایک چھوٹا سا جلوس اسی طرف آ رہا تھا، ایک گدھا تھا، جس کی دم کی طرف منہ کئے ہوئے ایک عورت بیٹھی تھی، اس کا لباس اور وضع قطع بالکل "ناہید" سے مشابہ ہے، گدھے کی منہ کی طرف ایک آدمی بیٹھا ہے، جس کی پوشش اور وضع قطع "انور" سے ملتی جلتی ہے، اور احمد ہوالیانہ انداز میں ناہید کے ان خطوط کے جستہ جستہ فقرے اور جلے شاعرانہ انداز میں طنز و تبسم کے ساتھ دوہرا رہا تھا، جو ناہید نے کبھی انور کو لکھے تھے

یہ منظر دیکھ کر ناہید کا منہ زرد پڑ گیا، وہ گھبرا گئی، ریحانہ کچھ نہ سمجھنے پر بھی سب کچھ سمجھ گئی، اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر لی، اور یہ کہا،

"چلو اٹھ چلو یہاں سے!"
ناہید نے بڑی حسرت اور بیچارگی کے ساتھ کہا،
"میرے اٹھ چلنے سے کیا ہوگا، ——— یوسف آتے ہی ہوں گے، وہ یہ سوانگ دیکھ کر سب کچھ سمجھ جائیں گے ——— "
ریحانہ نے کہا،
"تو کیا ہوگا؟"
ناہید بولی،
"وہ مجھے معاف نہیں کریں گے!"
ریحانہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا،
"وہ بڑے اچھے آدمی ہیں، وہ کبھی تم سے خفا نہیں ہوں گے"
ناہید نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا،
"وہ اب آتے ہوں گے، یہی ان کے آنے کا وقت ہے، یہ سب دیکھ کر ان کا کلیجہ پھٹ جائیگا، یہ سب سمجھ کر وہ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے، میں مر جاؤں گی، ریحانہ میں نہیں بچ سکتی!"
ریحانہ نے کہا،
"اچھا تم یہاں سے تو اٹھو!"
ناہید ریحانہ کے ساتھ اٹھی، لیکن تیورا کے پختہ فرش پر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی، ریحانہ نے جلدی سے ڈاکٹر کو ٹیلیفون کیا، پھر ناہید کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگی، ابتک ناہید بیہوش تھی،

اور اسے ہوش میں لانے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تھی، اسی بیہوشی کے عالم میں کبھی کبھی اس کے منہ سے "یوسف" "یوسف" کے الفاظ نکل جاتے تھے،

اتنے میں ڈاکٹر آگیا، اس نے ناہید کی نبض دیکھ کر کہا،

"انہیں کوئی بڑا سخت صدمہ پہنچا ہے دل بہت کمزور ہو چکا ہے، بچنے کی امید کم ہے!"

ریحانہ نے روتے ہوئے کہا،

"بچا لیجئے ڈاکٹر صاحب کسی طرح!"

ڈاکٹر نے مایوسی کے ساتھ گردن ہلاتے ہوئے کہا،

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا!"

ریحانہ نے پوچھا،

"ذرا بھی امید نہیں ہے بچنے کی؟"

"حالت بہت مایوس کن ہے!"

اب ریحانہ کو فکر ہوئی کہ اسوقت یوسف کو جہاں بھی ہونا چاہیئے، اس نے نوکروں کو حکم دیا، یوسف میاں جہاں بھی ہوں انہیں ڈھونڈ کر لاؤ، کہنا، ناہید کی حالت بہت خراب ہے ——— بچنے کی امید نہیں ہے، ڈاکٹر تک مایوس ہے!"

نوکر یوسف کی تلاش میں روانہ ہو جاتے ہیں، اسی اثنا میں ریحانہ کو گھر میں واپس آتے نہ دیکھ کر، انور اس کی تلاش میں نکلا

اور یوسف کے گھر پہونچا، ریحانہ کی اس سے ملاقات ہو گئی، اس نے کہا،

"ہائے کوئی یوسف کو بلا لاتا!"

انور نے پوچھا،

"کیوں کیا بات ہے؟"

ریحانہ نے اسے سارا واقعہ سنایا اور کہا،

"ابا کسی طرح تم ہی ڈھونڈ لاؤ یوسف کو!"

ناہید کا یہ حال سنکر، انور کسی گہرے سوچ میں پڑ جاتا ہے پھر وہ کہتا ہے،

"میں جاتا ہوں، یوسف کو ڈھونڈنے ———"

یہ کہہ کر انور یوسف کے کھوج میں نکل پڑا، اور، ریحانہ پھر ناہید کی تیمار داری میں لگ گئی،

انور دوڑتا ہانپتا ——— اس سڑک سے اس سڑک کے، اس محلہ سے اس محلہ کے، اس کلب سے اس کلب کے چکر کاٹنے لگا، جب مایوس ہو کر واپس آنے والا تھا، ایک دوراہے پر اس کی یوسف سے مڈبھیڑ ہو گئی، یوسف نے اسے دیکھا، اور مخاطب ہوئے بغیر آگے بڑھنے لگا، یہ دیکھ کر انور نے اسے روکا، اسنے پکارا،

"یوسف!"

یہ آواز سنکر یوسف رک گیا، اور انتظار کرنے لگا کہ انور کیا کہتا ہے،

انور نے کہا،

"چلو فوراً چلو!"

یوسف نے بے رحمی کے ساتھ پوچھا،

"کہاں؟ کیوں؟"

انور نے گھبرائی ہوئی آواز اور پریشان لب و لہجے میں کہا،

"گھر ——— گھر چلو!"

"آخر کیوں؟"

"ناہید کی حالت بہت نازک ہے، ڈاکٹر نے جواب دیدیا ہے، سارے گھر میں کہرام مچا ہوا ہے ——— جلدی چلئے ایسا نہ ہو، خدانخواستہ کف افسوس ملنا پڑے"

یوسف نے کہا،

"خیر تو ہے"؟

انور بولا،

"خیریت ہوتی، تو میں دوڑا ہوا کیوں آتا!"

یوسف نے کہا،

"لیکن ناہید کو تو میں بالکل اچھا بھلا چھوڑ کر گھر سے نکلا تھا اتنی دیر میں اسے کیا ہو گیا"؟

انور نے ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ یوسف نے کہا،

"انور صاحب اب تو میرا پیچھا چھوڑ دیجئے، کیا اب بھی آپ کا جی نہیں بھرا؟ ابھی کچھ کسر باقی ہے کیا؟ ——— میں آپ کے دھوکہ میں نہیں آسکتا، آپ تشریف لے جائیے، میں گھر ہی جا رہا تھا، لیکن اب نہیں جاؤں گا، آپ اپنے رستہ جائیے میں اپنے رستہ جاؤں گا!"

انور نے کہا،

"میں سمجھ گیا، تم کیا خیال کر رہے ہو یوسف ——— لیکن میں اتنا نیچ نہیں ہوں، میں شرابی ہوں، لچا ہوں، برا ہوں، لیکن جھوٹا نہیں ہوں، دھوکہ باز نہیں ہوں ——— میری بات مانو میرے ساتھ چلو ——— آؤ!"

یوسف نے بگڑ کہا،

"آپ اپنا رستہ کھوٹا نہ کیجئے، جائیے، میں نہیں جاؤں گا آپ کے ساتھ!"

یہ کہہ کر یوسف دوسرے راستہ پر تیزی سے چلا گیا، اور انور کی نظر سے اوجھل ہو گیا، اور انور سر جھکائے ہوئے آہستہ آہستہ واپس چلا آیا،

انور سوچ رہا تھا، میں کتنا برا آدمی ہوں کہ میری بات کا کوئی اعتبار ——— اور بھروسہ نہیں رہ گیا ہے،

اور یوسف اپنا راستہ چلتے چلتے سوچ رہا تھا کہ دفتر میں انور کو زیادہ آزادانہ موقعہ مجھیر ہاتھ صاف کرنے کا نہیں ملا، وہ کچھ سوچ سمجھ کر، اور ایک پوری اسکیم بنا کر، مجھے بہکانے آیا تھا، تاکہ میں اس کے ساتھ چلا جاؤں، اور وہ راستہ میں اپنے بدمعاش ساتھیوں کو لے کر مجھ پر ٹوٹ پڑے، اور میرا کام تمام کر دے،

غیر ضروری طور پر ادھر ادھر گھومتا ہوا، اور وقت ضایع کرتا ہوا اپنے خیال میں انور کو کنوئیں میں جھکاتا ہوا، اور دھوکہ دیتا ہوا، گیارہ بجے رات کو گھر پہونچا،

گھر پہنچکر اس نے ایک عجیب ہیبتناک، اور لرزہ خیز منظر دیکھا اس نے دیکھا، سارے گھر پر موت کا سناٹا چھایا ہوا ہے نوکر مغموم اور افسردہ کھڑے ہیں، ڈاکٹر سر جھکائے ہوئے ہیں، ریحانہ ناہید کے سرہانے بیٹھی ہے اور ناہید ایک سفید چادر سے منہ ڈھکے، ہمیشگی کی نیند سو رہی ہے،

یوسف نے بڑی دلدوز آواز میں ناہید کو پکارا، اور بے ہوش ہو کر اس کے پاس گر گیا، خاموش مجمع میں حرکت ہوئی، اور سب ناہید کو چھوڑ کر یوسف کی خبر گیری میں لگ گئے،

ساری رات، ناہید کی تجہیز و تکفین کے انتظام میں صرف ہو گئی یہ حادثہ اتنا دفعتہً ہوا تھا کہ جو سنتا تھا حیرت زدہ رہ جاتا تھا، صبح کے آٹھ بجے کے قریب، ریحانہ ناہید کو گوشۂ قبر میں پہنچا کر، اپنے باپ کے گھر واپس آئی،

انور بیٹھا ہوا، کچھ سوچ رہا تھا معلوم ہوتا تھا، رات بھر جاگا ہے اور شاید روتا بھی رہا ہے، ریحانہ کو دیکھ کر بڑے پیار سے انور نے کہا،

"آؤ بیٹی!"

ریحانہ قریب آئی، اور کہنے لگی،

"ناہید کا انتقال ہو گیا!"

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگی، انور نے اسے سینے سے لگا لیا، اور بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ کہا،

"ہاں بیٹی مجھے معلوم ہے ——— لیکن تو اتنی ہلکان

کیوں ہوئی جارہی ہے، کیا تو بھی مرنا چاہتی ہے؟ اگر تو مرگئی، تو میں کیا کروں گا؟ میرا اب اس دنیا میں تیرے سوا کون ہے؟ فریدہ تھی وہ منہ موڑ گئی، دولت تھی، اس نے دھوکہ دیا، دوست تھے انہوں نے آنکھیں پھیر لیں، اب ایک تو ہے جس کے سہارے مجھ پاپی اور شرابی کی زندگی بسر ہو سکتی ہے، کیا تو بھی مجھے چھوڑ جائے گی!"

یہ کہتے کہتے انور خود رونے لگا، اسے روتا دیکھ کر ریحانہ کا جوش گریہ اور بڑھ گیا، اس نے بڑے سوز کے ساتھ

"میرے ابا"!

کہا، اور انور کے کاندھے پر منہ رکھ کے رونے لگی، انور نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ ریحانہ کے سر پر پھیرا، اور کہا

"جا بیٹی، دوسرے کمرہ میں تو سو جا، رات بھر جاگی ہے جاگتے جاگتے تیرا چہرہ کملا گیا ہے! روئی بہت ہے، دیکھ تو آنکھیں کتنی سوج گئی ہیں تیری، تو سو جا، میں تیرے لئے ناشتہ تیار کرتا ہوں جب تیار ہو جائے گا جگا لوں گا! جا!"

ریحانہ نے کہا

"مجھے تو بھوک نہیں ہے ابا جان اور ابھی نیند بھی نہیں آرہی ہے، میں آپ کے لئے ناشتہ تیار کر کے سونے کے لئے لیٹوں گی!"

انور نے جواب دیا،

"بیٹی ہر معاملہ میں ضد نہیں کرتے، اگر ایک دن میں پکا لوں گا

تو کیا ہو جائے گا، ——— تجھے شاید یقین نہیں آتا کہ میں بھی پکا سکتا ہوں، آج ذرا اپنے باپ کا ہنر دیکھ تو سہی!"

یہ کہہ کر انور خود ہی ریحانہ کو جا کر دوسرے کمرہ میں پہونچا آیا اور باہر سے اس نے دروازہ بند کر لیا، ریحانہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی، لیٹتے ہی سو گئی، اور انور اطمینان سے برتن دھونے لگا، پھر اس نے انگیٹھی سلگائی، اور ناشتہ کی تیاریاں شروع کر دیں وہ اپنے کام میں منہمک تھا کہ اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا انور دروازہ پر پہنچا، تو اس نے دیکھا، ایک ادھیڑ عمر کا مضبوط و تنومند آدمی سامنے کھڑا ہے، کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے پھر انور نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا،

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں!"

اس آدمی نے کہا،

"آپ انور صاحب ہیں"؟

انور نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا،

"جی ہاں نام تو میرا یہی ہے"

وہ آدمی بولا،

"میں آپ ہی کے پاس آیا ہوں!"

"نہ ہے عزت، فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی!"

"میرا نام مسعود ہے!"

"مسعود؟"

"جی ہاں مسعود!"

انور نے کچھ دیر تک سوچنے کی کوشش کی پھر کہا،

"معاف کیجئے گا، میں نے اب بھی آپ کو نہیں پہچانا"!

مسعود نے اطمینان کے ساتھ کہا،

"ذرا حافظہ پر زور دیجئے، یاد آجائے گا میں وہی ہوں جس کے سامنے آپنے فریدہ کو طلاق دی تھی، اور وہ اسے اپنے ساتھ لے ——————

انور کا یہ سنتے ہی منہ فق ہو گیا، لیکن اس نے اپنے تئیں سنبھال کر کہا،

"اوہو! آپ ہیں مسعود صاحب؟ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر"

"نوازش!"

"لیکن آپ کا تو انتقال ہو گیا تھا!"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ابتک زندہ ہوں!"

کچھ عرصہ تک دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے رہے لیکن بالکل خاموش، مسعود نے طلسم سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا،

"میں نے سنا ہے اور خدا کرے غلط سنا ہو کہ فریدہ کا انتقال ہو گیا!"

"آپنے سچ سنا ہے، فریدہ اس دنیا سے اور مجھ سے روٹھ

کر چلی گئی!"

مسعود بولا،

"مجھے فریدہ کے انتقال کا افسوس ہے اور خوشی بھی ہے، وہ آپ کے سامنے ہی مرنا چاہتی تھی، وہ غصہ میں میرے ساتھ چلی آئی تھی، جب تک اس کا غصہ قایم رہا وہ مجھ سے خوش رہی ——————

اس دوران میں آپ کی ریحانہ کا انتقال ہو گیا، اور پھر ایک اور ریحانہ پیدا ہوئی، جو ہم دونوں کے دل کا چین تھی ——————

کچھ عرصہ بعد فریدہ کا غصہ اتر گیا، خود آپ کو اس نے معاف کر دیا اور مجھ سے خفا رہنے لگی، وہ مجھ سے اس لئے خفا تھی کہ میں نے اسے سہارا کیوں دیا؟ اس کی ہمت افزائی کیوں کی؟ اسے وہاں سے لے کیوں آیا، اگر میں اسے وہیں چھوڑ آتا، تو ضرور آپ سے اس کی صلح ہو جاتی، اور آپ اپنی طلاق واپس لے لیتے،؟"

انور خاموش تھا، اور مسعود کہہ رہا تھا،

"ایک دن تو اس نے صاف صاف مجھ سے کہہ دیا تھا، میں تمہارے پاس سکھ اور عافیت سے نہیں رہ سکتی، میرا سکھ انور کے پاس تھا وہ چھن گیا تمہارے سبب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، وہ بہت غمگین اور نڈھال رہنے لگی تھی، میں اس کا خون اپنے سر نہیں لینا چاہتا تھا، میں نے چاہا وہ آپ کے پاس چلی جائے، اسی مقصد کے ماتحت میں نے اسے طلاق بھی دیدی، لیکن وہ رونے لگی، فریاد کرنے لگی

اس نے مجھ سے اصرار کیا، کہ میں اپنی طلاق واپس لے لوں، اس لئے کہ وہ ایک ہندوستانی عورت تھی، اور اس نے بھی کہ وہ ایک بچی کی ماں ہو چکی تھی، اور مجھ سے جدائی کے بعد اس بچی کا مستقبل تاریک ہو سکتا تھا، میں اس کی یہ مصلحت سمجھ گیا، لیکن اپنی بچی سے زیادہ مجھے اس کی جان عزیز تھی، میں طلاق واپس لینے پر راضی نہ ہوا، لیکن جب اس کی التجا حد سے بڑھ گئی، تو میں نے کہا میں ایک سفر پر پندرہ بیس روز کے لئے جا رہا ہوں، واپسی پر فیصلہ کروں گا کہ طلاق مجھے واپس لینی چاہیئے یا نہیں،"

انور کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور مسعود کا سلسلہ کلام جاری تھا،

"میں نے سوچا جب تک میں مر نہ جاؤں اُسے سکھ نہیں ملے گا لہذا میں ایک سفر پر چلا گیا، اور روپوش ہو گیا اور مشہور کر دیا کہ میں ایک حادثہ کا شکار ہو کر مر گیا، پھر جیسی کہ مجھے امید تھی، وہ سیدھی آپ کے پاس آئی، اور بالآخر اس نے وہ سکھ حاصل کر لیا، جس کے لئے وہ تڑپ رہی تھی ——— مجھے یقین تھا جب تک فریدہ زندہ ہے، ریحانہ کو کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی، لیکن اب وہ صرف میرے پاس خوشی اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکتی ہے ہاں تو بتائیے وہ میری بچی ہے کہاں ؟"

انور نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا،

"وہ بھی مر گئی !"

مسعود نے بے کلی کے ساتھ پوچھا،

"مر گئی، ریحانہ بھی مر گئی ؟"

"ہاں !"

مسعود نے بڑے اضطراب کے ساتھ دریافت کیا،

"کیوں مری ؟ کیوں مرنے دیا آپ نے اسے ؟"

انور نے بڑے سکون کے ساتھ مسعود کی طرف دیکھا اور کہا،

"آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں مسعود صاحب ؟ مرنے والے کو کون روک سکتا ہے ؟ میری ریحانہ مری آپ نے اسے بچا لیا ؟ پھر میں آپ کی ریحانہ کو کیسے بچا سکتا تھا ؟"

مسعود رونے لگا، اس نے کہا،

"آہ ! اب میں کیا کروں گا ؟ اب آخری سہارا بھی ٹوٹ گیا اُف !" ———

کچھ دیر تک مسعود آنسو بہاتا رہا پھر گویا ہوا،

"میرا آخری خزانہ بھی لٹ گیا ——— اچھا معاف کیجئے گا، میں جاتا ہوں ———

یہ کہہ کر مسعود واپس چلا گیا، اس کے جانے کے بعد انور کے دل میں اندیشہ ہائے دور دراز پیدا ہونے لگے، وہ سوچنے لگا یہ

کمبخت مرکر کہاں سے زندہ ہوگیا؟ اگر کہیں پھر واپس آگیا، اس نے ریحانہ کو، اور ریحانہ نے اسے دیکھ لیا تو؟ پھر کیا ہوگا؟

یہ سوچتے سوچتے انور نے جلدی سے کپڑے بدلے اور اسی راستہ پر چل کھڑا ہوا، جس پر مسعود گیا تھا، وہ اس کا کھوج لگاتا ہوا، اسٹیشن تک گیا، دور سے اس نے دیکھا کہ ریل آئی، اور مسعود کو اپنی گود میں بٹھا کر ہوا ہوگئی،

ریل کے جانے کے بعد انور واپس آیا، اور راستہ میں دل ہی دل میں اس نے سوال کیا لیکن جس نے زبیدہ کے مرنے کی خبر دی ہے کیا اس نے ریحانہ کے زندہ ہونے کی خبر اسے نہ دی ہوگی اگر وہ پھر واپس آگیا، اور اس نے ریحانہ کو چھین لیا مجھ سے تب؟ تب میں کیا کروں گا؟ یا اللہ میں کیا کروں؟ کدھر جاؤں؟ اپنی ریحانہ کو کہاں چھپاؤں؟ کہاں لیکر بھاگ جاؤں اسے؟

اتنے میں ایک شراب خانہ اسے نظر آیا، وہ اپنا غم غلط کرنے وہاں پہونچ گیا اور جام پر جام چڑھانے لگا،

کوئی دو گھنٹہ کے بعد لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ انور گھر میں داخل ہوا، ریحانہ اس کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی، انور نے اسے دیکھ کر بڑے چاؤ پیار سے پوچھا،

"سو چکی میری بیٹی؟"

"ہاں ابا!"

"تو انتظار کر رہی تھی میرا"

"ہاں ——— بڑی دیر کر دی، یہ کہاں چلے گئے تھے، کھانا پکاتے پکاتے؟"

"راستہ دیکھ رہی تھی، پگلی اپنے شرابی اور لچے باپ کا"

ریحانہ نے کہا،

"پھر پینے لگے شراب؟"

انور نے کہا،

"ہاں بیٹی، پھر پینے لگا،!"

"خدا کے لئے ابا جان یہ عادت ———"

انور نے کہا،

"بیٹی یہ میری دوا بن گئی ہے اب"؟

"دوا؟"

"ہاں"

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
ایک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے

ایسی بے خودی جس میں اپنے سب غم، سب فکریں، بھول جاؤں"

"پھر بھی ابا یہ شراب تو بڑی بری چیز ہے!"

"اچھا بیٹی میں چھوڑ دوں گا شراب ——— ایک دم کر ———"

یہ کہہ کر انور نے ریحانہ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور اس سے پوچھا،

"تو مجھے چھوڑ کر چلی تو نہ جائے گی؟ بول کر وعدہ!"

"میں کہاں جاؤں گی ابا؟ ——— بیٹی بھی کہیں باپ کو چھوڑ سکتی ہے!"

انور نے ایک بے خودانہ انداز میں کہا،

"بیٹی ——— باپ ——— باپ ——— بیٹی ——— میں تیرا باپ ہوں ——— تو میری بیٹی ہے ———"

یہ کہتے کہتے بڑی گھبراہٹ کے ساتھ انور نے کہا،

"لیکن کہیں شام ہوتے ہوتے وہ پھر نہ آجائے، تجھے چھین نہ لے مجھ سے!"

ریحانہ نے حیرت کے ساتھ پوچھا،

"کون ابا جان!"

"وہی جو ابھی آیا تھا!"

"کون آیا تھا ———"

"آیا تھا، آیا تھا، تجھے پوچھ رہا تھا، تیری ٹوہ میں ہے وہ!"

"یہی تو پوچھ رہی ہوں کون؟"

"وہی، وہ، وہی ———"

ریحانہ نے اوبھ کر کہا،

"اوہ، وہی بہکی بہکی باتیں"

انور نے ریحانہ کا ہاتھ پکڑ کر زور سے دبایا اور کہا،

"تو میری بیٹی ہے، میں تیرا باپ ہوں ——— کس میں ہمت ہے کہ تجھے مجھ سے چھین لے؟ ہاتھ توڑ دوں گا اس کے، گردن مروڑ دوں گا اس کی!"

ریحانہ نے انور کا ہاتھ پکڑا، اور دوسرے کمرہ میں لے جا کر اسے اسی چارپائی پر لٹا دیا، جس پر خود ابھی تھوڑی دیر پہلے سو رہی تھی، جاتے جاتے اس نے کہا،

"اب کچھ دیر سو رہیے، آپ!"

یہ کہہ کر ریحانہ وہاں سے واپس آگئی، اور گھر کے کام کاج میں لگ گئی، وہ سوچ رہی تھی ابا نے پھر شراب شروع کر دی ہے انہوں نے... چھوٹی سی دکان خرید لی ہے، کل ہی سے ہم دونوں کو وہاں بیٹھنا ہے، لیکن اگر یہ شراب اسی طرح پیتے رہے، تو دکان کیسے چلے گی، کام کیسے چلے گا، ہماری زندگی کس طرح بسر ہوگی، میں نے تو یہی دیکھا اور سنا ہے کہ شرابی کے ہاتھ میں پیسہ نہیں ٹکتا، میں ابا کو کس طرح راہ راست پر لاؤں گی؟ کس طرح ان کے یہ بہن چھڑاؤں گی؟ میری زندگی ان کے ساتھ وابستہ ہے وہ اگر پھر تباہ ہو گئے تو میں کیا کروں گی، کہاں جاؤں گی، مجھے کون سہارا دے گا؟ مجھے کون اپنی پناہ میں لے گا؟

یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ایسے مواقع

پر، وہ قبرستان چلی جایا کرتی تھی، ماں کی قبر پر فاتحہ پڑھ کے خوب روتی تھی، اس سے دل ہلکا ہو جاتا تھا، یہ سوچ کر اس وقت بھی وہ چپکے چپکے باہر نکلی، اور احتیاط سے باہر کا دروازہ بھیڑ کر، قبرستان کی طرف روانہ ہو گئی!

انور کی چھوٹی سی دکان، ٹھیک طرح سے چل رہی ہے، ریحانہ سے جہاں تک ہو سکتا ہے، اس کا ہاتھ بٹاتی ہے،

چند روز سے انور ریحانہ کے معمولات میں کچھ تبدیلیاں دیکھ رہا ہے، پہلے ریحانہ کی دنیا، گھر اور دکان تک محدود تھی، جب تک ناہید زندہ تھی، وہ کبھی کبھی اس کے ہاں چلی جاتی تھی، لیکن جب سے اس کا انتقال ہوا تھا، اس نے کہیں آنا جانا یک لخت ترک کر دیا تھا، انور کہتا بھی تھا کہ جاؤ بٹیا ذرا ٹہل آؤ، وہ ٹال جاتی تھی لیکن ادھر چند روز سے خود بخود بغیر کسی تحریک کے، شام ہوئی، اور وہ ماں کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کا بہانہ کر کے روانہ ہوئی،

انور سوچا کرتا تھا، یہ کہاں جاتی ہے، ماں کی قبر میں دفعتہً یہ کشش کہاں سے آ گئی، کہ آندھی چلے، مینہ برسے لیکن فاتحہ خوانی کے لئے ریحانہ کا قبرستان جانا ناغہ نہ ہو،

ایک روز انور کو بھی قبرستان کی کشش محسوس ہوئی، اور

ریحانہ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ بھی اسی راستہ پر چل پڑا، اس نے دیکھا، قبرستان کے بجائے، قریب کے ایک باغ میں ریحانہ گئی، کچھ دیر بعد وہ بھی وہاں پہونچا، ایک کنج میں ریحانہ اور یوسف کو محو تکلم دیکھ کر، وہ حیران رہ گیا، اس نے دیکھا ریحانہ کا ہاتھ یوسف کے ہاتھ میں ہے، اور وہ مسکرا کر مسکرا کر اس سے باتیں کر رہی ہے اور آہستہ آہستہ اس کنج کے قریب پہونچا، یوسف نے بڑی بیساختگی کے ساتھ ریحانہ کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگایا، اور اسے چوم لیا، ریحانہ نے یہ دیکھ کر جلدی سے ہاتھ چھڑا لیا،

"کوئی دیکھ نہ لے کہیں!"

یوسف نے کہا،

"ریحانہ اب مجھ پر رحم کرو، اب مجھ میں جدائی کا غم اٹھانے کی تاب نہیں ہے!"

ریحانہ بولی،

"باتیں بنانا تو کوئی مردوں سے سیکھ لے، اتنے دن جدائی میں کاٹ دیئے، تو مگن رہے، اور اب جدائی نہیں سہی جاتی ان سے!"

یوسف نے کہا،

"سچ کہتا ہوں، میں غلط فہمی میں مبتلا تھا ——— میں نے دیکھا تم مجھ سے کھچی کھچی رہنے لگی ہو، میں گھنٹوں ناہید کے پاس آکر بیٹھتا ہوں، تمہارے لئے صرف تمہارے لئے مگر تم جھانکتی بھی نہیں

مجھے خیال ہوا، تم انور صاحب کے کہنے میں آگئی ہو، ان کی طرح تم بھی مجھے اپنا دشمن سمجھنے لگی ہو، اپنے باپ کے سابق ملازم سے ربط و محبت کا تعلق قایم کرنا شاید تم اپنی توہین سمجھتی ہو، میں نے چاہا، معاملہ صاف کر لوں، لیکن تم نے اس کا موقعہ بھی کبھی نہ دیا

میں بھی ایک بے سہارا آدمی تھا، ناہید نے مجھے سہارا دیا، اور میں نے اس کے دامن محبت میں پناہ لے لی، ——— اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم مصلحتہً مجھ سے کھچی ہوئی ہو، تو شاید آج ہماری زندگی کی تاریخ کچھ اور ہوتی"

ریحانہ ایک انداز خاص کے ساتھ بولی،

"لیکن مجھے دیکھو تمہاری اس بے وفائی کے باوجود دل تمہی کو چاہتا رہا!"

اب انور میں تاب ضبط نہ رہی، اس کا بس چلتا تو یوسف کو ابھی اور یہیں ختم کر دیتا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتا لیکن اب زمانہ کی سختیوں اور مصیبتوں نے اس میں کسی حد تک تحمل اور برداشت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا، یہ سب کچھ دیکھ کر، اور سمجھ کر بھی وہ خاموشی کے ساتھ اپنے گھر واپس آگیا، اور ریحانہ کا انتظار کرنے لگا،

دفعتہً بڑے زور کا پانی برسنے لگا، بادل گرجنے لگے، بجلی چمکنے لگی، اور موسلا دھار بارش ہونے لگی، انور کو فکر پیدا ہوئی ریحانہ ابتک کیوں نہیں آئی، ابتک تو اسے آجانا چاہیئے تھا،

وہ دل ہی دل میں کہنے لگا،

"ابھی تک نہیں آئی، ہو گی اسی لٹیرے کے پاس! وہ میرا سب کچھ لوٹ چکا، لیکن اس کا دل نہیں بھرا اب تک ——— اب وہ میری سب سے قیمتی پونجی بھی لوٹ لینا چاہتا ہے، ریحانہ کو مجھ سے چھین کر اپنا بنا لینا چاہتا ہے!"

پھر اس نے سوچا،

ریحانہ کو روک نہیں سکتا، میں اسے پا کر کھو نہیں سکتا، میں اس کے راستہ کا پتھر نہیں بنوں گا، اگر وہ یوسف کو چاہتی ہے اس سے خوش ہے، اسے اپنا رفیق حیات بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے تو میں اسے ہرگز منع نہیں کروں گا، ہرگز اس کے فیصلہ میں حارج نہیں ہوں گا، ——— لیکن وہ ابتک آئی کیوں نہیں میرا دل ہول رہا ہے!"

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا، کہ ریحانہ پانی میں لت پت اسے آتی دکھائی دی، وہ اس حالت میں اسے آتا دیکھ کر گھبرا گیا، بڑھ کر اس نے کہا،

"میری بیٹی!"

ریحانہ نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا،

"میں بھیگ گئی ابا جان!"

"ہاں بیٹی تو بہت بھیگ گئی، جا جلدی سے کپڑے بدل ڈال میں تیرے لئے چائے بناتا ہوں!"

ریحانہ انور کی طرف دیکھ کر مسکرائی، اور شرماتی ہوئی اپنے کمرہ میں چلی گئی، اور انور واقعی چائے بنانے بیٹھ گیا، جب تک وہ کپڑے بدل کر آئے آئے، انور نے چائے تیار ہی تو کر ڈالی، اور اسے آواز دی،

"بیٹی چائے تیار ہے!"

"آئی ابا جان!"

یہ کہتی ہوئی، ریحانہ اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی، انور نے چائے کی پیالی دی، اس نے کھڑے کھڑے پیالی لیکر اس سے پوچھا،

"اور ابا جان آپ؟"

"میں تو نہیں بھیگا ہوں بیٹی، تو پی لے ——— پئے گی تو طاقت آئے گی مجھ میں!"

ریحانہ چائے کے گھونٹ حلق سے اتار رہی تھی، اور سوچ رہی تھی، باپ بھی ماں کا قائم مقام بن سکتا ہے، امی کے مرنے کے بعد میں نے سمجھ لیا تھا، اس دنیا میں اب کوئی میرا نہیں رہ گیا ہے، لیکن یہ میری کتنی بڑی حماقت تھی، جسے خدا نے اتنا مہربان رحم دل، اور محبت کرنے والا باپ دیا ہو، وہ بھلا کس منہ سے کہہ سکتی ہے کہ جن لڑکیوں کی مائیں مر جاتی ہیں، وہ بے بس اور بے کس بن جاتی ہیں!"

ریحانہ چائے پی چکی تو انور نے کہا،

"ادہر خوب فرّاٹے کی ہوا آ رہی ہے تو کمبل اوڑھ کر اپنے کمرہ میں لیٹ جا —— میں ذرا باہر جاتا ہوں،"

انور باہر چلا گیا، اور ریحانہ انور کی محبت بھری باتوں کو یاد کرتی ہوئی، اپنی چارپائی پر آ کر لیٹ گئی!

انور آج خلاف معمول شام کو باغ میں ٹہلنے چلا گیا، یہ وہی باغ تھا، جہاں اس نے ریحانہ اور یوسف کو ملتے ہوئے، محبت کی باتیں کرتے ہوئے، دیکھا تھا، اس وقت اسے خیال بھی نہیں تھا کہ یوسف یہاں ہوگا، لیکن شام کے دھندلکے میں اس کنج کے پاس انور نے دیکھا، ایک آدمی ٹہل رہا ہے، جیسے وہ کسی کے انتظار میں ہو انور نے دل ہی دل میں کہا ہو نہ ہو یہ یوسف ہے، یوسف کا خیال آتے ہی اس کا دل غصہ اور نفرت سے بھر گیا، لیکن اپنے اوپر قابو حاصل کر کے وہ آہستہ آہستہ اس طرف بڑھا، قریب پہنچکر اس نے دیکھا یہ شخص یوسف نہیں ہے مسعود ہے، یہ دیکھ کر اس کا رنگ زرد پڑ گیا، اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو، وہ الٹے پاؤں واپس ہوا، اور گھر پہونچکر اس نے دم لیا، خیریت یہ ہوئی کہ مسعود اسے نہیں دیکھ پایا،

گھر آ کر اس نے خلاف معمول یہ دیکھا کہ ریحانہ موجود ہے حالانکہ

یہ وقت اس کا باہر جانے کا تھا، اس نے ریحانہ سے کہا،

"بیٹی آج تم اپنی ماں کی قبر پہ فاتحہ پڑھنے نہیں گئیں؟"

وہ بولی،

"نہیں گئی ابا جان!"

انور نے پوچھا،

"کیوں؟ میں نے تو تمہیں منع نہیں کیا ہے؟ میں... تو تمہیں کسی بات سے منع نہیں کرتا میری بچی!"

ریحانہ نے کہا،

"مجھے ایک گمنام خط ملا ہے، لکھا ہے میں نے تم سے کئی دفعہ ملنے کی کوشش کی، مگر مجھے تم سے ملنے نہ دیا گیا، بالا بالا لوٹا دیا گیا، آج شام کو تم باغ میں ملو، کچھ بھید کی باتیں بتانا ہیں تمہیں ——— کچھ اپنی کہنا ہے، کچھ تمہاری سننا ہے!"

انور نے یہ الفاظ سنے اور اس کی آنکھوں کے سامنے مسعود کی تصویر پھرنے لگی، اس نے پوچھا،

"پھر تم گئیں، کیوں نہیں؟"

"کیسے جاتی ابا جان ——— جانے کون آدمی ہے؟ میں بھلا آپ سے پوچھے بغیر کیسے چلی جاتی؟"

"تم جا سکتی ہو ریحانہ، تمہیں جانا ہی چاہیئے، تم جاؤ اس دنیا میں ایک تم ہو جو میری تھیں، لیکن اب تم بھی میری نہیں رہیں

اب تمہیں بھی مجھ سے بچھڑنا پڑے گا، ——— لیکن ریحانہ ٹھہرو، تم ابھی نہ جاؤ، میں جاتا ہوں، اس گھر سے، اس شہر سے ——— ہمیشہ کے لئے، مجھے جانا پڑے گا، مجھے جانا چاہیئے!"

ریحانہ نے روہانسی ہو کر کہا،

"کیوں! کیوں بچھڑنا پڑے گا؟ آپ مجھے چھوڑ دیں گے ابا جان!"

"ہاں بیٹی، یہ ہو کر رہے گا، ——— لیکن تو گھبراتی کیوں ہے! مجھ سے زیادہ محبت کرنے والے دل تجھے ملیں گے!"

ریحانہ نے سوچا،

ابا جان نے شاید مجھے یوسف سے ملتے جلتے دیکھ لیا ہے، اسی لئے خفا ہیں، اور روٹھے جا رہے ہیں، وہ بولی،

"کہیں یوسف کی وجہ سے تو"

انور نے بات کاٹ کر کہا،

"نہیں بیٹی یہ بات بھی نہیں ہے، تو یوسف سے شادی کرنا چاہتی ہے، ——— کیوں بیٹی ہے نا یہی بات؟"

ریحانہ نے سر جھکا لیا، انور نے کہا،

"میں تجھے مبارکباد دیتا ہوں، لیکن میں اب ٹھہر نہیں سکتا مجھے جانا ہے!"

یہ کہہ کر انور خود بھی روتا ہوا، اور رومال سے اپنے آنسو پونچھتا ہوا، گھر سے چلا گیا، اس کے جانے کے بعد ریحانہ پھوٹ پھوٹ کر

رونے لگی،

وہ رو رہی تھی، کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، ریحانہ نے جلدی جلدی آنسو پونچھکر دروازہ کھولا، یوسف کے ساتھ مسعود سامنے کھڑا تھا، ریحانہ نے حیرت سے مسعود کو دیکھا، وہ جسے مردہ سمجھ رہی تھی، وہ زندہ اور تندرست سامنے کھڑا تھا، قبل اس کے کہ وہ اس کے اور انور کے بارے میں کوئی رائے قایم کر سکے، وہ اس کی طرف بیتابی کے ساتھ لپکا، اور بیقراری سے،

"میری ریحانہ"

کہہ کر اس نے اسے سینہ سے لگا لیا، اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، ریحانہ کا دل پہلے ہی سے رو رہا تھا، انور کی دفعتہً جدائی نے اس کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا، اب اسنے مسعود کو جو روتے دیکھا، تو وہ بھی رونے لگی، مسعود اس کا باپ نہیں تھا لیکن اس کی ماں کا شوہر تو تھا، اسے باپ کی طرح برسوں پال پوس چکا تھا، پھر وہ اسے روتا دیکھ کر کیسے نہ رو پڑتی، یہی احساس تھا، جو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش کر رہا تھا!

انور پا پیادہ چل کھڑا ہوا، اس کے سامنے کوئی منزل مقصود نہیں تھی اسے خود نہیں معلوم تھا کہ کہاں جا رہا ہے، وہ صرف یہ جانتا تھا، کہ وہ جا رہا ہے، اور اسے جانا چاہیئے، کس شہر میں، کس دیہات میں، کس قریہ میں؟ اس سے وہ ناواقف تھا،

پھرتا پھراتا وہ تیسرے دن، ایک چھوٹے سے شہر میں پہونچا، سب سے پہلے اس کی نظر ایک چڑی مار پڑی، اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سا پنجرا تھا، اور پنجرے میں ایک خوبصورت مینا بیٹھی ہوئی تھی اس نے چڑی مار سے پوچھا،

"کیا دام ہیں اس کے؟"

چڑی مار نے کہا،

"صرف بارہ روپے!"

انور نے جیب میں ہاتھ ڈالا، تو صرف بارہ روپے اور چند آنے موجود تھے، روپے اس نے چڑی مار کے حوالے کئے، پنجرا ہاتھ میں

لیا، اور جدھر سے قطع مسافت کرتا ہوا آیا تھا، اسی طرف پھر چل کھڑا ہوا،

اس وقت اس کے چہرہ پر خوشی چمک رہی تھی، وہ سوچ رہا تھا، میں جا رہا ہوں، ہمیشہ کے لئے جا رہا ہوں لیکن اپنی چہیتی اور دلاری لڑکی کو اس کی شادی کی تقریب میں، ایک حقیر سا تحفہ نہ دیتا جاؤں؟ اسے مینا بہت پسند ہے، میں وہاں ٹھہروں گا نہیں، وہ روکے اصرار کرے گی، تب بھی نہیں، الٹے پاؤں واپس آجاؤں گا، لیکن اسے یہ تحفہ دوں گا ضرور، اس ٹوٹے ہوئے دل کا تحفہ بڑی خوشی سے قبول کرلے گی، میری ریحانہ،

تیسرے روز، رات کے وقت انور پھر اس شہر میں داخل ہوا جہاں سے وہ خود اپنے ہاتھوں جلاوطن ہوا تھا، وہ سیدھا، یوسف کے گھر پہنچا، یہ گھر آج بقعۂ نور بنا ہوا تھا، آج ریحانہ سے اس کی شادی تھی، مہمان جمع تھے، ناچ گانا ہو رہا تھا، عجیب گہما گہمی اور رونق کا عالم تھا، مسعود اس تقریب کا سب سے بڑا منتظم تھا اور بڑھ چڑھ کر اسے کامیاب بنانے میں حصہ لے رہا تھا،

انور دبے پاؤں، گھر کے پچھلے حصہ میں داخل ہوا، جہاں ملازمین کی کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں، ایک کوٹھری میں وہ گھسا، ایک بوڑھی ملازمہ بیٹھی ہوئی تھی، اس سے انور نے کہا،

"میں ریحانہ سے ملنا چاہتا ہوں!"

وہ بولی،

"کون ہو تم؟"

انور نے جواب دیا،

"کہدینا تمہارا ایک غریب لیکن سچا دوست ملنے آیا ہے!"

ملازمہ نے ایک نظر انور کو دیکھا، اور اندر ریحانہ کو اطلاع دینے چلی گئی، اس کے جانے کے بعد انور باہر برآمدہ میں آکر ٹہلنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد، دلہن بنی ہوئی، زرق برق لباس میں ملبوس خوشی سے بے خود، ریحانہ آئی، انور کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ پیر شکنیں پڑ گئیں، اس نے بڑی حقارت سے الٹے پاؤں جاتے جاتے کہا،

"انور صاحب آپ؟"

انور نے بے خودی کے عالم میں ریحانہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا

"ہاں بیٹی میں ——— لیکن تو نے انور کہہ کر میرے سینہ پر گھونسہ کیوں مار دیا، کیا تو اب مجھے باپ نہیں کہہ سکتی؟ کیا تیرے دل میں مجھ بدنصیب کی ذرا بھی جگہ نہیں ہے ———

میں جانتا ہوں بیٹی تجھے دوسرا باپ مل گیا ہے، لیکن میں دوسری بیٹی کہاں سے لاؤں، ؟ تو اپنے باپ سے جتنی محبت کر سکتی ہے کر، لیکن اپنی محبت کا ایک ذرا سا ٹکڑا مجھے نہیں دے سکتی؟ میرے ٹوٹے ہوئے دل کو نہیں جوڑ سکتی؟ بیٹی اتنی سنگدل تو نہ بن ———

ریحانہ نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا، اور کہا،

"میں آپ سے زندگی بھر محبت کر سکتی تھی، اپنے باپ کے ملنے کے بعد بھی آپ کو چاہتی رہتی لیکن اب ایسا نہیں ہو سکتا، اب میں صرف نفرت کرتی ہوں، ——— تم نے مجھے دھوکا دیا تم نے مجھ سے کہا کہ تم میرے باپ ہو، اور میرا باپ، میرا باپ نہیں ہے تم نے یہی بات مجھ سے چھپائی، مجھ ہی سے نہیں میرے باپ سے بھی جب وہ میری تلاش میں آیا، تم نے اس سے کہدیا، ریحانہ مر گئی، تم نے اسے بھی دھوکہ دیا، اس سے بھی جھوٹ بولے، تم نے اس سے برا برتاؤ کیا، اور اسے مایوس و نامراد واپس جانے پر مجبور کیا ایسے آدمی سے میں محبت نہیں کر سکتی، نفرت کر سکتی ہوں، اور کرتی ہوں ———

ریحانہ ابھی کچھ اور کہتی، لیکن، انور نے اس کی بات کاٹ کر کہا،

"ہاں بیٹی! تو سچ کہتی ہے، مجھ بھکاری کی جھولی میں تیری محبت کا ٹکڑا نہیں پڑ سکتا، پڑنا بھی نہیں چاہیئے، یہ میری غلطی تھی، جو میں یہاں آیا، ایسے خوشی کے موقع پر آکر مجھے رنگ میں بھنگ نہیں کرنا چاہیئے تھا، لیکن میری اس غلطی کو معاف کر دے، میری بیٹی، اب میں تجھے کبھی نہ ستاؤں گا، اب میں جاتا ہوں، ہمیشہ کے لئے جاتا ہوں خدا تیرا بھلا کرے، مولا تجھے سکھی رکھے،"

ریحانہ نے کوئی جواب نہ دیا..... انور آہستہ آہستہ برآمدہ سے نیچے اترا اور تاریکی میں غائب ہو گیا،

ریحانہ اس کے جانے کے بعد پھر بزم طرب میں آئی، اور طوفان رنگ و بو میں کھو گئی، اس نے سوچا بھی نہیں کون آیا اور کون گیا؟

انور بڑا جیالا اور دلاور آدمی تھا، بڑے سے بڑا غم اور کٹھن سے کٹھن مصیبت وہ مردانہ وار برداشت کر لیتا تھا، اس کی آنکھیں ہنسنا جانتی تھیں، رونا نہیں جانتی تھیں، لیکن آج ان ہنستی ہوئی آنکھوں سے آنسوؤں کا آبشار گر رہا تھا، وہ پھوٹ پھوٹ کے رونا چاہتا تھا، وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتا تھا، وہ رو رو کر جل تھل ایک کر دینا چاہتا تھا، وہ اپنے آنسوؤں کے سیلاب میں سب کچھ بہالے جانا چاہتا تھا، لیکن اس نے ایک آہ بھری، اور اس آہ نے اس کے امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے اندر جذب کر لیا!

دوسرے روز ریحانہ ناشتہ سے فارغ ہو کر، اپنے ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھی ریڈیو سن رہی تھی، کہ وہی بوڑھی خادمہ ایک پنجرا لیکر سامنے آئی، اس میں ایک مینا بیٹھی ہوئی اپنے سریلے بولوں میں کچھ گا رہی تھی،

ریحانہ نے حیرت کے ساتھ پنجرے کی طرف دیکھا، اور ملازمہ سے پوچھا،

"یہ کیا ہے؟"

وہ بولی

"وہ بوڑھا رات یہاں آیا تھا نا؟"

"ہاں تو!"

"وہی لایا تھا، جانے کیوں چھوڑ گیا یہاں!"

ریحانہ کو خیال آیا، یہ شادی کا تحفہ ہے، یہی لیکر انور آیا تھا لیکن میں نے اس کا دل توڑ دیا، اس کی فریاد نہ سنی اسے دھتکار

دیا، وہ چاؤ سے لایا ہوا، اپنا تحفہ مجھے نہ دے سکا، اور اسے یہیں چھوڑ کر چلا گیا،

جس وقت ریحانہ، انور کے بارے میں ہمدردی اور تاسف کے ساتھ یہ سوچ رہی تھی، اُس وقت وہ نامراد و بدنصیب شہر سے دور ایک سنسان میدان میں، ایک تناور درخت کے تنہ سے ٹیک لگائے، شراب کے نشہ میں مست بیٹھا ہوا تھا اور بڑے سوز اور لحن کے ساتھ یہ اشعار گا رہا تھا،

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم نشیں کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

اشعار گنگناتے گنگناتے وہ دفعتہً خاموش ہو گیا، اور کسی گہری سوچ میں پڑ گیا، پھر ایک ٹھنڈی سانس لیکر، زمین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا،

اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

پھر اس نے پاؤں پھیلا لئے، اور تنہ سے ٹیک لگا کر، آنکھیں بند کر لیں آنکھیں بند کئے کئے اسنے سینہ کو زور سے دبایا دلمیں درد ہو رہا تھا اور

اس درد کو وہ اس طرح دبا دبا کر روکنے کی کوشش کر رہا تھا،

ریحانہ انور ہی کے خیال میں خاموش اور افسردہ بیٹھی تھی کہ یوسف آیا اس نے ریحانہ کو مضمحل دیکھ کر کہا،

"کیا بات ہے چپ چپ کیوں ہو؟"

ریحانہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس نے ٹکٹکی باندھ کر یوسف کو دیکھا، اور نظریں جھکا لیں، یوسف اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر بڑے پیار سے اس نے پوچھا،

"آخر ہوا کیا کچھ بتاؤ تو!"

ریحانہ نے پرنم آنکھوں اور گلوگیر آواز کے ساتھ انور کا سارا ماجرا کہہ سنایا اور پھر کہا،

"چلو انہیں ڈھونڈ لائیں، کل رات اگر اتنی رکھائی سے میں پیش نہ آئی ہوتی تو دھیان بھی نہ کرتی، لیکن اب میرا دل کوئی اندر بیٹھا ہوا مسل رہا ہے ——— چلو گے،

یوسف نے خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا،

"مجھے کب انکار ہے، ضرور چلوں گا!"

ریحانہ نے ایک دلفریب انداز کے ساتھ اس کی طرف دیکھ کر کہا،

"تو چلو"!

اور دونوں موٹر میں بیٹھکر، انور کی تلاش میں چل پڑے،

گھومتے گھماتے، شہر سے باہر ایک میدان کے پاس پہونچے سامنے

کچھ فاصلے پر، ایک نئی قبر دکھائی دی، چار آدمی قبر کے پاس کھڑے ہوئے تھے، احمد اسی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا، جب وہ قریب آ گیا، یوسف نے کہا،

"احمد، تم ——— یہ قبر کس کی ہے؟"

احمد نے افسردگی کے ساتھ کہا

"انور میاں کی!"

یوسف نے گھبرا کر پوچھا،

"ایں کیا کہا!"

ریحانہ نے بیقراری کے ساتھ دریافت کیا،

"انور میاں مر گئے"!

احمد بولا،

"ہاں مر گئے ——— مجھے اس حالت میں یہاں ملے کہ نشہ میں دھت تھے پاؤں رکھتے کہیں تھے پڑتے کہیں تھے، اس طرح لڑکھڑا رہے تھے جیسے تیز آندھی میں کمزور درخت، یہاں سے پھر اٹھ نہ سکے میں نے انہیں کبھی روتے نہ دیکھا تھا لیکن نہ جانے آج کیوں انکی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی تھی وہ رو جا رہے تھے اور کچھ نہیں بتاتے تھے کیوں رو رہے ہیں جس شخص نے بڑے سے بڑا غم جھیل لیا گیا، نہ جانے کون غم تھا، کہ اس نے ایسے جیالے آدمی کو بھی رونے پر مجبور کر دیا،!"

آنسوؤں سے ریحانہ کا رومال تر ہو گیا، یوسف کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے، اور احمد کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی،!

تمام شد

کچھ فاصلے پر، ایک نئی قبر دکھائی دی، چار آدمی قبر کے پاس کھڑے ہوئے تھے، احمد اسی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا، جب وہ قریب آگیا، یوسف نے کہا،

"احمد، تم ——— یہ قبر کس کی ہے؟"

احمد نے افسردگی کے ساتھ کہا

"انور میاں کی!"

یوسف نے گھبرا کر پوچھا،

"ایں کیا کہا؟"

ریحانہ نے بیقراری کے ساتھ دریافت کیا،

"انور میاں مر گئے"!

احمد بولا،

"ہاں مر گئے ——— مجھے اس حالت میں یہاں ملے کہ نشہ میں مست تھے پاؤں رکھتے کہیں تھے پڑتے کہیں تھے، اس طرح لڑکھڑا رہے تھے جیسے تیز آندھی میں کمزور درخت، یہاں سے پھر اٹھ نہ سکے میں نے انہیں کبھی روتے نہ دیکھا تھا لیکن نہ جانے آج کیوں انکی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی تھی وہ رو جا رہے تھے اور کچھ نہیں بتاتے تھے کیوں رو رہے ہیں جس شخص نے بڑے سے بڑا غم جھیل لیا، نہ جانے کون غم تھا، کہ اس نے ایسے جیالے آدمی کو بھی رونے پر مجبور کر دیا،!"

آنسوؤں سے ریحانہ کا رومال تر ہو گیا، یوسف کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے، اور احمد کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی،!

تمام شد